“Raja Narsingh Raj Aali Ahwal-o-Adabi Khidmaat”

DISSERTATION

Submitted to the University of Hyderabad in partial fulfillment of the requirement for the award of the Degree of

DOCTOR OF PHILOSOPHY IN URDU

Submitted

By

Mr. Abdul Khalikh Syed
(M.A M.Phil. Urdu)

Supervisor
Prof. Mohd. Anwaruddin
Former Head, Dept. of Urdu

Co-Supervisor
Dr. Nishath Ahmed

Department of Urdu, School of Humanities
University of Hyderabad
Hyderabad 500 0046
August 2015

DECLARATION

I Abdul Khalikh Syed herebydeclare that this thesis entitled **"Raja Narsingh Raj Aali Ahwal –o- Adabi Khidmaat"** Submitted by me under the guidance and supervision of Prof Mohd Awnaruddin, is a bonafied research work which is also free from plagiarism. I also that it has not been submitted previously in part or in full to this University or Institution for award of any degree or diploma. I hereby agree that my thesis can be deposited in shodganga/INFLIBNET.

Date:

Name Abdul Khalikh Syed
Signature of the Student
Regd. No:09HUPH07

Signature of the Supervisor

Signature of Co-Supervisor

راجہ نرسنگھ راج عالیؔ احوال و ادبی خدمات

مقالہ برائے

ڈاکٹر آف فلاسفی (اردو)

اگست 2015

مقالہ نگار

عبدالخالق سید

ایم۔اے، ایم۔ فل
اردو

نگران

پروفیسر

محمد انوارلدین

سابق صدر شعبۂ

معاون نگران

ڈاکٹر نشاط احمد

شعبۂ اردو۔
اسکول آف ہیومانیٹیز
یونیورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد 500046

اگست2015

Department of Urdu
School of Humanities
University of Hyderabad
Hyderabad

CERTIFICATE

This is to certify that dissertation entitled **"Raja Narsingh Raj Aali Ahwal-o-Adabi Khidmaat"** submitted by **Mr. Abdul Khalikh Syed** bearing Regd. No. **09HUPH07** in partial fulfillment of the requirement for the award of the degree of Doctor of philosophy in Urdu is original and the work has been carried out by him under my supervision and guidance. The dissertation has not been previously in part or in full submitted for any degree or diploma to this University or any other institution.

Signature of the Student

Signature of the Supervisor

Signature of Co- Supervisor

Head, Department of Urdu

Dean, School of Humanities

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

پیش لفظ		2
باب اول:	راجہ نرسنگھ راج عالؔی سوانح و شخصیت	7
باب دوم:	راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی غزل گوئی	73
باب سوم:	راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی نظم گوئی	103
باب چہارم:	راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی مرثیہ گوئی	133
باب پنجم:	راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی قصیدہ گوئی	183
باب ششم:	راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے دیگر اصنافِ سخن	219
باب ہفتم:	راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی نثر نگاری	295
باب ہشتم:	اختتامیہ	324
کتابیات		330

پیش لفظ

خدائے پاک کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ میں پی ایچ ڈی جیسی اعلیٰ ترین ڈگری مکمل کر رہا ہوں۔ایم۔فل کے مکمل ہونے کے بعد میرا داخلہ پی۔ایچ۔ڈی میں ہوا اس وقت سب سے بڑا مسئلہ موضوع کا انتخاب تھا۔اس مسئلہ کو حل کرنے میں بڑی حد تک ڈاکٹر حبیب نثار صاحب نے میری مدد کی انہوں نے مشورہ دیا کہ حیدرآباد کے کایستھ گھرانے ایک اہم ادیب و شاعر سے تعلق رکھنے والے شاعر و ادیب راجہ نرسنگھ راج عالؔی پر کام کیا جاسکتا ہے۔انہی کے مشورے سے میرے مقالے کا عنوان ''راجہ نرسنگھ راج عالؔی احوال و ادبی خدمات'' طے پایا۔

میں نے اپنے مقالے کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔جو کچھ اس طرح ہیں۔

بابِ اوّل ''راجہ نرسنگھ راج عالؔی سوانح و شخصیت'' کے عنوان کے تحت ہے اس باب میں راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے جد اعلیٰ دولت رائے سے لیکر ان کی پوتر بہو ڈاکٹر شیلا راج کی ادبی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی سوانح و شخصیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

بابِ دوّم ''راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی غزل گوئی'' کے عنوان کے تحت رکھا گیا ہے اس باب میں راجہ نرسنگھ راج عالی کی غزلوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے ساتھ ہی ساتھ ان کے غزلوں میں موجود فنی محاسن بھی اجاگر کئے گئے ہیں۔عالی کلاسیکی شاعر ہیں لیکن ان کی غزلوں میں جدید موضوعات بھی در آئے ہیں ان کی غزلیں گل و بلبل کے ترانے تک محدود نہیں ہیں ان کے یہاں روایتی موضوعات بھی جدید پیرائے میں ملتے ہیں۔اس باب میں عالی کی غزل گوئی پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہیں۔

بابِ سوّم ''راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی قصیدہ گوئی'' کے عنوان کے تحت ہے عالی دربار سے وابستہ تھے انھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ دربار میں گذارا۔ یہی سبب ہے کہ ان کے یہاں قصائد بڑے ہی لطیف پیرائے میں ملتے ہیں۔انھوں نے نواب میر عثمان علی خاں سے اپنی عقیدت اور انسیت کا اظہار قصیدوں میں کیا ہے، اس باب میں ان کے قصیدوں پر سیر حاصل معلومات فراہم کی گئی ہیں ساتھ ہی قصیدے کے فن اور تکنیک پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

بابِ چہارم ''راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی مرثیہ گوئی'' کے عنوان کے تحت ہے۔ عالی نے صنف مرثیہ میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ان کے یہاں شخصی مرثیے بڑی تعداد میں ملتے ہیں اس باب میں عالی کے مرثیوں کی فنی محاسن کا جائزہ لیتے ہوئے ان مرثیوں کی تاریخی اہمیت اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ساتھ ہی ان کے مرثیوں کا پس منظر کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔

بابِ پنجم ''راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی نظم گوئی'' سے متعلق ہے اس باب میں عالؔی کی نظموں کا تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ عالی نے اپنے ادبی سفر کی ابتدا غزل سے کی لیکن ادب کے بدلتے ہوئے معیار سے عالی بھی متاثر تھے انھوں نے نظم گوئی کی جانب بھی توجہ کی ان کے یہاں اصلاحی نظموں کی خاصی تعداد ملتی ہے۔اس باب میں عالی کی نظموں کا تفصیلی تجزیہ پیش کیا گیا ہے ساتھ ہی اس عہد کے مسائل اور عالی کی سوچ وفکر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

بابِ ششم ''راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے دیگر اصنافِ سخن'' کے عنوان پر مشتمل ہے اس باب میں عالی کی رباعیات، قطعات، تاریخ گوئی، بھجن، دوہے وغیرہ کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

بابِ ہفتم: ''راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی نثر نگاری'' سے متعلق ہے اس باب میں عالی کے مضامین ، خطبات، وغیرہ کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

بابِ ہشتم: ''اختتامیہ'' کے عنوان کے تحت ہے۔اس باب میں مقالے کا مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور اردو ادب میں عالی کے مقام ومرتبے کا تعین کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

شکریہ کے فرائض میں میں سب سے پہلے اپنے مشفق استاد محترم پروفیسر محمد انورالدین صاحب کا

شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ دوران تحقیق تمام مراحل میں ہمیشہ ان کا تعاون حاصل رہا۔ انھوں نے نہایت نرم اور ملائم لہجہ میں میری اصلاح کی زبان و بیان کی اصلاح ہو یا پھر مواد کو پرکھنے کی ، ہر موڑ پر ان کی پدرانہ شفقت مجھے نصیب رہی ۔ میں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ مجھے پروفیسر محمد انور الدین صاحب جیسے قابل استاد کی نگرانی میں کام کرنے کا موقع ملا۔

میں صدر شعبہ اردو استاد محترم پروفیسر مظفر شہ میری کا بھی ممنون ہوں کہ دوران تحقیق انھوں نے اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ انشااللہ میں آگے بھی ان کے مشوروں پر عمل کرتا رہوں گا۔

میں استاد محترم ڈاکٹر حبیب نثار صاحب کا بھی بے حد مشکور ہوں ۔ ان کے مشورے سے ہی میں نے اس اہم موضوع پر کام کیا ہے ۔ مواد کی فراہمی اور نرسنگھ راج عالی کی شاعری کو سمجھنے میں انھوں نے ہمیشہ میری رہنمائی کی ۔ نہایت ہی مشفقانہ اور ہمدردانہ لہجے میں تحقیق کے ہر موڑ پر مجھے ان کی سرپرستی حاصل رہی۔

میں میرے کوگائیڈ ڈاکٹر نشاط احمد کا بھی شکر گذار ہوں جس کے لیے میں ہمیشہ ان کا مشکور رہوں گا۔

میں شعبہ اردو کے دیگر اساتذہ اکرام پروفیسر رضوانہ معین صاحبہ، ڈاکٹر عرشیہ جبین صاحبہ، ڈاکٹر عبدالرب منظر صاحب، ڈاکٹر محمد کاشف صاحب، ڈاکٹر زاہدالحق صاحب کے علاوہ سابق صدر شعبہ اردو، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، پروفیسر نسیم الدین فریس صاحب کا بھی بے حد مشکور ہوں دوران تحقیق ان تمام کے مشورے اور رہنمائی مجھے حاصل رہی۔

میں نے مواد کے سلسلے میں اندرا گاندھی میموریل لائبریری، حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی، ادارِ ادبیاتِ اردو، سالار جنگ لائبریری سے استفادہ کیا ہے۔ خاص طور پر اس موضوع کے مواد کی فراہمی میں مجھے راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے پوتے نارائن راج کی بڑی رہنمائی حاصل رہی ۔ انھوں نے نرسنگھ راج عالی کا کلام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ فراہم کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ادارۂ ادبیات اردو میں ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ کے فرزند سید رفیع الدین قادری صاحب نے بھی مواد کے فراہمی میں میری کافی مدد فرمائی۔

میں اپنی والدہ محترمہ، بھائی اور بہنوں کا بے حد مشکور و ممنون ہوں کہ انھوں نے تعلیم حاصل کرنے

کی طرف توجہ دلائی اور تعلیم حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا اور ہمیشہ ہر طرح سے میرے ممد و معاون بنے رہے۔

میں اپنے دوستوں اور ساتھیوں کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے تحقیق کے دوران میرا ساتھ دیا اور میری بہت سی مشکلات آسان کر دیں۔ ان ساتھیوں میں شیخ یعقوب باشاہ، محمد عباس علی، جے۔ محمد شفیع، آفتاب احمد، شمشاد علی، شیخ فاروق، شیخ سعید، شیخ نیاز صابری، یم۔ معین الدین، شارب، اکمل وغیرہ نے ہمیشہ دورانِ تحقیق میری مدد فرمائی۔

سید عبدالخالق

یونیورسٹی آف حیدرآباد

اگست ۲۰۱۵

☆☆☆

باب اوّل

راجہ نرسنگھ راج عالؔی سوانح و شخصیت

نرسنگھ راج عالی کا خاندانی پس منظر

آصف جاہی حکومت مغلوں کے زیر اثر مقامی نواب میر قمر الدین صدیقی نے قائم کی جو مغل بادشاہ محمد شاہ کے صوبہ دار تھے۔ جنہوں نے ۱۷۲۴ء میں خود مختار ہو کر آصف جاہی کا لقب اپنایا۔ اس حکومت میں سات نظاموں نے حیدرآباد پر حکومت کی۔ تقریباً تمام آصف جاہی حکمرانوں نے ادب، فن، ثقافت اور طرز تعمیری کی سرپرستی کی۔

نظام الملک قمر الدین کے ساتھ جو افراد دہلی سے اورنگ آباد اور پھر اورنگ آباد سے حیدرآباد آئے ان میں راجہ نرسنگھ راج عالی کے جد امجد رائے دولت رائے بھی تھے۔ جو دہلی کے مشہور کائستھ گھرانہ روپ چند اور ان کے فرزند سیتاب رائے سے جا ملتا ہے۔

آصف جاہی دور میں ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے اتنا قریب تھے کہ دونوں قومیں زندگی کے ہر پہلو میں آگے رہے۔ آصف جاہی حکمرانوں کے دوسو سالہ دور حکومت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حیدرآباد میں ہندو اور مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی تشکیل میں ہندو مسلم اتحاد اور یکجہتی کے گہرے نقوش واضح ہوتے ہیں۔ اسی طرح اردو ادب کے فروغ میں بھی دونوں پیش پیش تھے۔

> ''حیدرآباد کی رواداراانہ فضاء کی برقراری میں زبان کے کردار کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ فارسی کی طرح اردو ادب کی تشکیل اور اس کے فروغ میں ہندو اور مسلمان دونوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حالانکہ ہندوؤں کی مادری زبان ہندی ہے لیکن اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ برسوں تک ساتھ رہنے کی وجہ سے انہوں نے اردو زبان کو زیادہ ترجیح دی اور اردو زبان میں طبع آزمائی کی۔ دکن میں اردو زبان کو زیادہ ترجیح دی اور اردو زبان میں طبع آزمائی کی۔ دکن میں اردو زبان کو آج جو مقام حاصل ہے وہ ہندوؤں کی حصہ داری اور شمولیت کے بغیر ناممکن تھا۔ اپنی رواداری کی روایت کو

جاری رکھتے ہوئے آصف جاہی فرمانروا خاص کر آصف جاہ سادس اور آصف جاہ سابع نے اردو زبان کی تشکیل اور فروغ میں مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کی بھی دل کھول کر سرپرستی کی۔ زبان کسی ایک مذہب کی ملکیت نہیں۔ آزاد ہندوستان میں اگر آصفی روایات کی عمل آوری پابندی سے ہوگی تو اردو زبان سب قوموں کو مضبوط اور ایک رشتہ میں باندھنے میں ضرور کامیاب رہے گی۔

آصف جاہی دور میں فرمانرواؤں نے اپنے اپنے رویہ سے اپنی رعایا کو نہ صرف اپنے سے قریب رکھا بلکہ ہندو اور مسلمانوں کو بھی ایک دوسرے سے اتنا قریب لا دیا کہ دونوں قومیں زندگی کے ہر پہلو میں ایک دوسرے سے جڑ گئیں۔ کسی تیسرے آدمی کے لئے ان دونوں قوموں کی شناخت مشکل ہی نہیں ناممکن تھی۔ قربت نے دونوں کے رشتہ بہت استوار اور مضبوط کر دیے تھے۔ حقیقتاً وہ غیر نہیں بھائی بھائی تھے۔ ان کے آپسی میل ملاپ، پیار و محبت اور جذبۂ اخلاص سے متاثر ہو کر راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے یہ رباعی قلمبند کی تھی کہ

اہل دنیا بگڑتے جاتے ہیں
ہندو مسلم کے گہرے ناطے ہیں
سب برادر ہیں غیر عالؔی کون
یہ بزرگوں سے سنتے آئے ہیں

[1]

اس اقتباس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آصفیہ عہد میں ہندو مسلم دونوں مل کر اردو کی تشکیل کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس زمانہ میں کئی ایسے ہندو عالم اور بڑے بزرگ پیدا ہوئے جن کے فیض سے دکن فن و

ادب کا مرجع بن گیا جن میں سے چندولال شاداںؔ، راجہ محبوب نواز ونت باقیؔ، بہاری لال رمزؔ، مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ، بچولال تمکین ، جولا پرشاد فاضلؔ، رائے شنکر پرشاد افضلؔ وغیرہ اس دور کے ممتاز شخصیتیں ہیں۔انھیں شخصیتوں میں سے ایک ہیں راجہ محبوب نواز ونت باقیؔ (راجہ نرسنگھ راج عالیؔ کے والد) اس خاندان نے زمانہ قدیم سے لے کر اب تک اردو ادب کی ترقی وترویج میں اپنا اہم کردار اپناتے رہے۔ یہ سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔اس خاندان کے پانچ پشتوں نے اردو ادب کی آبیاری میں صرف کیا ہے۔وہ حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب اور قومی یکجہتی کی نمائندہ تھے۔انہوں نے ہندو، مسلمانوں میں کبھی کوئی فرق نہیں سمجھا یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس ہمیں امن، بھائی چارگی، خلوص واخلاص کا پیام ملتا ہے۔روزنامہ سیاست کے مدیر زاہد علی خاں یوں رقم طراز ہیں:

> ''ہمارے شہر کی علمی وادبی، تہذیبی وثقافتی تاریخ گواہ ہے کہ حیدرآباد میں کائستھ گھرانوں نے نہ صرف حیدرآباد کی اعلیٰ خدمات انجام دی ہیں بلکہ یہاں کی تہذیبی روایات کو بھی پوری طرح اپنایا۔تہذیبی روایات کا تسلسل آج بھی باقی ہے۔حیدرآباد میں کائستھ برادری اپنی ایک مخصوص پہچان کے ساتھ باوقار طریقے سے زندی گزار رہی ہے۔نہایت شائستہ، مہذب ذہین وفطین شہری ہیں۔حیدرآباد میں کائستھ گھرانے باشعور اور قابل ترین شخصیتیں، حکومتِ وقت سے پوری وفاداری کے ساتھ وابستہ رہیں۔جلیل القدر عہدوں پر فائز رہیں۔کائستھ گھرانوں کے خواتین وحضرات اپنے مخصوص لب ولہجے اپنے منفرد رکھ رکھاؤ اپنی شائستہ رسم ورواج کے سبب الگ پہچانے جاتے ہیں۔''[۲]

راجا نرسنگھ راج عالیؔ کے خاندان میں ان کے بزرگ واسلاف نے جو تہذیب ان کے حوالے کئے ہیں ان کو عمل کرنے میں عالیؔ کے وارث بھی مشغول ہیں۔

آباواجداد:۔راجہ نرسنگھ راج عالیؔ کے جداعلیٰ آصفیہ حکمراں آصف جاہ اول کے عہد میں آئے تھے

اوران کے یہاں مختلف خدمات پر مامور تھے۔ان کا خاندان کئی پشتوں سے سلطنت آصفیہ کی خدمت انجام دیتا رہا۔ روپ چنداوررائے سیتاب رائے دہلی کے کائیستھ گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں انہیں خاندان کے چشم و چراغ دولت رائے آصف جاہ اول نے ۱۱۲۳ھ میں خودمختاری کا علان کیا اس وقت مغلیہ حکومت کے بہت سے تجربہ کاراور قابل اعتمادعہدہ داروں کو اپنے ساتھ حیدرآباد لے آئے ان میں رائے دولت رائے بھی شامل تھے۔اور یہ مغلیہ سلطنت کو خیرباد کہہ کر دکن میں مستقل طور پر سکونت اختیار کی۔رائے دولت رائے بہت ہی ذہین، قابل اور آصف جاہ اول کے بہت ہی وفادار مانے جاتے تھے۔یہی اوصاف ان کے خاندان کے تمام افراد میں پائے گئے ہیں۔

''دولت رائے جو دہلی کے کایستھ گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔
دولت رائے نظام کی فوج میں کمانڈر تھے انہوں نے جگتیال ضلع کریم
نگر کا قلعہ اور علاقہ نظام کیلئے فتح کیا تھا۔''[۳]

دولت رائے کے دوفرزندوں کا ذکر ملتا ہے ان میں سے ایک نرسنگھ بھان اور راجارام نرسنگھ بھان ان کے والد کی طرح فوج میں شامل تھے اور نظام آصف جاہ ثانی کے ساتھ جنگوں میں شرکت فرماتے تھے۔ جنگ پنگل میں لڑائی کے دوران اپنی جان قربان کردی اس واقعہ کا ذکر ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ نے اپنی کتاب ''حیدرآباد کے ادبی رتن میں اس طرح پیش کرتے ہیں:

''۱۷۸۹ء میں نرسنگھ بھان جنگ پنگل میں نظام آصف جاہ ثانی کیسا
تھ میدان جنگ میں شانہ بہ شانہ لڑتے ہوئے ویرگتی کو پراپت
ہوئے۔''[۴]

دولت رائے کے دوسرے فرزند راجارام بہت ذہین، عالم وفاضل طبع شخصیت کے مالک تھے وہ ہندی اور فارسی میں مہارت رکھتے ہیں۔ان کو ادب سے بھی کافی لگاؤ تھا۔ انہوں نے ''چتر گپت جی مہاراج'' کی تاریخ کو ہندی میں منظوم کیا۔

''راجا رام قابل، ذہین اور منتظم تھے ہی ساتھ ہی ساتھ فارسی اور

ہندی کے عالم بھی تھے انھوں نے ہندی کویتا میں چترگپت جی
مہاراج کا چرتر لکھا ہے۔''۵؎

راجارام آصفیہ حکومت کے فوج میں شامل تھے اور انھیں چھتیس کارخانوں کی نگرانی کا کام سونپا گیا تھا اور انہوں نے حسینی علم میں ایک مکان خریدا اور مستقل ڈیوڑھی کی بنیاد ڈالی

''راے راجا رام ابن رائے دولت رائے کو دربار آصفی سے چھتیس
(۳۶) کارخانوں کی تنقیح ونگرانی کا کام عطا ہوا، تو ۱۱۹۸ھ میں انہوں
نے محلّہ چندر کا پور عرف حسینی علم میں ایک مکان خریدا اور مستقل
ڈیوڑھی کی بنیاد ڈالی''۶؎

راجارام کے فرزند رائے سوامی پرشاد تھے۔ان کی ولادت حیدرآباد میں ہوئی۔انھیں اپنے والد کی طرح ادبی دلچسپی تھی یہ ہندی، اردو، فارسی زبانوں سے واقف تھے۔ اور ان زبانوں میں شاعری بھی کیا کرتے تھے انہوں نے شاعری میں اپنا تخلص اصغؔر استعمال کیا کرتے تھے ان کا دیوان مرتب ہوگیا تھا مگر طبع ہونے سے رہ گیا اس دیوان کے قلمی نسخہ کا ذکر ہمیں کالی داس گپتا رضا کی تصنف میں ملتا ہے۔

''سوامی پرشاد اصغؔر کا دیوان ۱۸۱۳ء میں مرتب ہو چکا تھا۔لیکن طبع
نہیں ہوا تھا۔اس کا قلمی نسخہ آصفیہ لائبریری میں ہے۔اس کا ذکر کالی
داس رضؔا گپتا اپنی تصنیف ''سہو وسراغ'' میں (۱۹۸۰) کیا ہے۔''۷؎

رائے سوامی پرشاد اصغؔر شاعری میں نواب بدرالدین خاں امیرالدولہ لائقؔ سے اپنے کلام کی اصلاح لیتے تھے۔انہوں نے اپنی شاعری میں عام فہم الفاظ کا استعمال کیا ہے جس میں مقامی رنگ جھلکتا ہے۔ان کے چند اشعار ملاحظہ ہو۔

یہ دل جب آکے محبت میں جا فراغ لگا
یقین و ہوش سے غفلت کو تب چراغ لگا
حقیر اصغؔر ناداں فقیر ہو دل سے

وہ بوے گل سے عجب دم بدم دماغ لگا
عشق کے رمز کو پانا ہے بہت امر محال
لاکھوں ناسور ہوئے خاروں کے دبتے ہوئے
پایا نہ کبھی یہ دل دیونہ کسونے
حسرت میں کوئی رہ گیا ویرانہ کسونے
کہتے ہیں کوئی دور رہے نزدیک و لیکن
ٹک چھوڑ خودی عشق کو جانا نہ کسونے
سب آکے مسافر گئے اس فانی سراسے
اس جائے میں ہر گز نہ کیا ٹھکانہ کسونے
کونین سے دھو ہاتھ چکا ہو ائے اصغؔر
بولا جو ہو مضمون یہ مستانہ کسونے

۸

رائے سوامی پرشاد اصغؔر کے تین لڑکے تھے ا۔نرسنگ پرشاد،۲۔رائے نرہری پرشاد۳۔نارائن پرشاد۔ان تینوں بھائیوں میں راجہ نرہری پرشاد اپنے کارناموں سے آصفیہ سلطنت کو کافی مطمئین کیا انہوں نے سنسکرت کی مشہور کتاب یوگ وسشٹ کا سنسکرت سے ہندی میں منظوم ترجمہ کیا۔

''نرہری پرشاد نے صرف ہندی میں لکھا تھا شائد وہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے سنسکرت کی مشہور کتاب یوگ وسشٹ کا سنسکرت سے ہندی میں منظوم ترجمہ کیا تھا اور اس کا نام دیا تھا ''نرہری پرکاش'' جسے لکھنے کے بعد اسے وہ کاشی لے گئے جہاں پنڈتوں اور عالموں نے اس ترجمے پر بحث ومباحثہ کے بعد اس پر تصدیق کی مہر لگادی تھی۔''۹

نرہری پرشاد کا انتقال ۱۸۸۲ء میں ہوا ان کے فرزند گردھاری پرشاد نے تاریخ وفات سمت سال اور ہجری اس طرح نکالی۔

''بارہ سو ستا نوے چھوتی صفر نہار
سری نرہری پرشاد جیوتیاگ دیئے سنسار
(۱۲۹۷ھ)
سمت کی تاریخ ہے جیسو نرمل نیر
نرہری چھتر سوہا یوجگ مچکندا کے تیر
(۱۹۳۶سمت) ۱۰

نرہری پرشاد کے چودا (۱۴) لڑکے لڑکیاں تھی۔ ان میں ایک راجا گردھاری پرشاد باقی ہی زندہ رہے۔ راجہ گردھاری پرشاد باقی ۱۲۴۴ھ بمطابق ۱۸۲۸ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اس زمانے کی رواج کے مطابق گھر پر حاصل کی باقی ہندی، اردو، عربی، فارسی اور سنسکرت زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے۔ انھیں کم عمر ہی سے شعر وادب کا ذوق پیدا ہوگیا۔ انہوں نے اپنی شاعری کی اصلاح اس زمانے کے حیدرآباد کے مشہور ومعارف شاعر حضرت شمس الدین فیضؔ سے حاصل کی۔ فیضؔ کے کافی شاگرد تھے ان میں ہندو مسلم دونوں شامل ہیں فیضؔ کے بعد ان کے شاگردوں میں کچھ ایسے بھی شاگرد تھے جو بعد میں استاد کا درجہ رکھنے لگے جن میں راجہ گردھاری پرشاد باقیؔ بھی شامل ہیں:

''فیضؔ کے شاگردوں کی طویل فہرست ہے۔ اس میں ہندو مسلم دونوں شامل ہیں۔ ان کے چند ہندو شاگردوں نے بھی استادی کا درجہ حاصل کیا ان میں بہاری لال رمزؔ، سیتل پرشاد خرمؔ، بچو لال تمکینؔ اور گردھاری پرشاد باقیؔ قابل ذکر ہیں ان کے مسلم شاگردوں میں مشرف جنگ فیاضؔ، حفیظ الدین یاسؔ میر احمد علی عصرؔ مشہور ہوئے۔''۱۱

شمش الدین فیضؔ نے اپنے شاگردوں پر ایک گہرا اثر ڈالا اس کا نتیجہ یہ ہوا ان کے شاگرد بھی ان کے رنگ میں رنگ گئے گردھاری پرشاد کی شخصیت ان سے متاثر تھی اور فارسی میں یہ محمد علی صاحب عاشقؔ سے فارسی تعلیم حاصل کی۔ اور انھیں سے فارسی کلام کی اصلاح بھی لیتے تھے۔ ان دو اساتذہ کی تربیت سے ان کے مزاج میں تصوف کا رنگ جھلکنے لگا۔ باقی جاگردارانہ خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود مزاجاً فقیر منش اور درویشانہ صفات کے مالک تھے۔ آصف سادس غفران مکان نواب میر محبوب علی خان بہادران کی شخصیت سے متاثر تھے اور وہ انھیں اپنے قریب رکھتے تھے۔ اور سفر میں بھی ساتھ رکھتے تھے۔

> ''گورنر جنرل ہندوستان نے سن ۱۸۷۷ء میں دہلی میں ایک دربار منعقد کیا تھا جس میں دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا باقی اس دربار میں میر محبوب علی خاں کے اسٹاف کے ایک رکن کی حیثیت سے شرکت کے لئے گئے۔ اس موقع پر انھوں نے فارسی میں ایک نظم لکھی جو انگریزوں کی حکمت عملی کے خلاف تھی جسے چھپوا کر تقسیم کیا گیا۔ ان کے سفرنامے کے مطابق اس نظم کی تعریف ہوئی۔'' ۱۲

اس زمانے میں حیدرآباد اردو ادب کا مرکز رہا اس لئے شعرا، ادبا، مختلف فنون کے ماہرین حیدرآباد آکر اپنی قسمت آزماتے تھے۔ اسی طرح مختلف مقامات سے شعرا حیدرآباد آنے لگے تھے جن میں داغؔ دہلوی اور امیر مینائی وغیرہ اہم ہیں جن کا تعارف خود باقیؔ نے نواب میر محبوب علی خاں سے کروایا تھا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''مرزا داغؔ حضرت ذوق کے خاص شاگرد تھے جب دہلی کا دربار برخواست ہوا تو وہ رامپور گئے اور وہاں سے سن ۱۸۸۸ء میں حیدرآباد آئے۔ حیدرآباد پہنچنے پر راجہ گردھاری پرشاد باقیؔ نے آصف کے دربار میں پیش کیا۔ داغ کے بعد امیر مینائی بھی حیدرآباد آئے اور انھیں بھی باقی نے شاہ دکن کے دربار میں پیش کیا۔'' ۱۳

راجہ گردھاری پرشاد نے دو شادیاں کیں۔ ان کی پہلی شادی ۱۲۸۵ھ میں ہوئی اس وقت وہ چودہ

سال کے تھے۔ پہلی بیوی سے ان کو چھے لڑکے اور لڑکیاں ہوئیں لیکن بچپن میں ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ ان میں سے صرف ایک لڑکا رائے کیشو پرشاد ہی باقی رہے۔ وہ شاعری میں حساب تخلص استعمال کرتے تھے۔ لیکن یہ بھی اپنی عین شباب میں ہی ان کا ہاتھی سے گر کر انتقال ہوگیا۔ راجا گردھاری پرشاد نے دوسری شادی راجایان راجا مہاراجا نریندر بہادر (مہاراجہ کشن پرشاد کے نانا) کے اسرار پر رائے عالم چند کی دختر سے ان کی شادی ہوئی۔ دوسری بیوی سے ان کو پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیا تولد ہوئیں۔ لیکن تین لڑکے اور دو لڑکیوں کی موت بچپن میں ہی ہوگئی تھی۔ لڑکو میں راجا نرسنگھ راج عالی اور راجا محبوب راج محبوب مشہور ہیں۔ اور لڑکیوں میں گجرا رانی، جاگدامبا رانی، للیتا رانی باقی رہے۔ اکثر بہت کم عمر میں فوت ہوجاتے تھے۔

> "The second marriage gave Bansi Raja's life a new dimension. Domestically at least, it restored a sense of home which had been lost after the death of his first wife. Bansi Raja had five sons and five daughters from his second wife. He remained always unfortunate when it came to children. He lost three sons and two daughters at a young age. The surviving sons were Narsing Raj, Mahbub Raj, and the daughters were Gajra Rani, Jagdamba Rani and Lalita Rani''. ۱۴

راجا گردھاری پرشاد کے اولاد کم عمری ہی میں فوت ہوجاتے تھے نرسنگھ راج عالی بھی بچپن میں ہیضہ کی وجہ سے بیمار ہوئے باقی نے بے حد پریشان اور مایوس ہوکر بنارس میں ایک بزرگ مہاتما بھاسکر آنند سوامی کے پاس ان کا علاج کروائے اور یہی بزرگ نے نرسنگھ راج عالی کی شادی اور ان کی تعلیم پر توجہ دی۔ گردھاری پرشاد کے آخری صاحبزادے محبوب راج تھے یہ شاعری میں محبوب تخلص کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کا انتقال بھی عین شباب میں ہوا۔

گردھاری پرشاد اور ان کے فرزند راجہ نرسنگھ راج عالی کو یہ ایجاز بھی حاصل ہے کہ جب دربار منعقد کیا جاتا تھا اس وقت دربار میں موجود تمام لوگوں کو عطر اور پان پیش کرتے تھے یہ اعجاز اس خاندان کو آزادی تک حاصل رہا۔ ڈاکٹر شیلا راج اس سے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

''Bansi Raja made all arrangements on the eve of Dabars both Mughlai and English. He had the distinction for offering itar and pan at the conclusion of Darbars. This was an honour to his family which it held until the independence of India. (After the death of Bansi Raja, the responsibility to offer itr and pan on the occasion of Darbar was entrusted to his son Raja Narsing Raj''۱۵

گردھاری پرشاد باقی کے کلام میں نہایت سلیس وسادہ الفاظ کوانہوں نے اپنے کلام میں استعمال کیا ہے ان کے کلام کے چند اشعار ملاحظہ ہو:

نمونہ کلام باقی

''رحمت سے ترے کوئی نہ مہجور رہا
ہر غمزدہ جان و دل سے مسرور رہا
بس بخت سیہ اس کا معدوم رہا
جو سایہ کہ زیر سایہ نور رہا
گو باغ جہاں میں شوخ رنگ آیا ہوں
شیشہ کی طرح سے زیر سنگ آیا ہوں
کب تک یہ گرفتگی برنگ غنچہ
آپ اپنی ہی وضع سے تنگ آیا ہوں
کیفیت چشم کی جو دل میں جا ہے
ساقی کس کو شراب کی پرواہے

دل پر جو نگاہ کی تو سرمست ہوا
اس شیشے میں خود نشہ مئے پیدا ہے
اک دن دیدار یار ہو جائے گا
راز اس کا آشکار ہو جائے گا
میں آئینہ ہوں نِگار ہے حسن پرست
ناچار کبھی دوچار ہو جائے گا
ہر چند کہ ادنیٰ ہیں مگر اعلیٰ ہیں
پتھر ہیں مگر کعبہ میں ہیں
ہم سے جز نام دوسری بات نہ پوچھ
مانند نگین جلوہ گر اسماء ہیں
مانند دھویں کے ہے جو سودائے دماغ
احباب کے غم سے ہے جگر میرا داغ
سب سوگئے اہل بزم لیکن باقؔی
ابتک ہے کھلی آنکھ مری مثل چراغ

۱۶

کہہ رہا ہے دل شیدائے شراب
ہائے خم ہائے سبو ہائے شراب

میرے زخموں سے جو پھاہا اُترا
بن گیا پنبۂ مینائے شراب

دریا سے موج موج سے دریا نہیں الگ
ہم سے جدا نہیں ہے خدا اور خدا سے ہم

آپ نے لطف سے آنسو جو نہ پونچھے ہوتے
دیکھتے پھر یہ مرادیدۂ تر کیا کرتا

پھرہے میرے قتل کو ترچھی نظر
دیکھئے اے بندہ پرور دیکھئے

دل میں تو لگی ہے آگ اس کو
کیوں پانی سے گھر بہارہے ہو

سنتا ہے تمہاری کون باقؔی
دیوانے ہو غل مچارہے ہو

ماہ نو جھکتا ہے مجرے کے لئے
مہر باں نیچے سے اوپر دیکھئے

۱۷

راجہ نرسنگھ راج عالؔی

عالؔی راجہ گردھاری پرشاد محبوب نواز ونت باقی کے فرزند ہیں۔۱۳ نومبر ۱۸۸۹ کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔کم سنی میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا اس وقت یہ سات سال کے تھے۔اس نوعمری کی وجہ سے ان کا اسٹیٹ زیر نگرانی کورٹ آف وارڈز لے لیا گیا۔ان کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی انہوں نے ہندی، فارسی، اردو، مرہٹی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ مدرسہ عالیہ سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ یہ ایک صوفی منش اور فقیر دوست تھے انہوں نے غزلیں، نظمیں، رباعیات، قطعات، مرثیہ وغیرہ اصناف پر طبع آزمائی کی۔ان کی شاعری صاف اور روانی اور رنگینی پائی جاتی ہے۔عالی کے کلام سے متعلق ''دیوانِ عالی'' کے پیش رس میں سلیمان اطہر جاوید یوں رقم طراز ہیں:

> ''راجہ نرسنگھ راج عالی بلند مرتبت شاعر ہیں۔انہوں نے نظمیں بھی کہی ہیں رباعیات اور غزلیں بھی۔اور یہ بالکل فطری امر تھا کہ ان کے کلام پر روایتی شاعری کا اثر ہے۔ان کے عہد کی شاعری کا منظر نامہ ہی کچھ ایسا تھا اور وہ رہے بھی جلیل مانک پوری کے شاگرد۔ان کے کلام پر روایت کا رنگ بغایت گہرا ملتا ہے۔روایتی موضوعات، حسن و عشق، ہجر و وصال، گل و بلبل اور لب و رخسار کی باتیں۔لیکن تصوف کی چاشنی بھی اور رباعیات میں اخلاقی اور صاف ستھرے پاکیزہ خیالات، طویل طویل غزلیں۔عالؔی کی شاعری کا خمیر انہی سے اٹھا۔ عالؔی نے نہایت روانی اور قادرالکلامی کے ساتھ ان موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ان کی عاشق مزاجی، شوخی، خوش طبعی اور رنگینیٔ خیال دیدنی ہوتی ہے۔'' ۱۸

ڈاکٹر حبیب نثار نے روز نامہ سیاست کے ایک مضمون میں راجا نرسنگھ راج عالؔی کی شاعری کو داؔغ کے رنگ اور غالؔب، دردؔ کے مضامین کو انہوں نے ادا کرنے کی کوشش کئے ہیں۔اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''عالؔی نے جلیل مانک پوری سے تلمذہ حاصل کیا تھا لیکن آپ کی

غزلوں پر داغؔ کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ داغؔ جہاں استاد تھے اور
اُن کے اثر سے اپنی غزل کا دامن بچاتے۔ عالیؔ نے غالبؔ، دردؔ کے
مضامین کو بھی اپنے طور پر ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تصوف، عالیؔ
کی غزل کا ایک اہم موضوع ہے۔'' ۱۹؎

ان اقتباسات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عالیؔ کو شاعری کا ذوق ورثہ میں ملا ہے۔ اور ان کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ وہ شاعری میں سیدھی سیدھی بات کہہ دیتے ہیں کسی طرح کی بناوٹ اور پیچدگی ان کے پاس نہیں ملتی۔

راجہ محبوب راج محبوب باقیؔ کے چھوٹے بیٹے اور عالیؔ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ یہ ۱۳۱۲ھ بمطابق ۱۸۹۴ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ یہ بہت چھوٹے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ ان کا بچپن بھائی عالیؔ کے ساتھ گذارا۔

اس طرح راج خاندان آصف جاہ اول کے ساتھ دکن آیا اور یہاں ان کی خدمات کی خوب پذیرائی ہوئی اس طرح وہ یہیں کے ہوکر رہ گئے۔

والد:۔ راجہ خاندان کے سب سے حرکیاتی شخص (کارکن) نرہری پرشاد کے فرزند راجہ گردھاری پرشاد عرف بنسی راجہ محبوب علی پاشاہ کے سب سے قریبی خدمت گذار تھے۔ ان کا زیادہ تر وقت دیوڑھی اور محبوب علی بادشاہ کے دربار میں گذرتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ دربار یا دیوڑھی کے تمام امور دیکھا کرتے تھے ان کی پہلی شادی تقریباً ۱۸۴۵ء یا ۱۸۵۰ء کے درمیان ہوئی۔ ازدواجی زندگی کا کم عرصہ ہی خوش گوار گذرا تھا کہ ان کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا پہلی بی بی سے انھیں ۴ بچے تولد ہوئے لیکن علالت کی وجہ سے سب انتقال کر گئے صرف ایک لڑکا بقید حیات رہا جس کا نام راجہ کیشو پرشاد رکھا گیا۔ بیوی کے انتقال کے بعد راجہ گردھاری پرشاد اکثر اداس اور غمزادہ رہنے لگے چوں کہ زیادہ تر وقت دربار میں ہی گذارتے تھے اس لیے لڑکے کی فکر بھی زیادہ رہتی تھی ان کی اس فکر کو دور کرنے کے لئے راجہ نریندر اور سالار جنگ انھیں مشورہ دیا کہ یہ دوسری شادی کرلیں۔ چنانچہ راجہ نریندر اور سالار جنگ کے اسرار پر راجہ گردھاری پرشاد نے دوسری شادی آنند کنور

نامی خوبصورت خاتون سے کرلی۔جن سے انھیں چارلڑکیاں اور دولڑکے تولد ہوئے۔ پہلے تین لڑکیاں ۔ا۔ درگابی بی۲۔جگدمبابی بی۳۔غجرابی بی پھر راجہ نرسنگھ راج اس کے بعد ایک لڑکی اور آخری لڑکا محبوب راج محبوب پیدا ہوا۔اس بات کی تصدیق نارائن راج (نرسنگھ راج کے پوتے)اپنے انٹرویو میں اس طرح کرتے ہیں:

> ''گردھاری پرشاد کی پہلی شادی تقریباً ۱۸۴۵ سے ۱۸۵۰ کے درمیان ہوئی ان کی پہلی بیوی سے انھیں ۴ بچے ہوئے لیکن سب کا انتقال ہوتا گیا ان میں سے صرف راجہ کیشو پرشاد ہی باقی رہے۔پہلی بیوی کے انتقال کے بعد انھوں نے دوسری شادی سالار جنگ اور راجہ نریندر کے اسرار پر آنند کنور سے کرلی۔ان سے دولڑکے اور چارلڑکیاں تولد ہوئیں۔''[۲۰]

گردھاری پرشاد پیش کاری کے فرائض انجام دیتے تھے اور اپنی خوش اسلوبی اور نیک دلی کے سبب محبوب علی پاشاہ کے بہت قریب تھے حد یہ تھی کہ محبوب علی پاشاہ خود کئی مرتبہ ان کی دیوڑھی پر آجایا کرتے تھے۔راجہ گردھاری پرشاد کو ان کی خدمات کی وجہہ سے محبوب علی پاشاہ نے ''محبوب نواز ونت'' کے خطاب سے سرفراز کیا تھا اور بنسی راجہ بھی ان کا ہی دیا ہوا خطاب ہے۔یہ محبوب علی پاشاہ کے خاص کارکن تھے اکثر اوقات محبوب علی پاشاہ ان کی غیر حاضری سے پریشان ہوجاتے اور انھیں فوراً خط لکھ کر دیوڑھی آنے کا حکم دیتے ۔(محبوب علی پاشاہ کے لکھے خط آج نظام ٹرسٹ لائبریری میں محفوظ ہیں نارائن راج نے اسے لائبریری میں محفوظ کروادیا ہے)

گردھاری پرشاد ایک مخلص، رحم دل، روایت پسند اور اصولوں کے پابند انسان تھے۔وہ مذہب و ملت کے نام پر کوئی فرق محسوس نہیں کرتے تھے۔انھوں نے کئی مندر بنوائے اور دکن کی تقریباً ہر درگاہ پر اپنا سر جھکایا۔فرائض بخوبی ادا کرتے تھے فرائض کے آگے وہ اپنے اکثر ارکانِ خاندان کی ذمہ داریوں کو بھی فراموش کردیتے تھے۔ڈاکٹر نارائن راج کا کہنا ہے:

''گردھاری پرشاد اصولوں کے بڑے پابند تھے انھوں نے مغل روایت کو کبھی بدلنے نہیں دیا۔ اور اس کو قائم رکھنے کے لئے ہمیشہ نہ صرف اصرار کرتے رہے بلکہ کوشش بھی کرتے رہے۔ یہ بہت بڑے دانی تھے انھوں نے کئی مندریں بنوائی اور تقریباً ہر درگاہ پر اپنا ماتھا ٹیکا۔ یہ عقائد کے بہت بڑے پابند تھے ان کا زیادہ تر وقت دیوڑھی پر گذرتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ زیادہ وقت گھر والوں کو نہیں دے پاتے تھے۔''۲۱

راجہ گردھاری پرشاد عرف بنسی راجہ نہ صرف سلطنت آصفیہ کے بہترین خدمت گذار تھے بلکہ وہ اردو ادب کے بھی بہت بڑے خدمت گذار تھے۔ انھیں اردو، فارسی، عربی اور ہندی پر عبور حاصل تھا۔ انھوں نے اپنا تخلص باقؔی رکھا تھا۔ انھوں نے تقریباً ۳۲ کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ۲۰ کتابیں فارسی کی اور ۱۲ کتابیں ہندی اور اردو کی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بہت اچھے مترجم بھی تھے انھوں نے خواجہ میر درد کی فارسی رباعیات کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے جسے بعد میں ان کے فرزند راجہ نرسنگھ راج نے مرتب کر کے ''درد ساقی درد باقی'' کے نام سے شائع کیا۔

راجہ نرسنگھ راج کی پیدائش

گردھاری پرشاد باقی نے جب سالار جنگ اور راجہ نریندر کے بے حد اسرار پر دوسری شادی کی تب انھیں اپنی بیوی آنند کنور سے تین لڑکیوں کے بعد یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام راجہ نرسنگھ راج رکھا گیا جو آگے چل کر راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے نام سے اردو شعر و ادب کی دنیا میں مشہور ہوا۔ ان کی پیدائش سے متعلق ماہر دکنیات نصیر الدین ہاشمی اپنی کتاب ''دکنی ہندو اور اردو'' میں لکھتے ہیں:

''راجہ نرسنگھ راج بہادر عالؔی تخلص، گردھاری پرشاد باقی کے فرزند ہیں ۱۲۱۱ھ میں تولد ہوئے''۲۲

فارسی تاریخ کیلنڈر کے مطابق مظفر الدین خاں، صاحب حیدرآبادی نے اپنی کتاب ''جنوبی ہند

میں رباعی گوئی'' (تذکرہ شعراء) میں ان کی پیدائش ۱۳۰۴ف لکھی ہے:

''راجہ نرسنگھ راج بہادر نام تھا آپ ۲۰ دے ۱۳۰۴ف کو پیدا ہوئے۔''۲۳

نرسنگھ راج عالؔی ابھی کم سن ہی تھے کہ شدید علیل ہوگئے ریاست حیدرآباد کے تقریباً ہر شفا خانے میں ان کا علاج کروایا گیا لیکن ان کو شفا نہیں ملی اس وقت ان کی عمر ۴ یا ۵ برس تھی۔ آخر کار مختلف جگہ علاج کروانے پر بھی شفا نہ ملنے پر ان کے والد گردھاری پرشاد کو کسی نے بنارس کے سوامی بھاسکر کا پتہ بتایا۔ مجبوری ولاچاری کی حالت میں گردھاری پرشاد نے سوامی کے در پر ماتھا ٹیکا اور پھر سوامی جی کی دعاؤں نے راجہ نرسنگھ راج کو نئی زندگی عطا کی۔ اس کا ذکر ان کی بہو ڈاکٹر شیلا راج دیوانِ عالؔی کے دیباچہ میں اس طرح کرتی ہیں۔

''راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی شخصیت محتاجِ بیان نہیں۔ آپ حیدرآباد کی مشہور و معروف شخصیت راجہ گردھاری پرشاد محبوب نواز ونت باقؔی کے مایہ ناز فرزند تھے۔ آپ ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ بنارس کے خدا رسیدہ بزرگ سوامی بھاسکر آنند مہاراج کی دعاؤں سے آپ نے زندگی اور موت کی کشمکش سے نجات پائی اور صحت یاب ہوئے حیاتِ باقی تھی صحت یابی کے بعد دنیوی کاروبار اور زندگی کی دوسری کشمکشوں سے دوچار ہوئے۔'' ۲۴

اس واقعہ کا ذکر ان کے پوتے نارائن راج نے اپنے انٹرویو میں اس طرح کیا۔

''کمسنی میں ہی راجہ نرسنگھ راج شدید علیل ہوگئے اور ان کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی تو بنسی راجہ نے کسی کے کہنے پر انھیں بھاسکرا آنند سرسوتی جو بنارس کے بہت بڑے سوامی تھے ان کے یہاں لے گئے ان کے آشرواد سے راجہ نرسنگھ راج بچ گئے۔''۲۵

نرسنگھ راج کے ٹھیک ہوجانے سے گردھاری پرشاد نے چین کی سانس لی۔ سوامی بھاسکر آنند

سرسوتی نے ان کی شادی کا مشورہ دیا اور کمسنی ہی میں ان کی شادی ہوگئی

شادی:۔

راجہ نرسنگھ راج علالت سے پوری طرح ٹھیک بھی نہیں ہو پائے تھے کہ سوامی بھاسکر آنند سرسوتی کے کہنے پر ان کے والد گردھاری پرشاد باقیؔ نے ان کی شادی طئے کردی۔ شادی کے وقت راجہ نرسنگھ راج عالیؔ کی عمر صرف سات (۷) برس تھی۔

بھوپال کے ایک کائستھ گھرانے کی لڑکی سے رشتہ طئے پایا۔ لڑکی کے والد رائے کنہیا لال نے اس رشتے کو فوراً قبول کرلیا اور اپنی لڑکی ''راج کنور'' کی شادی ۱۸۹۶ء میں راجہ نرسنگھ راج عالیؔ سے کروادی۔ اس وقت راج کنور کی عمر ۴ برس تھی گردھاری پرشاد چوں کہ ایک معزز اور اعلیٰ شخصیت کے حامی تھے اسی لئے اس شادی میں اس عہد کے بڑے بڑے لوگوں نے شرکت کی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر شیلا راج لکھتی ہیں:

> ''بھاسکر آنند سوامی راجہ گردھاری پرشاد عرف بنسی راجہ سے خواہش ظاہر کی کہ راجہ نرسنگھ راج کی مکتب خوانی اور بعد ازاں شادی بھی بنارس میں انجام دی جائے۔ اس طرح سوامی جی نے خود اپنے بابرکت ہاتھوں سے ان دونوں کاموں کو انجام دیا۔ رشتہ ازدواج کے لیے لڑکی کا انتخاب بھوپال کے ایک کائیستھ گھرانے سے کیا گیا۔ لڑکی کے والد رائے کنہیا لال تھے۔ ۱۸۹۶ء میں راجہ نرسنگھ راج کی شادی نہایت تزک واحتشام سے بھوپال میں انجام دی گئی۔ کاشی نریش نے اپنی نگرانی میں اس شادی کے انتظامات کئے'' ۲۶

نرسنگھ راج عالی کی شادی شہر بنارس میں سوامی بھاسکر آنند مہاراج کے سامنے بہت ہی دھوم دھام سے انجام پائی۔ اس شادی کے متعلق منشی رام سہائے صاحب تمنؔا نے اپنی تصنیف ''چمنستان شادی'' میں قلم بند کیا اس شادی کی تعریف انہوں نے اس طرح کرتے ہیں ان کے چند اشعار ملاحظہ ہو:

جس طرف دیکھو نظر آتا ہے راحت کا سماں
شادی عیش و طرب ہرسمت ہے جلوہ کناں

گونج اٹھا شور مبارکباد سے قصر جہاں
حیدرآباد و بنارس میں تفاوت اب کہاں

آئی ہے باغ دکن سے اب بنارس میں بہار
بوئے گل کی طرح راز مدعا ہے آشکار

ہیں مہاراجا دکن کے بنسی راجا نامدار
جن کا ہے گردھاری پرشاد اسم پاک و با وقار

آپ ہی آئے بنارس میں بشان افتخار
آپ ہی کی ذات ہے مشہور فرد روزگار

قدر فرماہیں نظام حیدرآباد آپ کے
ہیں معرف خود ہی اوصاف خداداد آپ کے

آپ ہی کا ہے جو نور چشم فخر خاندان
راجا نرسنگھ راج اہل وقار و عظیم زسان

اس کی شادی کا بنارس میں نظر آیا سماں
ساعت اچھی ہے نشاں ہر سعادت ہے عیاں

بھاسکر آنند جی کے دم سے ہے شادی کا لطف
ہے بنارس میں اس خانہ آبادی کا لطف

۲۷

راجہ نرسنگھ راج اس وقت بہت ہی کم سن تھے انھیں رشتہ ازدواج کے معنی بھی معلوم نہیں تھے۔اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب محبوب علی پاشاہ دیوڑھی آئے اور انھیں نئی دلہن اور دولہے سے متعارف کروایا گیا تب انھوں نے از راہ مزاح راجہ نرسنگھ راج سے کہا کہ وہ ان کی بیوی کو سلام کریں اور انھوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔غرض یہ کہ شادی کے وقت راجہ نرسنگھ راج اور ان کی اہلیہ کی عمر بہت کم تھی۔

شادی کے بعد ان کا استقبال حیدرآباد میں بڑے دھوم دھام سے کیا گیا۔گردھاری پرشاد کے حاکم وقت محبوب علی پاشاہ سے خاص مراسم تھے لہذا انھوں نے حکم دیا کہ دلھا، دلھن کا خاص استقبال کیا جائے پالکی اور ہاتھی سے بارات گھر لائی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ہاتھی پر دلھا سوار تھا جبکہ پالکی میں دلہن کو لایا گیا ایسا استقبال کیا گیا جیسے کسی راجہ یا مہاراجہ کا ہوتا ہے۔اس محفل کو اور بھی یادگار اور شاندار بنانے کے لئے گانے بجانے کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ڈاکٹر شیلا راج نے اس برات کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:۔

''آصف سادس راجہ صاحب کا بہت احترام کرتے تھے چناں چہ اعلیٰ حضرت کے حکم کے بموجب اسٹیشن پر راجہ صاحب، دلھا دلھن اور دیگر مہمانوں کا شاندار خیر مقدم کیا گیا تھا۔بحکم حضور پرنور، ہاتھی، ہاتھی مع عماری، پالکی، صرف خاص، پائیگاہ خورشید جاہ، دیوانی، سررشتہ گردھاری پرشاد کی عرب فوج کے علاوہ سلطان نواز جنگ کے گھڑ سوار بھی بازگشت کے جلوس کی رونق دوبالا کرنے اسٹیشن پر موجود

تھے۔ ہاتھی پر دلھا پالکی میں دلھن، عماری میں بنسی راجہ کے ساتھ عرب فوج اور گھڑ سوار اسٹیشن سے ڈیوڑھی بنسی راجہ روانہ ہوئے۔ بازگشت کے جلوس کی رونق بڑھانے کے لئے طائفہ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔''۲۸

اس طرح راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی گئی تھی۔ ان کی ازدواجی زندگی بہت خوش گوار گذری۔ شادی کے بعد اپنی دیوڑھی واقعہ حسینی عالم میں سکونت اختیار کی۔ انھیں تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئی۔ لیکن بدقسمتی سے کم عمری ہی میں ان کی لڑکیاں انتقال کر گئی۔ ان کے تین لڑکے ا۔ نرہر راج ساقی ،۲۔ شام راج ۳۔ رام راج ہیں۔

ان کی شادی کے کچھ عرصے بعد ہی والد گردھاری پرشاد کا صرف ۷ دن کی علالت میں انتقال ہو گیا۔ والد کے انتقال کے بعد راجہ نرسنگھ راج اور محبوب راج اپنی والدہ کے ہمراہ رہنے لگے۔ والدہ کی محبت و شفقت نے ان کے غم پر مرہم کا کام کیا۔ ابھی والد کا صدمہ دل سے بھلا بھی نہ پائے تھے کہ ان کے بھائی محبوب راج اور ان کی بیوی کنور راج بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ راجہ نرسنگھ راج اپنی اہلیہ اور بچوں سے کافی محبت کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ انھوں نے دوسری شادی نہیں کی۔ حالانکہ ان کے ارکان خاندان نے دوسری شادی کے لئے بہت اسرار کیا۔

۱۳۳۲ف میں اُن کی شریک زندگی نے داغِ مفارقت دیا اور داعی اجل کو لبیک کہا یہ سانحہ جانگداز بھی ان کے ہاتھوں سے عنانِ صبر نہ چھڑا سکا اور انہوں نے نہایت استقلال کے ساتھ اس غم کو برداشت کیا اسی زمانے میں انہوں نے دو کتابیں ''درد باقی و درد ساقی'' شائع کیں جن میں ان کے والد راجہ محبوب نواز ونت باؔقی کے رباعیات اور تراجم وغیرہ شامل ہیں۔ اور اپنی اولاد کی بہتری کی خاطر باوجود اصرار کے دوسری شادی سے انکار کر دیا۔''۲۹

اس طرح راجہ نرسنگھ راج نے اپنی عمر کا طویل حصہ اپنی اہلیہ کی یادوں میں بسر کیا بیوی کے انتقال

کے بعد بچوں کو زیادہ وقت دیا کرتے تھے۔ والد اور اہلیہ کے غم میں اکثر ڈوبے رہتے تھے۔

تعلیم :۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی جب کمسنی میں علیل ہوئے تو انھیں بنارس ہی میں ان کی بھاسکر آنند کے یہاں علاج کے لئے لے جایا گیا تھا ان ہی کے مشورے پر بنارس ہی میں ان کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ چنانچہ یہیں پر انھوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی بنارس سے جب حیدرآباد آئے تو گھر ہی پر ہندی، مراٹھی اور فارسی زبان سیکھنے لگے کچھ عرصے بعد اس عہد کے مشہور و معروف مدرسہ عالیہ میں داخلہ لے لیا اور یہیں سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ ڈاکٹر شیلا راج نے اس بات کی تصدیق اس طرح کی ہے:

> ''راجہ نرسنگ راج عالؔی نے ابتداء میں ہندی، مراٹھی، اور فارسی زبان کی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ بعد ازاں آپ مدرسۂ عالیہ میں بھرتی ہوئے اور وہاں میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔''[۳۰]

حالانکہ انھوں نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی لیکن انھیں اپنے والد کی طرح عربی، فارسی، ہندی اور اردو پر عبور حاصل تھا۔ انھوں نے مختلف کائستھ کانفرنس میں استقبالیہ خطبہ بھی دیا ہے۔ یہ فارسی کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔

ادبی سفر کی ابتداء:۔

راج خاندان کی کئی پشتوں نے نہ صرف آصفیہ حکمرانوں بلکہ اردو ادب کی بھی خدمات انجام دی ہے۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے جد اعلیٰ بھی علم و فن کے ماہر تھے۔ ان کے پردادا بھی شاعر تھے والد بھی بہت بڑے اردو، فارسی اور ہندی کے شاعر تھے۔ انھوں نے خواجہ میر دردؔ کی فارسی شاعری کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ غرض یہ کہ فن شاعری اس خاندان کی رگ جاں میں موجود تھی جو خون کے ساتھ رواں دواں تھی۔ یوں تو راجہ نرسنگھ راج نیا ٹھارہ برس کی عمر میں باقاعدہ شاعری کرنے لگے۔ لیکن بچپن ہی میں جب وہ اپنے والد کو شاعری کرتے دیکھے تو خود بھی شعر کہنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس ضمن میں ان کے پوتے نارائن راج کہتے ہیں۔

> ''ادبی سفر کی ابتداء تقریباً ۱۸ برس کی عمر سے ہوئی شاعری تو ان کے

خون میں تھی ان کی پشتوں سے چلی آ رہی تھی۔ ان کے خاندان کی
پانچ پشتیں اردو ادب کی خدمات انجام دیں۔ یہ غزلیں اور نظمیں
دونوں ہی اصناف کو پسند کرتے تھے۔''۳۱

چنانچ راجہ نرسنگھ راج ۱۸ برس کی عمر سے با قاعدہ شاعری کرنے لگے اور انھوں نے اپنا تخلص عالؔی اختیار کیا۔ ابتداء میں انھوں نے اس عہد کے مشہور شاعر فصاحت جنگ جلیل سے اصلاح لی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند اکبر صدیق احمد اثر سے اصلاح لینے لگے عالؔی، فصاحت جنگ جلیل سے بے حد متاثر تھے کئی مرتبہ اپنی غزلوں (شاعری) میں انھوں نے ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر شیلا راج رقم طراز ہیں:

''راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو نواب فصاحت جنگ جلیل سے تلمذ حاصل
تھا۔ بعد وفات حضرت جلیل کے فرزند اکبر صدیق احمد آثرؔ سے صلاح
لینے لگے۔''۳۲

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے کئی غزلیں اور نظمیں لکھی پس انھوں نے مختلف شعری اصناف میں طبع آزمائی کی انھوں نے غزلیں اور نظموں کے علاوہ قصیدے، مرثیے، تاریخیں، رباعیات اور قطعات بھی لکھے۔ یہ بہت اچھے مرتب بھی تھے اس کی مثال یہ ہے کہ انھوں نے اپنے والد کی کتاب جو کہ ان کے والد نے خواجہ میر دردؔ کی فارسی شاعری کا اردو ترجمہ کیا تھا ان کے انتقال کے بعد راجہ نرسنگھ راج عالؔی ہی نے مرتب کیا ہے۔

ایوانِ شاد کے مشاعرے:

کشن پرشاد شادؔ سلطنت آصفیہ کے وزیر اعظم تھے۔ یہ شعر و ادب سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اور یہ خود بھی بہترین شعر کہتے تھے۔ کشن پرشاد شادؔ نے ایوانِ شاد کی بنیاد ڈالی جس میں بے پناہ صلاحیت اور باکمال ہنر مند رکھنے والے شعرا جن میں اکثر حضرات دہلی، لکھنؤ اور دکن کے بلند پایہ شاعر ہیں۔ شاد نے اپنی دیوڑھی ''ایوانِ شاد'' میں مشاعروں کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ شاد کے وفات کے بعد مشاعرے کی اس

روایت کو راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے جاری رکھا۔اس کا ذکر ڈاکٹر شیلا راج یوں رقم طراز ہیں:

> مہاراجہ کشن پرشاد کی دیوڑھی ''ایوانِ شاد'' میں ادبی محفلیں اور مشاعروں کا اہتمام ہوا کرتا تھا۔آپ کے دربار سے سارے ہندوستان اور حیدرآباد کے دانشور ادیب علماء اور شعراء وابستہ تھے۔ان میں جوشؔ، فانیؔ، حیرت بدایونی، صدیق جائسی، راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے علاوہ دوسری قابلِ ذکر ہستیاں تھیں۔ایوان شاد کے مشاعروں کی شہرت دور دور تک تھی مہاراجہ کی وفات کے بعد بھی ہر سال آپ کی یاد میں ایک طرحی مشاعرہ منعقد ہوا کرتا تھا۔ طرحہ مصرع مہاراج کے کلام سے منتخب کیا جاتا تھا بادازاں یہ طرحی مشاعرہ بنسی راجہ کی دیوڑھی میں ہر سال تراب یار جنگ کی صدارت میں راجہ نرسنگھ راج عالؔی اہتمام کرتے تھے۔مشاعرہ سے متعلقہ تمام آداب واخلاق کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔دعوت نامے بھیجے جاتے تھے۔شعرائے کرام کی فہرست ان کی عمر اور مرتبہ کے لحاظ سے ترتیب دی جاتی تھی۔ان مشاعروں میں ہندو اور مسلمان کی تخصیص نہیں تھی۔کیوں کہ اردو ادب اور شاعری کو دونوں نے مل کر پروان چڑھایا'' ۳۳؎

اس اقتباس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے دانشور شعرا نے ایوانِ شاد کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے اور مہاراجہ کشن پرشاد کے کلام سے ایک طرحی مصرع پر مشاعرہ منعقد ہوا کرتا تھا۔عالؔی نے اس مشاعرے میں شریک تمام شعرا کے اشعار کو ایک گلدستہ کی شکل دی ہے جن میں شریک ہونے والے شعرا کے نام یہ ہیں، حضرت جلیلؔ، وفاؔ، وحشیؔ، نیرؔ، نعیم، نجیبؔ، ناظم، مونسؔ، معینؔ، مسعودؔ، مجیدؔ، کیفیؔ، قدیرؔ، فقیرؔ، عزیزؔ، عالؔی، عاجزؔ، غلام صدیق عابدؔ، قاضی زین العابدین عابدؔ، ہاشم حسین ضوؔ، محمد حبیب الدین صغیرؔ، خواجہ غلام شاہد عاقلؔ، رائے پربھو دیال شامؔ، تراب یار جنگ سعیدؔ، محمد علی زورؔ، رائے ست گرو پرشاد رہبرؔ، نواب میر عباس علی خان بہادر رشیدؔ مرزا غلام مصطفٰے رسواؔ، محمد رحمت اللہ رحمتؔ، سید حسین ذوقیؔ، عبدالحمدی خاں خیالؔی، شریف الحسن حبیبؔ، سید جعفر علی خان جعفرؔ، عاشق حسین بزمؔ، سید اللہ بخش توحیدؔ، میر کاظم علی باغؔ، میر دلدار علی خاں افسرؔ، صدیق احمد اثرؔ، نواب نصر اللہ خان آبادؔ، سر مہاراجہ شادؔ، نواب وحید الدین خان بہادر وحیدؔ، مسعود علی محوؔی، آقا محمد خاں طلعتؔ۔ایوانِ شادؔ کے اس مشاعرے میں کشن پرشاد شادؔ اور راجہ نرسنگھ راج عالؔی جو اشعار

پڑھے ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں۔

مہاراجہ یمین السّلطنتہ

قیس کی آنکھوں کا پردہ پردہ محمل بنا
محو ایسا تھا حجاب دید خود حایل بنا
مختلف جلووں کا مرکز عشق میں یہ دل بنا
یہ کبھی مجنوں کبھی لیلیٰ کبھی محمل بنا
کوئی بھی راہِ طریقت میں ہے مجھ سا رہ نورد
رہنما جسکا خیال دوریٔ منزل بنا
کسقدر ذوق فنا ہے مدو جزرِ عشق میں
جب بڑھا دریا ہوا جب گھٹگیا ساحل بنا
زیتوں سے ہوگئی آراستہ بزم وجود
کون ایسا تھا یہاں جو رونق محفل بنا
پوچھتے کیا ہو حقیقت مجھسے درد عشق کی
میرا ہی دل تھا جو اسکے رہنے کے قابل بنا
اٹھ گیا پردہ حجاب انقلابِ دَھیر کا
آئینہ نیرنگئ عالم کا میرا دل بنا
عاقبت کی فکر کر اک روز جانا ہے تجھے
بے خبر اتنا نہ تو اپنے کو اے غافل بنا
ناخنِ تدبیر سے بھی اب نہیں کھلتی گرہ

حادثاتِ دَھر سے دل عقدہ مشکل بنا
غرق دریائے محبت کی تجھے کیوں فکر ہے
چاہنے والوں کی تربت اب لب ساحل بنا
سیکڑوں جلوے نظر آتے ہیں برق طور کے
کونسی بجلی تھی یا رب جس سے میرا دل بنا
اللہ اللہ کیا دیا پر طریقت نے سبق
میکدے میں شآد جاکر عارف کامل بنا

۳۴

راجہ نرسنگھ راج عالی ان اس مشاعرے میں یہ اشعار پیش کئے ہیں

گنہ کے قید میں جو خوش ہے وہ عذاب میں ہے
جو کہتا ہے کہ میں پیدا رہوں وہ خواب میں ہے
حجاب حسن ہے یا حسن کے حجاب میں ہے
وہ بے نقاب ہی ہو کر مگر نقاب میں ہے
سوال وصل پہ میرے یہ اُن کا کہدینا
سکوت میں جو مزا ہے وہ کب جواب میں ہے
ہے نام شآد زباں پر ہراک سخنور کے
کلامِ شاد ہر اک چشم انتخاب میں ہے
پلایا پر مغاں نے مجھے وہ جامِ الست
کہ نشہ سارے جہاں کا اسی شراب میں ہے

ملیگا دلکو سکون کب کہاں کہاں جاکر
زمانہ بھر اسی گردش میں پیچ و تاب میں ہے
نہ دیکھیو، دیکھیو حسینوں کو دیکھنا ہے غضب
اسی کے شعلہ کی اک آگ آفتاب میں ہے
نگاہِ شوق میں تصویر پھر گئی کوئی
جمالِ حشر نہاں پردۂ نقاب میں ہے
سکوں طلب تو نہیں بقیر اریاں دل کی
نئی ادا سے تمنا جو اضطراب میں ہے
بگاڑ دل کو نہ میرے نہ ٹھیس لگنے دے
کہ یاد تیری نہاں اس دل خراب میں ہے
ہے بزمِ شآد یہاں جمع ہیں سب اہل کمال
تو عآلی ہیچمپداں آج کس حساب میں ہے''

۳۵

ایوانِ شاد کے مشاعرے اتنے مقبول ہوگئے تھے کہ ان مشاعروں کو غلام جیلانی نے تمثیلی اور ڈرامائی انداز میں ۱۹۹۱ء میں رویندرا بھارتی تھیٹر میں اور دوسری مرتبہ چار مینار کے سامنے پیش کیا۔ اس کی تصدیق زاہد علی خاں کی عبارت سے ہوتی ہے۔

''پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کے بسائے ہوئے شہر کے چار سو سالہ جشن کی تیاریوں کے سلسلہ میں مختلف اداروں کی جانب سے کئی تقاریب کا انعقاد عمل میں آیا تھا لیکن مہاراجہ سرکشن پرشاد کے تمثیلی مشاعرہ کو سب سے زیادہ نمایاں اہمیت اور مقبولیت

حاصل ہوئی جسے ادارہ ادبیات اردو، ادبی ٹرسٹ اور فائن آرٹس
اکیڈیمی نے مشترکہ طور پر پیش کیا تھا۔ یہ تمثیل پہلی دفعہ ۱۲ جولائی
۱۹۹۱ء کو رویندرا بھارتی تھیٹر میں اور دوسری مرتبہ ۳۰ نومبر ۱۹۹۱ء کو
چار مینار پر پیش کی گئی۔''[۳۶]

اس تمثیلی مشاعرے میں شمع عالؔی کے سامنے رکھی گئی اس وقت عالؔی کے کہ یہ اشعار سنائے گئے۔

شاد کی نیک دلی کا یہ اثر دیکھا ہے
جو بہی خواہ نہیں شاد کا وہ شاد نہیں

---اب غزل کا مطلع عرض ہے۔

ایک دیوانہ تھا جو آپ کے گھر سے نکلا
کچھ خبر بھی ہے کہ تھا کون کدھر سے نکلا
تیری بخشش کے ہیں محتاج سبھی شاہ و گدا
وہ کہیں کا نہ رہا جو ترے در سے نکلا
سب گنہ بھول گیا اک اسی امید پہ میں
کوئی مایوس نہ اللہ کے گھر سے نکلا
خاکساری سے ہوا کام وہ اپنا عالی
اہل دنیا کا نہ جو سیم سے زر سے نکلا

[۳۷]

جس مشاعرے کی بنیاد شاد نے رکھی اس کو عالؔی نے پروان چڑھائی زمانہ بیت جانے کے بعد بھی اس مشاعرے کی مقبولیت میں ذرا سی کمی بھی نہیں ہوئی اور نئے دور میں اس مشاعرے کو ایک نئے انداز میں یعنی تمثیلی مشاعرے کی شکل میں ڈرامئی شکل میں ادا کیا گیا جس کو عام اور خاص نے بے انتہا پسند کیا۔

ان کا بیشتر کلام ضائع ہوگیا ان کے پوتے اور پوتر بہو نے ان کے انتقال کے بعد ان نظموں، غزلوں، قطعات، رباعیات اور مرثیوں کو جمع کر کے ''دیوان عالؔی'' کے نام سے شائع کیا ان کے پوتے نارائن راج کا کہنا ہے کہ:

> ''راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے بہت غزلیں کہی تھی چونکہ ان کے یہاں شاعری محض مشغلہ تھا اس لئے یہ اس کو محفوظ نہیں رکھتے صبح کوئی غزل بنی تو اسے ایک کاغذ پر لکھ دیتے، پڑھ کر سنا دیتے اور پھر وہ کھو جاتی تھی، نہ شہرت کی خواہش تھی اور نہ ہی چھپانے کی لالچ تھی اسی لئے ان کا بہت سا کلام دستیاب نہ ہوسکا جتنا بھی کلام گھر میں ملا میں اور میری بیوی (اہلیہ) ڈاکٹر شیلا راج نے مل کر شائع کروایا۔''۳۸

اس طرح راجہ نرسنگھ راج کے کلام کا بہت بڑا حصہ محفوظ نہ رہ سکا جتنا بھی کلام ملا وہ دیوان عالؔی'' کے نام سے شائع کیا گیا۔ان کے چار شعری مجموعے ہیں ا۔ارمغانِ محبوب،۲۔جوشِ غم،۳۔غمِ احباب شاد، اور چوتھا اردو میں لکھے گئے بھجن ہیں۔اس کے علاوہ انہوں نے ایک کتاب کو مرتب کیا جس کا نام ''دردِ باقی و دردِ ساقی'' رکھا گیا۔ان مجموعوں کے علاوہ ان کے غزلیں، نظمیں، رباعیات، قطعات، نثری مضامین اس دور کے مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے۔جیسے ماہ نامہ سب رس، آئینہ ادب وغیرہ اور ان پر تبصرہ بھی ہوتے رہے۔عالؔی کا شعری مجموعہ ''غم احباب شاد'' پر ایک تبصرہ ملاحظہ ہو

> راجہ نرسنگھ راج بہادر عالؔی دکن کے ایک مشہور کایستھ خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور تہذیب و شایستگی کا نمونہ ہونے کے علاوہ اردو، فارسی شعر کے بڑے دلدادہ ہیں۔ زیر نظر کتاب انہی کی ان رباعیوں قطعوں اور مرثیہ کا مجموعہ ہے جو مہاراجہ سرکشن پرشادؔ سے خاص عقیدت اور محبت تھی یہی وجہ ہے کہ ان کا مرثیہ دل سے نکلا ہے اور دلوں تک پہنچتا ہے۔۳۹

شاعری کے ساتھ ساتھ راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے نثر میں بھی چند مضامین لکھے ہیں جو مختلف

رسالوں میں شائع ہوئے۔

ملازمت:۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی ابھی کم عمری ہی تھے کہ والد کے سائے شفقت سے محروم ہو گئے۔ چوں کہ یہ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے اسی لئے خاندان کی ذمہ داری ان کے کاندھوں پر آ گئی حالانکہ والدہ نے بڑے ناز و نعم سے انھیں اپنی ممتا کی آغوش میں رکھا لیکن ضروریاتِ زندگی نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ والد کے انتقال کے کچھ عرصے بعد راجہ نرسنگھ راج اور ان کے بھائی محبوب راج محبوب کو محبوب علی پاشاہ نے انھیں اسٹیٹ کورٹ آف وارڈ علاقہ صرف خاص کی نگرانی کی ذمہ داری سونپی۔ اس طرح ان کی ملازمت کا آغاز ہوا۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اپنی خدمات و محنت و کاوش سے بہت جلد ترقی کر لی اور اپنے والد کی طرح محبوب علی پاشاہ کے قریبی خدمت گذار بن گئے۔ اس کے بعد یہ مختلف عہدوں پر فائز رہے اور جو بھی عہدہ سنبھالا اس کو بڑی حسن خوبی سے نبھایا۔ ان کی ملازمت پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر شیلا راج لکھتی ہیں۔

> ''دفتر معتمدی افواج سرکاری میں نرسنگھ راج عالؔی کو ۱۹۱۶ء میں مددگار اعزازی کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ فرمانِ خسروی کے مطابق آپ کو رکن کمیشن تقاریب مذہبی خدمات پر فائز کیا گیا اس عہدہ پر آپ نے ڈیڑھ سال تک خدمات انجام دی۔ ۱۹۱۹ء میں مہتمم سیونگ بنک اور نظامت ٹپہ کی خدمات انجام دیں۔ ان کے علاوہ محکمہ جات ریل وغیرہ کی خدمات کے لئے بھی آپ کا انتخاب کیا گیا۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو جس محکمہ کی خدمات سونپی گئیں وہاں آپ نے نام کمایا۔''[۴۰]

اس طرح راجہ نرسنگھ راج عالی نے مختلف خدمات انجام دی۔ انھوں نے پولیس ایکشن کے بعد ٹپہ خانے کی ملازمت اختیار کی تھی چوں کہ ان کا دل و دماغ ابتداء ہی سے درباری ماحول کا عادی رہا تھا اور یہ ایک خاص صاف ستھرے ماحول میں کام کرنے کے عادی تھے اسی لئے انھوں نے سرکاری ٹپہ خانے کی

نوکری کو خیر آباد کیا۔ اور اپنا خاصا وقت ادبی دنیا اور اپنی جائیدادوں کے مقدمے لڑنے میں گذارنے لگے۔ اس بات کی تصدیق ڈاکٹر نارائن راج نے اپنے انٹرویو میں اس طرح کی ہے:

''راجہ نرسنگھ راج سرکاری ملازم تھے محکمہ ٹپہ خانہ میں ایڈیشنل پوسٹ ماسٹر رہے ہیں۔ پولیس ایکشن کے چند سال بعد انھوں نے اس ملازمت کو ترک کر دیا اور اپنا زیادہ تر وقت شعر و شاعری اور ادبی دنیا میں گذارنے لگے اور اپنی جائیدادوں کے مقدمے لڑنے میں گذارنے لگے۔''[۴۱]

اپنی زندگی کو مختلف ڈھنگ سے گذارنے والا یہ کلاسیکل شاعر مختصر علالت کے بعد جون ۱۹۵۷ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

اعزازات و خطابات:۔

چوں کہ اس عہد میں ایوارڈز کا رواج نہیں تھا اسی لئے حاکم وقت جب کسی کے فن اور ہنر سے متاثر ہوئے تو انھیں مختلف خطابات سے نوازا کرتے تھے۔ راجہ نرسنگھ راج کی خدمات سے خوش ہو کر محبوب علی خاں آصف جاہ دس انھیں جشن چہل سالہ کے موقع پر 'راج بہادر' خطاب عطا کیا تھا۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور لکھتے ہیں:

''انکو بموقع دربار جشن جوبلی حضرت غفراں مکاں ۱۳۲۳ پیشگاہ خسروی سے راجہ بہادر کا خطاب عطا ہوا اور اس عزت افزائی نے اس جانثار اور وفادار خانداں کی عظمت اور عزت کو دوبالا کر دیا۔''[۴۲]

اس طرح راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اپنے والد گردھاری پرشاد عرف بنسی راجہ کی طرح خوب نام پایا اور والد کے انتقال کے صرف نو سال بعد انھیں 'راجہ بہادر' کا خطاب دیا گیا۔ اس طرح انھوں نے اپنی محنت، جستجو، اور کاوشوں سے راج خاندان کی عزت و عظمت کو برقرار رکھا۔

انتقال:۔

اپنی زندگی کومختلف ڈھنگ سے گذارنے والا یہ کلاسیکل شاعر ذیابیطس میں مبتلا ہوئے اور مختصر علالت کے بعد۲۳ جون ۱۹۵۷ء میں ان کا انتقال ہوا۔آپ کے وفات پر کئی لوگ امراء،عہدہ دار،شعرا وغیرہ شریک ہوئے۔ان کے وفات سے متعلق پون کماری اپنی کتاب ''راجہ گردھاری پرشاد باقؔی میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''آپ (نرسنگھ راج عالی) ذیابیطس میں متلا ہوئے اور مختصر سی علالت کے بعد بتاریخ ۲۳ جون سنہ ۱۰۵۷ھ کو بروز ایکادسی جو ہندوؤن کے لئے ایک مبارک دن ہے آپ نے انتقال فرمایا۔آپ کی میت میں لاتعداد افراد بشمول امراء،عہدہ داران واہل سخن (بلامذہب وملت) شریک تھے۔آپ کے انتقال کے موقع پر اکثر لوگ بچشم نم کا یہ شعر یاد کرکے دہراتے رہے۔
>
> عدم کے جانے والو دیر سے پہنچے تو کہہ دینا
> تھکے ماندے مسافر سانس دم بھر لے کے آتے ہیں''
>
> ۴۳

راجہ نرسنگھ راج عالؔی ۱۹۵۷ء میں علیل ہوئے۔۔انتقال سے کچھ دن قبل ہی انھوں نے کہا کہ میں مطمئن ہوکر جارہاہوں۔اس ضمن میں ڈاکٹر نارائن راج کہتے ہیں:

> ''جون ۱۹۵۷ء میں ان کا انتقال محض چند دن علالت کے بعد ہوا۔ انتقال سے کچھ دن قبل کہے تھے کہ میں مطمئن جارہاہوں'' ۴۴

ان کے انتقال کی خبر''ہماری زبان''میں یوں رقم طراز ہے:

> ''راجہ نرسنگھ راج عالؔی حیدرآباد کے ایک ممتاز شاعر اور پرانی تہذیب اور وضعداری کے پتلے تھے اردو اور فارسی کے اچھے شاعر تھے۔عالؔی

تخلص فرماتے تھے۔۲۳ جون کو ۷۰ سال کی عمر میں موصوف کا انتقال
ہوگیا اب ایسے بزرگوں سے جو جگہ خالی ہوتی جاتی ہے اس کے پُر
ہونے کی کوئی توقع نہیں۔اب نہ وہ سانچے رہے نہ وہ مٹی۔''[۴۵]

یعنی کہ اپنی زندگی کو مختلف ڈھنگ سے گذارنے اور ہر حال میں خوش رہنے، ہر کام کو پوری ذمہ داری اور خوش اسلوبی سے نبھانے والے اس عظیم اور بلند مرتبہ شخص نے ۲۳ جون ۱۹۵۷ء کو آخری سانس لی اور اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ان کے وفات کی خبر ''ہماری زبان'' میں ان پرانی تہذیب اور بزرگوں سے جگہ خالی ہونے کا ذکر ملتا ہے:

روح جب نکلی تو عالؔی رہ گئے اعضاء خموش
مالک خانہ کو جاتے پاسباں دیکھا کئے

شخصیت:۔

کسی انسان کے متعلق اس کے ظاہری اور باطنی خصوصیت کا مطالعہ شخصیت کی تعریف میں آتا ہے۔ہم کسی انسان سے متعلق کوئی رائے اس کی شخصیت کا مطالعہ کئے بغیر قائم نہیں کر سکتے۔کیوں کہ انسان کی ظاہری اور باطنی خصوصیت کو دیکھ کر ہم یہ طئے کر سکتے ہیں کہ آیا شخص فلاں خصوصیات اور خوبیوں کا حامل ہے۔چنانچہ باب کے اس حصہ میں ہم راجہ نرسنگھ راج کی ظاہری ان کی چال، ڈھال، ناک نقش، لباس ،رہن سہن اور باطنی یعنی آداب گفتگو، اخلاق اور سیرت سے متعلق گفتگو کریں گے۔

حلیہ:۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کا حلیہ کچھ اس طرح ہے۔رنگ گورا، مناسب جسامت، لمبا قد، کشادہ پیشانی، کھڑی ناک، بادامی چمکتی آنکھیں (چشمہ لگاتے تھے) باریک بھنویں، مناسب ہونٹ، ہمیشہ سر پر ٹوپی اور شیروانی، عمر کی وجہہ سے چہرے کی جھریاں جوان کے تجربہ کا پتہ دیتے تھے۔دیکھنے سے بہت نرم گو، صاف دل، اور شائستہ طبعیت کے مالک لگتے تھے۔ان کے حلیہ سے متعلق نارائن راج کہتے ہیں۔

''کافی اونچے قد کے مالک تھے اور رنگ گورا تھا وہ شیروانی اور ٹوپی

میں رہا کرتے تھے''۔۴۶؎

اس طرح راجہ نرسنگھ راج ایک پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔

غذا:۔

راجہ نرسنگھ راج چوں کہ بچپن ہی سے درباری ماحول سے وابستہ رہے ہیں اسی وجہہ سے مرغن اور اچھی غذا کے شوقین تھے۔ وہ مٹھی کے کباب اور حیدرآبادی بریانی کو بے حد پسند کرتے تھے۔ کیونکہ وہ کائستھ گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اسی وجہ سے ہفتہ میں تین دن ہی نان ویجٹرین کھانا کھاتے تھے۔ باقی چار دن ویجیٹرین ہی کھاتے تھے۔ مرغن اور تلی ہوئی چیزوں کو پسند تو کرتے تھے لیکن ایسڈیٹی کی شکایت تھی اسی لئے اس سے پرہیز بھی کرتے تھے۔ ٹھنڈے مشروبات بھی پسند کرتے تھے لیکن شراب کبھی نہیں پی اور شراب کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ حالانکہ درباری ماحول میں اٹھتے بیٹھتے لیکن کبھی انھوں نے شراب کو ہاتھ نہ لگایا۔ ان تمام باتوں کا ذکر ڈاکٹر نارائن راج اپنے انٹرویو میں اس طرح کرتے ہیں:

''یہ ہفتہ میں تین دن نان وج کھاتے تھے ان کو بریانی اور مٹھی کے
کباب بہت پسند تھے انھیں ایسی ڈیٹی تھی اس لئے تلن کی چیزیں کم
استعمال کرتے تھے شراب نہیں پیتے تھے۔''۴۷؎

مختصر یہ کہ نرسنگھ راج بہترین غذا پسند کرتے تھے لیکن شراب ان کو پسند نہیں تھی شراب کے مضر اثرات اور اس کے پینے والوں کو نصیحت کرتے ہوئے انہوں نے ایک نظم بھی لکھی ہے۔ جس کے چند اشعار ملاحظہ ہو۔

''شراب چھوڑو تو زندگی ہے شراب خانہ خراب بھی ہے
یہی عبادت ہے بندگی ہے جزائے روزِ حساب بھی ہے
جو اس کو چھوڑو تو فائدہ ہے تمام گھر میں رہے گی برکت
عذاب سے بھی نجات ہوگی اور اس سے حاصل ثواب بھی ہے

شراب پینے کو خون سمجھو نہ دل جلاکر کباب کردو
یہ اہلِ دل کی نصیحتیں ہیں یہ حکم شرع وکتاب بھی ہے''
۴۸

لہذا راجہ نرسنگھ راج عالؔی اچھی اور صحت بخش غذا کو پسند کرتے تھے اور وہی چیزوں کو نوش فرماتے جس سے صحت خراب نہ ہو۔ وہ نہ خود شراب پیتے تھے اور نہ ہی پینے والوں کو پسند کرتے تھے اور ہمیشہ شراب پینے والوں کو اس کو چھوڑنے کی نصیحت کرتے تھے۔

لباس:۔

دکن میں یہ تہذیب رہی ہے کہ ہمیشہ ہی یہاں شائستہ اور اعلیٰ درجہ کا صاف و پاکیزہ لباس پہنا جاتا رہا ہے یہاں کے باشندے خواہ وہ کوئی بھی مذہب کے ہوں اس زمانے کی تہذیب کے مطابق شیروانی اور ٹوپی یا پھر کرتا پائجامہ اور ٹوپی پہننا اپنا شیوہ سمجھتے تھے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی شیروانی زیب تن کرتے تھے اور ہمیشہ سر پر زینہ ٹوپی پہنا کرتے تھے یہ کپڑے وہ دربار کے لیے پہنتے تھے گھر پر سادہ لباس پہنتے تھے۔ اگر دن میں دربار ہوتا تو سفید شیروانی پہنتے اور اگر رات میں دربار ہوتا تو کالی شیروانی پہنا کرتے تھے۔ ان کے لباس کے تعلق سے ڈاکٹر نارائن راج کا کہنا ہے:

''وہ شیروانی اور ٹوپی پہنا کرتے تھے، مگر درباری لباس پہنا کرتے تھے دربار میں پان پیش کرنے کا کام کرتے تھے اور جب دربار ہوتو سفید درباری لباس اور دستار میں رہا کرتے تھے، اور اگر رات میں دربار ہوتا تو کالے لباس میں رہتے تھے۔''۴۹

راجہ نرسنگھ راج عالؔی دربار میں چوں کہ پیشکار تھے اسی لئے دربار کے موقع پر درباری لباس ہی زیب تن کرتے تھے۔ اور گھر پر نفیس کرتا پائجامہ پہنا کرتے تھے۔ غرض یہ کہ راجہ نرسنگھ راج عالؔی موقع کی مناسبت سے لباس کا انتخاب کرتے تھے۔

اخلاق وآداب:۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی کئی پشتیں سلطنت آصفیہ کی خدمت گذار رہی ہیں یہی وجہہ رہی کہ اس خاندان کے آداب واخلاق بہت اونچے اوراعلیٰ تھے۔اسی خاندان کے اقدار راجہ نرسنگھ راج عالؔی میں بدرجہ اتم موجود تھے۔کم عمر تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا اوران کی والدہ نے ان کی پرورش کی لیکن ان کی والدہ نے ان کی تربیت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی ہمیشہ اچھے اقدار کا درس دیتی تھی بچپن ہی سے یہ اعلیٰ اخلاق کے ضامن تھے ہمیشہ بڑوں کے ساتھ ادب واحترام سے پیش آتے تھے کبھی کسی سے اونچی آواز میں بات بھی نہ کرتے تھے۔نرم گو تھے طبیعت میں سادگی تھی ہر کسی سے عاجزی اورانکساری سے پیش آتے تھے جس کی وجہہ سے لوگ بھی ان کی عزت کرتے تھے۔ایک مرتبہ مہاراجہ کشن پرشاد نے دو بھائیوں کے جھگڑے کوختم کرنے کی ذمہ داری ان کوسونپی تھی۔بہادر یار جنگ اور ماندورخاں دونوں بھائی تھے دونوں کے درمیان جائیداد کو لے کر جھگڑا ہوگیا تھا چونکہ راجہ نرسنگھ راج عالی کو ثالث مقرر کیا تھا اسی لئے دونوں بھائیوں کے درمیان صلح کروائی اوران کے فیصلے کو دونوں بھائیوں نے سر جھکا کر قبول کرلیا چوں کہ یہ دونوں راجہ صاحب کا احترام کرتے تھے۔ان کی عاجزی اوراخلاق وآداب کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر شیلا راج رقم طراز ہیں:

> ''بچوں کی تربیت اور کردار سازی میں ماں باپ کا اہم فریضہ ہوتا ہے۔ والد کا سایہ تو بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا والدہ محترمہ نے اپنے دونوں فرزندان راجہ نرسنگھ راج عالؔی اور راجہ محبوب راج کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی۔ دونوں بھائیوں کو اتنی عمدہ واعلیٰ تربیت دی کہ تہذیب واخلاق میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔''۵۰

لہذا راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو بہترین اوراعلیٰ اقدار وآداب ورثے میں ملے تھے جس کی وہ ہمیشہ پاسداری کرتے رہے ہیں ان میں اخلاق وآداب بدرجہ اتم موجود تھے۔

بحیثیت بھائی:۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی ابھی سات برس کے تھے کہ ان کے والد راجہ گردھاری پرشاد عرف بنسی راجہ

اس دار فانی سے کوچ کر گئے چونکہ گھر میں سب سے بڑے تھے اسی لئے گھر کی ذمہ داری اور بھائی کی پرورش ان کی ذمہ داری تھی حالانکہ والدہ نے دونوں بھائیوں میں کافی محبت تھی لوگ ان کی جوڑی دیکھ کر ان کو ''رام لکشمن'' کہا کرتے تھے اس کا ذکر ڈاکٹر شیلا راج نے بھی کیا ہے:

> ''دونوں بھائیوں کو اتنی عمدہ واعلیٰ تربیت دی کہ تہذیب واخلاق میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ تہذیب وآداب کا مکمل نمونہ اخلاق ومحبت کی تصویر اپنے عزیز واقارب میں ''رام لکشمن'' کی جوڑی سے تشبیہہ دئے جاتے تھے۔ رشتہ دار ہی نہیں دوست واحباب بھی آپ کے آداب واخلاق کے قائل اور گرویدہ تھے۔''۵۱

بھائی کی محبت کے ساتھ ابھی کم وقت ہی گذارے تھے کہ ان کے بھائی محبوب راج محبوب سنہ ۱۹۳۱ء میں انتقال کر گئے لیکن انھوں نے بھائی کی محبت کو کبھی دل سے فراموش نہ کیا۔ بھائی کی نو (۹) اولاد یں تھی جن میں چھے (۶) لڑکیاں اور تین (۳) لڑکے شامل تھے۔ انھوں نے بھائی کے انتقال کے بعد ان بچوں کی پرورش اپنے ذمہ لی اور ہمیشہ ان بچوں کو اپنی اولاد کی طرح تربیت کی اس ضمن میں ڈاکٹر نارائن راج کہتے ہیں:

> ''ان کے بھائی محبوب راج محبوب بہت کم عمری میں یعنی ۳۰ سال کی عمر میں انتقال کر گئے تب انھوں نے ان کی ۹ اولادیں ۶ لڑکیاں اور ۳ لڑکے تھے ان کی پرورش اپنے ذمہ لی''۵۲

راجہ نرسنگھ راج عالؔی ایک مستقل مزاج انسان تھے جو جذبات اور احساسات کی پاسداری کرتے تھے رشتوں کو بہت عمدگی سے نبھانا جانتے تھے اور یہی خوبی ایک انسان کو کامل انسان بناتی ہے۔

صبر وتحمل:۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے کمسنی ہی میں اپنے والد راجہ گردھاری پرشاد کو کھو دیا تھا جس کے بعد ان کی زندگی سائے شفقت سے محروم رہی والد کے انتقال کے نو سال تک انھیں معاشی مصیبتوں اور پریشانیوں کا سامنا رہا۔ نو سال بعد انھیں میر محبوب عالم خاں نے ملازمت پر فائز کیا۔ لیکن ان نو برس کے وقفے میں انھوں نے صبر اور استقلال سے کام لیا۔

راجہ نرسنگھ راج اپنے بھائی محبوب راج محبوب کو بے انتہا چاہتے تھے۔لیکن ان کی کم عمری میں انتقال نے راجہ نرسنگھ راج عالی کی شخصیت پر بہت گہرا اثر چھوڑا۔ بھائی کے انتقال کے بعد اکثر نرسنگھ راج غم و رنج میں مبتلا رہتے اور ان کی موت پر انھوں نے ایک مرثیہ ''ارمغان محبوب'' کے نام سے رقم کیا ہے۔جس میں انھوں نے اپنے رنج والم اور احساسات و جذبات کو لفظوں کے پیراہن میں بیان کیا۔اس ضمن میں پروفیسر مغنی تبسم لکھتے ہیں:

> ''اپنے چھوٹے بھائی راجہ محبوب راج محبوب کو بہت عزیز رکھتے تھے جن کا عنفوانِ شباب میں انتقال ہوگیا۔ بھائی کی وفات سے وہ بہت متاثر ہوئے اور پرسوز نظمیں لکھیں۔''۵۳

بھائی کے غم سے ابھی باہر بھی نہیں نکل پائے تھے کہ ان کی اہلیہ اس دار فانی سے کوچ کر گئی اس غم میں بھی راجہ نرسنگھ راج عالی نے صبر وتحمل سے کام لیا اور زندگی کو اکیلے ہی گذارنے کا فیصلہ کیا اور دوسری شادی کے لئے انکار کر دیا۔ان کی زندگی کے نشیب وفراز کا ذکر ڈاکٹر شیلا راج لکھتی ہیں:

> ''زندگی کے نشیب وفراز نے راجہ نرسنگھ راج کو صبر اور استقلال کی قوت عطا کی تھی۔کمسنی سے ہی رنج وغم سہنے کے عادی ہو گئے تھے۔۱۹۲۲ء میں آپ کی شریک حیات نے مختصر علالت کے بعد بے وقت زندگی سے منھ موڑ لیا۔ رنج والم نے آپ کو بے حد صابر بنا دیا تھا۔آپ نے رنج وراحت سے متاثر ہونے کو فہم کا قصور سمجھا۔ بجائے نشانۂ ماتم بننے اور دوست واحباب کے دلگذار تعزیت آمیز گفتگو سننے آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ جو وقت آپ کو ملا ہے اس کا بجا مصرف کریں ۵۴

اس طرح راجہ نرسنگھ راج نے مشکلوں ومصیبتوں میں صبر کا دامن نہیں چھوڑا اور ہمیشہ ایک بہادر اور کامران انسان کی طرح دکھ درد کو قسمت اور خدا کا انمول خزانہ سمجھ کر صبر وتحمل سے کام لیتے رہے۔

۱۹۴۸ء میں جب پولیس ایکشن ہوا تو ریاست حیدرآباد میں بادشاہت کا خاتمہ ہوا تو راجہ نرسنگھ

راج عالؔی کی جائیدادوں کو بھی ضبط کرلیا جس کی وجہہ سے راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو کئی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا اور ان کی زندگی کا اہم عرصہ ان مقدمات کو لڑنے میں گذر گیا۔

غرض یہ کہ راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی زندگی میں بہت سے اتار چڑھاؤ آئے لیکن انھوں نے ہمیشہ صبر و استقلال سے کام لیا۔ اور ایک مثالی زندگی گزاری۔

بحیثیت دوست:۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اپنے اخلاق و آداب، خلوص، محبت سے ہر انسان کے دل میں اپنا خاص مقام بنالیا تھا۔ وہ ایک وفادار انسان تھے۔ اپنی آخری سانس تک ہر رشتے کو نبھایا ہے مہاراجہ کشن پرشاد جو کہ وزیر اعظم تھے لیکن پھر بھی راجہ نرسنگھ راج کو اپنا مخلص اور ہمدرد مانتے تھے۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اپنی تمام تر خدمات پوری ایمانداری سے نبھائی۔ ان کے خلوص و محبت کے مہاراجہ کشن پرشاد شیدائی تھے وہ دیوڑھی پر راجہ نرسنگھ راج کو ہمیشہ ایک اچھے اور مخلص دوست کی طرح یاد فرماتے تھے۔ راجہ صاحب نے بھی ہمیشہ ان کے ساتھ دوستانہ اور پرخلوص سلوک رواں رکھا اس واقعہ سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ پولیس ایکشن کے بعد جب مہاراجہ سے اقتدار چھین گیا تب بھی راجہ نرسنگھ راج عالؔی ہر روز دیوڑھی پر جا کر حاضری دیتے اور مہاراجہ کشن پرشاد کو بھی احساس ہونے نہیں دیا کہ اب ان کے یہاں وہ طاقت و اقتدار نہیں رہا ہے۔ ان کے اخلاق و اقدار کا مہاراجہ پر رشتہ داروں اور احباب میں سب سے عالؔی، عالؔی کہا کرتے تھے۔ اس واقعہ کا ذکر ڈاکٹر شیلا راج نے بھی کیا ہے۔

> ''یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاؔد سے راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو دلی عقیدت تھی اور آپ سے وسیع تعلقات تھے مہاراجہ بہادر سے راجہ صاحب کی نہ تو رشتہ داری تھی اور نہ قرابت لیکن دونوں میں محبت کا مستحکم اور غیر متزلزل رشتہ ایسا تھا۔ جس کو دنیا کی قوی سے قوی طاقت بھی مٹا نہیں سکتی تھی اور ہوا بھی یہی۔ یہ رشتہ مہاراج کی آخری سانس تک قائم رہا۔ مہاراجہ کو نہ جانے عالؔی صاحب سے اتنی محبت کیوں تھی وہ آپ کو اپنا عزیز ترین خیال فرماتے تھے اور ہمیشہ راجہ صاحب کو

مشفق ومحبّ کے لقب سے افتخار بخشتے تھے۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو گھنٹوں مہاراجہ سے ہم کلامی اور ہم نشینی کا شرف حاصل تھا۔ دعوت، تقریب اور خوشی کے موقع پر سہراہ ہوتے تعزیت، بیماری، تکلیف میں نزدیکی کی عزت حاصل رہی۔ ظاہر ہے یہ قرابت صرف عالؔی صاحب ہی کے لئے نہیں اہل خاندان کے لئے بھی انتہائی فخر کی بات تھی۔ ۱۹۴۰ء میں مہاراجہ کشن پرشاد کے انتقال سے نرسنگھ راج عالؔی نہایت غم زدہ تھے۔ آپ کو اس بات کا بھی صدمہ تھا کہ مہاراجہ دوران بیماری انتقال سے قبل عالمِ بے ہوشی میں عالؔی کو یاد کرتے رہے۔''۵۵

اس طرح راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اپنی مخلصانہ سلوک اور محبت سے مہاراجہ کشن پرشاد کے دل میں خاص جگہ بنالی تھی انھوں نے ہر موڑ ہر قدم پر مہاراجہ سے وفاداری اور دوستی نبھاتے رہے۔ اور ایک بہترین ایماندار مخلص دوست ثابت ہوئے۔

مذہب سے عقیدت:۔

کائستھ گھرانہ آصف جاہیوں کے خدمت گذار ہونے کے باوجود اپنے عقائد کو کبھی فراش نہیں کیا۔ راجہ گردھاری پرشاد کی طرح فرزند راجہ نرسنگھ راج بھی عقائد کے بہت پابند تھے وہ اپنے والد کی طرح مندروں کو جایا کرتے، درگاہوں پر عقیدت کے ساتھ سر جھکاتے۔ خدا کا خوف دل میں تھا ہمیشہ ایمانداری اور امانت داری سے کام لیتے۔ حیدرآباد کی مشترکہ تہذیب میں شریک رہتے دھرم کے مطابق ہفتے کے چار دن ویجیٹرین کھانا کھاتے۔ شراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ ہمیشہ فراخ دل انسان کی طرح مذاہب کو چندہ دیا کرتے تھے کئی مندروں کو انھوں نے ہی آباد کیا ہے اس کے علاوہ جاترا کی تقریب کو پورے دلی جذبات اور عقیدت کے ساتھ مناتے تھے۔ اس جاترا کا ذکر ڈاکٹر شیلا راج نے دیوان عالؔی کے دیباچے میں اس طرح کرتیں ہیں:

''راجہ نرسنگھ راج عالؔی قدیم دیول کیشوگری واقع چندرائن گٹہ میں ہر سال جاترا کی تقاریب اعلیٰ پیمانے پر مناتے تھے مدعوین میں عزیز و

اقارب کی بڑی تعداد تو ہوتی ہی تھی لیکن آپ کے مہمان و دوست و
احباب بھی شریک ہوتے تھے۔ راجہ صاحب کی خوش اخلاق، ملنسار
اور سلیم الطبع طبعیت سب کا یکساں طور پر خیر مقدم کرتی تھی۔۵۶

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے تمام عمر مذہب کی بڑی شدت سے پیروی کی ہے۔انھونے کائستھ طبقہ کے لئے دو بڑے اہم اسکول اس عہد میں قائم کئے جب تعلیم کا بڑا فقدان تھا ایک سکول تو انھوں نے کائستھ طبقے کے لڑکوں کے لئے ''کائستھ پاٹ شالہ'' کے نام سے قائم کیا چوں کہ راجہ صاحب تعلیم نسواں کو ضروری سمجھتے تھے وہ روشن خیال انسان تھے وہ ماضی کے اندھیروں میں مستقبل کو دیکھنے کے عادی نہیں تھے وہ عقائد کے پابند تھے لیکن روشن دماغ بھی تھے وہ دور اندیش تھے اور بخوبی سمجھتے تھے کہ قوم اسی وقت ترقی کرے گی جب اس قوم کی لڑکیاں بھی لڑکوں کے برابر تعلیم حاصل کرے اسی غرض سے انھوں نے ''کنیا پاٹ شالہ'' کی بنیاد رکھی جو کہ اس عہد کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔اس ضمن میں ڈاکٹر شیلا راج لکھتی ہیں:

''راجہ نرسنگھ راج عالؔی وقت کے تقاضے اور اہمیت کا خیال کرتے
ہوئے تعلیم کو زندگی کی اہم ضرورت سمجھتے تھے آپ نے نہ صرف لڑکوں
کی تعلیم پر زور دیا بلکہ تعلیم نسواں کی اہمیت پر بھی زور دیتے تھے۔
چناں چہ آپ اپنی حیات میں دو اسکول قائم کئے جن میں لڑکوں کے
لئے کائستھ پاٹھ شالہ جو دیوڑھی بنسی راجہ کے احاطہ میں واقع ہے اور
دوسرا لڑکیوں کے لئے شکتی کنیا پاٹھ شالہ محلّہ حسینی علم قابلِ ذکر
ہیں''۵۷

یہ دونوں اسکول آج بھی قائم ہیں اور کئی طلباء یہاں سے تعلیم حاصل کر کے ترقی کی جانب گامزن ہے لہذا راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے مذہب کو سچے دل سے پیروی کی اور اپنی روشن دماغی اور مستقل مزاجی سے مستقبل کی جانب ایک ترقی کا قدم بھی بڑھایا۔

بحیثیت انسان:۔

ایک شخص اسی وقت کامل انسان بن سکتا ہے جب اس میں ہمدردی، محبت، خلوص، قربانی، ایثار،

رواداری موجود ہواور یہ تمام تر خوبیاں راجہ نرسنگھ راج عالؔی میں بدرجہ اتم موجود تھے۔صاف گوئی اور نرم مزاجی ان کی شخصیت کا اہم اصول تھا۔ وہ کبھی بلند اور گرج دار آواز میں گفتگو نہیں کرتے تھے ان کے پوتے ڈاکٹر نارائن راج کہتے ہیں:

''راجہ نرسنگھ راج عالؔی ایک سادہ طبعیت کے مالک تھے اور انکساری ان میں بدرجہ اتم موجود تھی میں نے ان کو کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔''۵۸؎

راجہ نرسنگھ راج عالؔی دربار سے وابستہ تھے اور جب کبھی کسی کی سفارش کا موقع آتا یہ کبھی پیچھے نہیں ہٹتے ہمیشہ کسی نہ کسی کی سفارش کرتے۔وہ نیک دلی سے ہمیشہ لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی سنجیدہ طبعیت کے مالک تھے کم گو تھے لیکن بڑے احتیاط اور بردباری سے گفتگو کرتے تاکہ ان کی گفتو سے کسی کی دل آزری نہ ہو۔ڈاکٹر شیلا راج ان کی خوبیوں کا احاطہ کرتی ہوئی لکھتی ہے:

''راجہ نرسنگھ راج عالؔی قدامت پسند تھے اپنے خاندان سے وابستہ تمام روایات کے وہ پابند تھے۔مہمان نوازی ورثہ میں ملی تھی۔ والد کی طرح آپ بھی مہمان نواز تھے۔آپ نہایت ہی خوش اخلاق،متواضع اور ہمدرد انسان تھے۔ ہر کسی سے بڑی خندہ پیشانی سے ملا کرتے تھے۔ لوگوں کا دل دکھانا آپ کی فطرت کے خلاف تھا۔ ہمیشہ دوسروں کی مدد کے لئے تیار رہتے تھے۔کبھی سفارش کا موقع ہوتا تو آپ بہانہ تراشی سے کام نہیں لیا کرتے تھے۔ متانت، سنجیدگی، بردباری اور ضبط وتحمل آپ کے کردار کی خاص خصوصیات تھیں۔آپ میں خودداری بہت تھی۔تعزیت اور شراکت تقاریب کا بے حد لحاظ کرتے تھے۔''۵۹؎

راجہ نرسنگھ راج عالؔی ممکنہ حد تک لوگوں کی مدد کرتے تھے۔وہ صاف گو تھے جو بھی بات کہنی ہوتی تھی

وہ صاف صاف لیکن نرم لہجے میں کہہ دیتے تھے تا کہ کسی کو برا نہ لگے وہ ہمیشہ سنجیدہ رہتے تھے کسی بھی معاملے کو سوچ سمجھ کر حل کرتے۔ مہاراجہ کا اپنے اہم مسائل میں راجہ صاحب کی رائے لیا کرتے تھے۔ وہ دربار سے وابستہ تھے لیکن کبھی اس بات پر فخر نہیں کرتے ہمیشہ عام انسانوں کی مدد کرنے کے لئے تیار رہتے تھے جب کوئی بیمار ہوتا تو مزاج پرسی کے لئے سب سے پہلے پہنچ جاتے تھے۔ جب مہاراجہ کشن پرشاد بیمار ہوئے تو وہ اپنا زیادہ تر وقت مہاراجہ کی خدمت میں گذار دیتے تھے۔ لہذا راجہ نرسنگھ راج عالؔی اعلیٰ اقدار، متانت پسند، سنجیدہ، بردبار، قناعت پسند، روایت پسند، اخلاق و آداب کے پیکر تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کو نہایت عمدگی اور پاکیزگی سے گذارا رشتوں کو نبھانا بخوبی جانتے تھے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے خاندان کے ادبی خدمات

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے اجداد آصف جاہی حکمرانوں کی خدمت انجام دی اور اردو شعر و ادب کو فروغ دینے میں بیش بہا تعاون رہا۔ ادب کے فروغ میں عالؔی کے اجداد اور ان کے ورثہ کے افراد نے جو تعاون پیش کیا ہے ان کا مختصر تعارف یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

رائے سوامی پرشاد اصغؔر:

رائے سوامی پرشاد راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے پردادا اور گردھاری پرشاد باقؔی کے دادا ہیں یہ راجہ رام کے اکلوتے فرزند تھے۔ ان کی تاریخ پیدائش کا پتہ نہیں ملا بلکہ ان کا انتقال ان کے والد راجہ رام کا انتقال ۱۸۲۲ء میں حیدرآباد میں ہوا ان کے انتقال کے ایک سال بعد سوامی پرشاد اصغؔر نے بھی ۱۸۲۳ء میں وفات پائی۔ سوامی پرشاد کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے نانا رائے چمن لال منشی کی زیر نگرانی ہوئی

اس وقت کے نظام وقت نے سوامی پرشاد کو ۱۷۸۹ء میں رائے کے خطاب اور پانچ صدی منصب سے سرفراز کیا تھا۔ ان کے تین لڑکے تھے ان میں سے دو فرزند نرسنگ پرشاد اور نارائن پرشاد کا انتقال کم عمری ہی میں ہو گیا تھا۔ دوسرے فرزند نرہری پرشاد نرہرؔی ہے۔

سوامی پرشاد اصغؔر نواب بدرالدین خاں امیر الدولہ لایؔق سے شاعری میں اصلاح لیتے تھے۔ یہ ہندی فارسی اور اردو کے عالم تھے اور تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ۱۸۱۳ء میں اصغؔر کی اردو اور فارسی

غزلیات اور کلام کے مجموعے مرتب ہوئے تھے جو کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں جس کا ذکر نصیرالدین ہاشمی نے اپنی کتاب ''دکنی ہندو اور اردو'' میں کیا ہے۔

اصغؔر کے کلام کے چند اشعار ملاحظہ ہوں

''یہہ دل جب آکے محبت میں جا فراغ لگا
یقین و ہوش سے غفلت کو تب چراغ لگا
حقیر اصغؔر ناداں فقیر ہو دل سے
وہ بوے گل سے عجب دم بدم دماغ لگا
عشق کے رمز کو پانا ہے بہت امر محال
لاکھوں ناسور ہوئے خاروں کے دبتے ہوئے
پایا نہ کبھی یہہ دل دیوانہ کسونے
حسرت میں کوئی رہ گیا ویرانہ کسونے
کہتے ہیں کوئی دور رہے نزدیک و لیکن
ٹک چھوڑ خودی عشق کو جانا نہ کسونے
سب آکے مسافر گئے اس فانی سرا سے
اس جائے میں ہر گز نہ کیا ٹھکانہ کسونے
کو نین سے دھو ہاتھ چکا ہوائے اصغؔر
بولا جو ہو مضمون یہہ مستانہ کسونے
درد دل جسے کہیں اپنا ہم سنتے سنتے
سنتے ہی جاتے دیوانہ پھرے رستے رستے

اصغؔر اب شاد ہے نت فضل سے رب کے ہر دم
ہر نگہ میں کھلے گل جملوں کے دستے دستے''

۶۰

نرہری پرشاد نرہرؔی

نرہری پرشاد سوامی پرشاد اصغؔر کے دوسرے فرزند تھے ان کی ولادت کے تاریخ کا پتہ نہیں البتہ ان کی ولادت غالبًا ۱۸۰۸ء کے آس پاس ہوئی۔ نرہر پرشاد کی عمر ۱۴ سال کی تھی کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت سکندر جاہ نظام سوم نے اس کم سن ہونہار کو ان کے مرحوم والد کی مورثی خدمات خانساماں اور سررشتہ دار مشعل خانہ پر مامور کردیا۔ نواب ناصرالدولہ کے دور حکومت میں سررشتہ دار فوج صرف خاص عہدے پر وہ مقرر ہوئے تھے۔ ان کی کارکردگی کو دیکھ کر ناصرالدولہ نے انھیں جواہرات اور خلعت تحفہ میں دیے۔ انھیں نظام نے ۱۸۶۱ء میں ''رائے'' کا خطاب عطا کیا۔ اور انھیں پانچ صدی، منصب کے خطابات بھی عطا کی تھی۔

نرہری پرشاد سنسکرت، ہندی اور فارسی کے عالم تھے۔ انھیں بھی علم وادب وشاعری کا ذوق تھا جو ورثے میں انھیں حاصل ہوئی تھی۔ انھیں سنسکرت زبان میں اس قدر مہارت تھی کہ سنسکرت میں گفتگو کرتے تھے۔ انھوں نے سنسکرت کے مشہور گرندھ ''یوگ وسشٹ'' کا منظوم ترجمہ ۱۸۵۸ میں ہندی میں کیا تھا اور اس کو نرہری پرکاش کے نام سے موسوم کیا۔ جو ۱۱۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ نرہری پرشاد کے دو اور تصانیف ہیں نرہری مال، بھجنوں اور گیت کا مجموعہ نرہری گیان اپدیش ہے۔ انہوں نے اپنی آخری عمر میں سرکاری اور خانگی ذمہ داری کو اپنے فرزند باقؔی کو سونپ دی اور خود گوشہ نشین ہوکر تصنیف وتالیف کا کام انجام دیتے رہے اور اپنی باقی عمر دیوی دیول چندرائن گٹہ میں گزاری ان کا انتقال ۱۸۸۰ء میں ہوا۔ نرہری پرشاد پہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی سے ایم۔فل میں ہر سال gold medal دیا جارہا ہے اور ان کے نام پر ایک Narhari prashad Charitable Trust بھی قائم ہے۔ ان کے انتقال پر ان کے فرزند باقی نے تاریخِ وفات نکالی۔

سمت کی تاریخ ہے جیسو نرمل جل

نرہری چھتیر سوہا یوجگ مچکندا کے تیر

وقت زین غمکدہ ہزار افسوس

والد ماجد من ناشاد

خلق در سایہ اش بیا سائند

حیدرآباد ہست نا آباد

گفت تاریخ ایں بنا باقؔی

دار باقؔی ز نرہری پرشاد

(۱۲۹۷ھ)

گردھاری پرشاد باقؔی:

نام گردھاری پرشاد اور باقؔی تخلص استعمال کرتے تھے۔بنسی راجہ کا لقب انھیں نظام میر محبوب علی خاں نے دیا تھا ۔ یہ بتاریخ ۱۲۴۴ھ میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدرائے نرہری پرشاد تھے۔باقؔی جاگیردار تھےاور سرکاری اور درباری عہدوں کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ باقؔی اردو، فارسی، عربی، ہندی اور سنسکرت کے عالم تھے۔ان کے پاس ایک اردو دیوان ''بقائے باقی'' کے نام سے موسوم ہے انہوں نے شاعری میں شمس الدین فیضؔ سے شاعری کی اصلاح لیتے تھے۔ان کے کئی تصانیف ملتے ہیں جن کا ذکر نصیرالدین ہاشمی نے اپنی تصنیف ''دکن میں اردو'' میں یوں کرتے ہیں:

> ''اردو دیوان جو ''بقائے باقی'' کے نام سے موسوم ہے۔اگر چہ مختصر ہے مگر کلام کی خوبی کے باعث ممتاز ہے۔دیوان کے علاوہ آپ کی کئی تصانیف ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:
> توشۂ آخرت، کیشو نامہ، لغت افضل التصحیح، قصائد باقی کلیات، یادگار

باقؔی دیوان بقائے باقی، مثنوی صناع البدائع، بہارعام، پرنس نامہ،
مکتوبات منظوم ضرب الامثال آئینۂ سخن، پیرایۂ عروض، کنوز التواریخ،
منشیات باقؔی وغیرہ۔''[۶۱]

گردھاری پرشاد باقی اپنے تمام مصروفیات کے باوجود مطالعہ، تصنیف وتالیف اور شاعری کا بہت ذوق تھا۔ اور یہ اس دور کے اچھے معیاری شاعر تھے۔ انہوں نے جملہ اکتیس کتابیں لکھیں ہیں جو اردو، فارسی، ہندی، زبانوں میں پر مشتمل ہے۔ انھوں نے خواجہ میر دردؔ کی فارسی رباعیوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ باقی نہایت ہمدرد اور مخلص انسان تھے وہ جب تک زندہ تھے امن، محبت، یکجہتی کے پیام کو زندہ رکھا۔ ان کا انتقال ۱۳۱۴ھ میں ہوا۔ باقؔی پر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں فارسی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کی جارہی ہے۔ ان کے انتقال کی قطع تاریخ یوں رقم طراز ہے۔

ہزار حیف کہ رفت از جہاں سوے جنت
جنابِ راجہ بنسی بہادرِ ذی شان
نوشت مصرعِ سالِ وفات کلکِ نظؔر
زخلق سوے عدم رفتہ معدن احسان

۱۸۹۶ء

ایضاً

از فنائے باقیِ شیوا زباں
سرگردہِ نکتہ سنجانِ زمن
درزوال آمد کمالِ شاعری
از جہاں برخاست قدرِ علم و فن
صرف حرف اکنوں سیہ پوش ست آہ

بیت بیت اندر غمش بیت الحزن
از سیاہی دیدۂ پر نم دوات
از صریرِ خویش خامہ نوحہ زن
بلبلِ فکرم چو سالِ مرگ خواست
گفت ہاتف۔ طوطیِ شیریں سخن
۱۳۱۴ھ

۶۲

ان کے اردو کلام کے چند اشعار ملاحظہ ہو:

آپ نے لطف سے آنسو جو نہ پوچھے ہوتے
دیکھتے پھر یہ میرا دیدۂ تر کیا کرتا
کہہ رہا ہے دلِ شیدائے شراب
ہائے خم، ہائے سبو، ہائے شراب
ناوک کا تیر ہے نگہ خشمگیں نہیں
ہے تیغ آبدار یہ چین جبیں نہیں
پھر ہے میرے قتل کو ترچھی نظر
دیکھئے اے بندہ پرور دیکھئے
حباب آسا ہے اپنا دم لبوں پر
کوئی دم میں اِدہر ہے یا اُدہر ہے

۶۳

بام پر یار کا چہرا دیکھا
طور پر نور کا شعلہ دیکھا
دل میں دنیا کا تماشا دیکھا
موجزا کوزہ میں دریا دیکھا
قاصد اتنا ہی تو کہہ دے مجھ سے
خط کو پڑھوا کے سنایا دیکھا
عرض کی میں نے ادھر تو دیکھو
کیسا منہ پھیر کے دیکھا دیکھا
میں نے دیکھا ہے رخِ جاناں کو
باقی عنقا کو ہے گویا دیکھا

۶۴

راجہ کیشو پرشاد حسابؔ

یہ راجہ گردھاری پرشاد باقیؔ کے فرزند اور راجہ نرسنگھ راج عالیؔ کے بڑے بھائی ہیں۔اور یہ بھی اردو شاعری میں دلچسپی رکھتے تھے انھوں نے اپنا تخلص حسابؔ اختیار کیا۔لیکن ہمیں ان کا کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔ ان کے متعلق ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ یوں رقم طراز ہیں:

''بنسی راجہ کے فرزند اکبر تھے۔مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ اور سالار جنگ دوم کے مدرسہ عالیہ میں ہم جماعت تھے مددگار محاسب کی خدمت پر معمور تھے۔راجہ بہادر کا خطاب بھی عطا ہوا تھا۔مہاراجہ کشن پرشاد کے دیوان باغ شادؔ میں ان کی وفات پر شادؔ نے جو تاریخ نکالی تھی اس بنا پر یہ پتہ چلتا ہے کہ کیشو پرشاد بھی شاعر تھے۔یوں تو ان کا کلام

دستیاب نہیں ہے۔۵محرم سن ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۸) کو ہاتھی پر سے گر گئے تھے اور یہی ان کی موت کا سبب تھا۔ باقؔی کو ان کی ناگہانی موت سے بہت صدمہ پہنچا تھا۔

تخلص حسابؔ غالباً اپنی خدمت سے انس کی بنا پر رکھا تھا۔

حضرت شادؔ کی نکالی ہوئی تاریخ وفات

وہ میرا دوست جسکا تخلص حسابؔ تھا
وا ویلتا کہ راہی ملک دعم ہوا
تاریخ اس کی شادؔ نے لکھی یہ فی البدیہ
باقؔی کا نور چشم صد افسوس مرگیا
(۱۳۰۵ھ)''

۶۵

محبوب راج محبوبؔ:

راجہ گردھاری پرشاد باقؔی کے چھوٹے فرزند اور نرسنگھ راج عالؔی کے برادر ہیں۔ یہ نہایت جامہ زیب اور وجیہ انسان تھے یہ ان کی طبیعت نہایت شگفتہ تھی اس لیے دوست واحباب میں وہ بہت ہی دلعزیز تھے۔مہاراجہ کرشن پرشاد شاد بھی انھیں اپنا دوست تسلیم کرتے تھے۔

راجہ محبوب راج کی ولادت ۱۳۱۲ھ بمطابق ۱۸۹۴ء میں ہوئی انہوں نے شاعری میں محبوبؔ تخلص اختیار کیا۔ان کا نام بادشاہِ وقت غفرانِ مکاں میر محبوب علی خاں کے ایما پر محبوب راج رکھا گیا۔

تیرا نام محبوب جس نے رکھا تھا
وہ محبوب تھا جانِ ملک دکن کا

محبوب راج محبوب نے بہت کم عمر پائی لیکن اسی عرصہ میں انہوں نے اپنی شاعرانہ جوہر دکھلایا

انہوں نے اپنی اڑتیس (۳۸) سالا عمر میں غزل، رباعی، قطعات وغیرہ پر طبع آزمائی کی۔

ان کی ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی اس کے بعد مدرسۂ عالیہ میں داخلہ لیا پھر جامعہ پنجاب سے میٹرکا امتحان کامیاب کیا۔ انہوں نے ملازمت اختیار کرنے سے پہلے زراعت کرنے لگے اور بعد میں صنعت و حرفت کی طرف مائل ہوئے اور کیشو گیری'' میں جاترا وغیرہ کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ اور یہ اپنی ذہانت کی وجہ سے لوگوں میں بہت مقبول رہے۔ محبوب راج محبوب سے متعلق پون کماری یوں رقم طراز ہیں۔

> ''یہ سنہ ۱۳۱۲ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے اور بچپن کا زمانہ اپنے بھائی عالی کے ساتھ گذارے ان کی ابتدائی تعلیم مدرسۂ عالیہ و گورنمنٹ ہائی اسکول میں ہوئی۔ ملازمت اختیار کرنے سے قبل پہلے زراعت کی جانب مائل تھے اور اس کے بعد صنعت و حرفت کی طرف رجوع ہوئے اور کارخانہ صنائع دکن قائم کر کے اس کو بے انتہا فروغ دیا۔ پارچہ بانی کے نئے قسم کے نمونے وضع کئے اور ''جاترا ے کیشو گیری'' (واقع نزد فلک نما اور مشہور بنام چندرائن گٹہ) میں سب سے پہلے مصنوعات ملکی کی ابتداء کی اور پھر ''جاترا ے الوال'' میں ایک شاندار نمائش کے مہتمم مقرر ہوئے اور اپنی قابلیت و اعلیٰ مذاق اور حسنِ انتظام کے باعث بے حد مقبول عام و خاص ہوئے۔ مہاراجہ کشن پرشاد یمین السلطنت نے آپ کے حسن انتظام کی بڑی تعریف کی اور اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خان بہادر والئی ریاست حیدرآباد نے بہ نفس نفیس وہاں تشریف لے جا کر اظہار خوشنودی فرمایا۔ راجا محبوب راج اپنے بڑے بھائی کے اصرار پر جن کی وہ بات کبھی نہیں ٹالتے تھے اپنے ملک و مالک کی خدمت پر کمر بستہ ہوئے اور ۱۶/ دے سنہ ف سنہ ۴۴ھ میں اولاً باب حکومت اور ۱۴/ اردی بہشت سنہ ۳۸ ف سنہ ۴۸ھ میں سررشتہ کروڑ گیری کی خدمت پر فائز ہوئے۔ آبائی خدمات کے

اعتبار سے سررشتہ دار جمعیت صرفخاص مبارک اور سررشتہ دار و پیشکار
قلعہ ظفر گڈھ واقع ضلع ورنگل مامور ہوئے''۶۶؎

محبوب راج محبوبؔ کایستھ سبھا کے سکریٹری منتخب ہوئے اور اپنی قوم کے کاموں میں بڑ چڑ کر حصہ لیتے تھے اس کے ساتھ ساتھ آپ کو شاعری سے بھی بہت دلچسپی تھی اس لئے ہمیشہ مہاراج کے دیوڑھی پر ہونے والے مشاعرے ایوانِ شاد میں پابندی سے شریک ہوتے تھے اور اپنا کلام سناتے تھے۔ انہونے شروع میں شادؔ سے شاعری میں اصلاح لیتے تھے بعد میں جلیلؔ مانک پوری کے شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

محبوب راج محبوب کا انتقال عین شباب میں ہوا۔ اسی کم مدت میں ہی انہوں نے اپنا لوہا منوالیا۔ ان کے پاس بالخصوص روایتی شاعری ملتی ہے جس میں کسی طرح کی تصنع اور بناوٹ سے پاک ہے اور وہ اپنے ذات میں شریک ہوکر اپنے احساسات کو بیان کئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری میں بھائی چارگی اور اتحاد کے نمونے ملتے ہیں۔ ان کے کلام کے چند نمونے ملاحظہ ہو۔

نہیں ہے کھیل کسی کا دل و جگر لینا
سمجھ کے سوچ کے لینا انھیں اگر لینا
جو وقت گزرے غنیمت ہے کیا خبر کل کی
جو کام کل تجھے کرنا ہو آج کر لینا
جگہ نہ دل میں عداوت کو دے، محبت کر
کہ چار دن کو عبث ہے بگاڑ کر لینا
لیا ہے عشق کا سودا تو دردِ سر ہی سہی
علاج سنگِ درِ یار ہی سے کر لینا
جو روزِ حشر ہو پرسش جواب کیا دو گے

کچھ آخرت کا بھی سودا ضرور کر لینا
سمجھ کے دل کو لگانا کسی حسین سے تم
نہ مول بیٹھے بٹھائے یہ درد کر لینا
جو زندگی میں نہ پوچھو تو خیر بعدِ فنا
کبھی کبھی ہمیں بھولے سے یاد کر لینا
خدا وہ دن نہ دکھائے مگر خیال رہے
پڑے جو وقت تو محبوبؔ کی خبر لینا

۶۷

بزدل ہیں پست ہمت دنیا جو چھوڑ بیٹھے
محبوبؔ سب میں رہ کر یاد اس کی کر رہے ہیں
نیکی کرنا ہے تو کر سوچتا کیا ہے محبوبؔ
پھر رہے یا نہ رہے ایسا زمانہ تیرا
اعمال کا ثمرہ ہے محبوبؔ نہ کر شکوہ
اچھا جو کیا ہوتا اچھا ہی ہوا ہوتا
خیالِ غیر سے ہو پاک دل محبوبؔ کا مولیٰ
اگر ٹھہرے میرے دل میں تصور آپ کا ٹھہرے

۶۸

محبوب راج محبوب نے اپنے کلام میں بہت ہی عام فہم زبان کا استعمال کیا ہے۔انہوں نے چھوٹی بحروں میں شاعری کہی ہے ان کے شاعری کی خصوصیات کا ذکر ماہ نامہ ''سب رس'' میں یوں کرتے ہیں۔

''محبوب کے کلام کی خصوصیت ان کی زبان ہے وہ نہایت سلیس و
شستہ لکھتے ہیں۔ بحریں چھوٹی چھوٹی اور بندشیں چست ہوتی ہیں۔
ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کوئی اچھا داستان گو عشق ومحبت کی کہانی نہایت
موثر اور چُھبتی ہوئی زبان میں سنا رہا ہے'' ۶۹

رائے نرہری راج ساقؔی

رائے نرہری راج ساقؔی راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے سب سے بڑے فرزند اور راجہ گردھاری پرشاد باقؔی کے پوتے ہیں۔ ان کی ولادت ''حیدرآباد کے ادبی رتن'' میں ۲ جنوری ۱۹۰۸ء اور ''راجہ گردھاری پرشاد باقؔی اور ان کے خاندان کی اردو ادبی خدمات'' میں ان کی پیدائش ۲ جنوری ۱۹۱۰ء بتایا گیا ہے۔ ان کی ولادت شہر حیدرآباد میں ہوئی ان کی ابتدائی تعلیم ڈاکٹر محی الدین قادری زوؔر اور ڈاکٹر آر۔آر۔ سکسینہ کے ساتھ کایستہ پاٹھ شالہ میں ہوئی۔ انٹر کی تعلیم نظام کالج سے حاصل کی اور پونا کے اگریکلچر کالج سے تعلیم پائی اور کیشو گیری میں فارمینگ شروع کی۔ عالؔی کے کہنے پر انہوں نے سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی کرتے ہوئے بحیثیت ڈپٹی کلکٹر ۱۹۶۵ء میں وظیفہ پر سبکدوش ہوئے۔

ساقؔی اس دور کے بزم شاد میں ہونے والے مشاعروں کو اپنے آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس دور کے نامور شعرا کی صحبتیں بھی حاصل ہوئی۔ شاعری انھیں وراثت میں ملی تھی۔ عالؔی کے کہنے پر انہوں نے جلیؔل مانکپوری سے شاعری میں اصلاح لیتے تھے۔ جلیل کے انتقال کے بعد ان کے جانشین صدیق احمد صاحب اثر سے اصلاح لی۔ ساقؔی سخن گو بھی تھے، سخن فہم بھی اور سخن پرست بھی مشاعروں کو منعقد کرنے کا بھی ذوق رکھتے تھے۔

ان کے شاعری میں ہمیں قدیم تہذیب وتمدن اور ہندو مسلم رواداری واتحاد کے نمونے ملتے ہیں اور ساقی نے باقؔی کی تین فارسی کے تصانیف کو اردو میں ترجمہ کیا اور اس کے اشاعت میں رہبری کی ان کا کلام گلہائے صد رنگ کے نام سے ۱۹۶۳ء میں طبع ہوا ان کے کلام کے چند اشعار ملاحظہ ہو:

ہر شئے میں اس کا جلوہ عیاں تھا نہاں نہ تھا
پھر کیسے ہم کہیں کہ کہاں تھا کہاں نہ تھا
کیوں بھٹکتا ہے تو اے ساقی کسی کے واسطے
کعبہ تیرے دل میں ہے بت خانہ تیرے دل میں ہے
۷۰

نہ کر برباد اے ظالم مرے اس خانۂ دل کو
کھلے ہیں گل تمنا کے ہزاروں اس گلستاں میں

جہاں میں انقلاب آئے نہ آئے کیا ہمیں پرواہ
اپنا آشیانہ نخل باغ بے خزاں پر ہے

کیوں بھٹکتا ہے تو اے ساقی کسی کے واسطے
کعبہ تیرے دل میں بتخانہ تیرے دل میں ہے

کیا کہوں کس سے کہوں کس کو سناؤں حال دل
مجھ میں اب طاقت کہاں باقی رہی فریاد کی

میکدے میں بھی رہ کے اے ساقی
پار ساتو ہے میگار نہیں

کعبے میں چلے جاؤ یا بت خانے میں جاؤ
جز نام خدا اور کوئی نام نہیں ہے
اے

ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ

بھاسکر راج سکسینہ عالؔی کے پوتے اور ساقی کے فرزند اکبر ہیں انہوں نے ان کے اجداد راجہ گردھاری پرشاد باقی کی حیات اور کارناموں پر نہایت تحقیق و جستجو کر کے ایک کتاب ''حیدرآباد کے بنسی راجہ'' کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا۔ اور اسی طرح انہوں نے راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے اردو بھجنوں کو مرتب کیا۔ اور اس کے علاوہ ان کے خاندان میں پانچ پشتوں سے چلی آنے والی شاعرانہ خدمات کو ایک جا کیا اور اس کا نام ''حیدرآباد کے ادبی رتن'' رکھا ہے۔

بھاسکر راج سکسینہ کے ادبی خدمات کے بارے میں کالی داس گپتا رضا یوں رقم طراز ہیں:

''انھوں (بھاسکر راج سکسینہ) نے بڑی محنت سے رائے سوامی پرشاد اصغر (وفات ۱۸۲۳) سے رائے نرہر راج ساقی (وفات ۱۹۸۵) تک پانچ پشتوں کی ادبی خدمات کا تذکرہ زیر نظر کتاب ''حیدرآباد کے ادبی رتن'' میں کیا ہے'' ۲ے

مغنی تبسم کائستھ گھرانے کی اردو خدمات کی تعریف کرتے ہوئے خاص طور پر عالؔی کے وارث ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ کے تصنیف و تالیف کے بارے میں یوں کہتے ہیں

''یہ نہایت خوش آئند بات ہے کہ حیدرآباد میں کائستھ طبقہ اردو کو ابھی تک سینے سے لگائے ہوئے ہے جس سے اس گم راہ کن خیال کی تردید ہوتی ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ کائستھ طبقے کے بہت سے افراد علم و ادب سے شغف رکھتے ہیں۔ انھیں میں ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ بھی ہیں۔ امید ہے ''حیدرآباد کے ادبی رتن و

تحقیقات سیاقِ باقی'' کی اشاعت کے بعد وہ تصنیف و تالیف کا
سلسلہ جاری رکھیں گے۔ضرورت ہے کہ دیگر کائستھ خانوادوں سے
تعلق رکھنے والے اور موجودہ دور کے عالموں، ادیبوں اور شاعروں
کے کارنامون سے اردو دنیا کو روشناس کرایا جائے۔'' ۳ے

اوپر کے ان اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ نے بھی اپنے اجداد کے خدمات کو موجودہ دور کے لوگوں کو متعارف کروانے میں پیش پیش رہے ان کے چند کتابیں ملاحظہ ہو

ا۔حیدرآباد کے ادبی رتن، مرتبہ بھاسکر راج سکسینہ

۲۔حیدرآباد کے بنسی راجہ،

۳۔راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ اور ڈاکٹر نارائن راج

ڈاکٹر نارائن راج:

ڈاکٹر نارائن راج، راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے پوتے اور رائے نرہر راج ساقؔی کے تیسرے فرزند ہیں، ان کی اہلیہ ڈاکٹر شیلا راج ہیں جو حیدرآبادی تہذیب اور ادب کے اچھے مورخ مانے جاتے ہیں۔ان کے کارناموں کو جاری رکھنے کے لیے نارائن راج پیش پیش رہتے ہیں۔نارائن راج کے متعلق پروفیسر حبیب ضیاء اپنی مرتب کردہ کتاب ''گلدستۂ شاؔد'' کے پیش لفظ میں یوں رقم طراز ہیں:

''ڈاکٹر نارائن راج کی اہلیہ محترمہ ڈاکٹر شیلا راج مرحومہ، اردو زبان و
ادب کی شیدائی تھیں۔ بلند پایہ ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ادب
دوست، ادب نواز شخصیت کی حامل تھیں۔ انھوں نے مہاراجہ کشن
پرشاد کی کئی غیر مطبوعہ بیاضوں کو سنبھال کر رکھا تھا۔ان کا مصمم ارادہ تھا
کہ اس نایاب ذخیرہ کو ضائع ہونے سے بچائیں اور کسی نہ کسی طرح
کتابی شکل دیں۔ان کی زندگی میں جو کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا اس
کی ذمہ داری ڈاکٹر نارائن راج نے لی۔ بیاضوں میں سے مہاراجہ

شآد کے ایسے کلام کو ترتیب دیا جو دیمک سے محفوظ تھا۔ یہی کلام
''گلدستۂ شآد'' کے زیرِعنوان قارئیں تک پہنچایا جارہا ہے۔''۴؎

نارائن راج سے متعلق ''نذرِ شآد'' کے پیش لفظ میں خواجہ احمد اللہ خاں، (مہاراجہ کشن پرشاد فاؤنڈیشن کے چیئرمین) نے یوں رقم طراز ہیں:

''ڈاکٹر نارائن راج صاحب اسٹیج پر تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب
اس سمینار کے روح رواں تھے۔ان کی مرحوم اہلیہ ڈاکٹر شیلا راج نے
مہاراجہ بہادر اور آصف جاہی حکمرانوں کے کارناموں، خصوصاً ان کی
مذہبی رواداری پر بہت کام کیا ہے۔ اور ان کی کئی کتابیں شائع ہوئی
ہیں۔ڈاکٹر نارائن راج صاحب نے اس کام کو جاری رکھنے کے لیے
اس سمینار کے انعقاد کا بیڑا اٹھایا اور یہ بالکل درست تھا کہ اس سمینار
کے کامیاب اختتام پر ڈاکٹر نارئن راج صاحب ہی سب کو مخاطب
کریں۔انھوں نے نہایت ہی جذباتی اور موثر انداز میں اس یادگار
محفل کا اختتام کیا۔''۵؎

اوپر کے ان اقتباسات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر نارائن راج اپنے اجداد کے ادبی کارناموں کو ضائع ہونے سے بچالیا اور ان کے یاد میں سمینارز، میموریل لکچررس وغیرہ کا انعقاد کرتے رہے اور اس کے ساتھ انہوں نے چند کتابوں کو مرتب بھی کئے ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:

۱۔نذرِ شآد، مرتبین، ڈاکٹر نارائن راج اور پروفیسر حبیب ضیاء

۲۔خمخانۂ شآد، فارسی کلام (راجہ راجایاں یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد شآد) مرتبین،
ڈاکٹر محمد ضیاء الدین احمد شکیب اور ڈاکٹر نارائن راج

۳۔راجہ نرسنگھ راج عآلی کے اردو بھجن، مرتبین، ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ اور ڈاکٹر نارائن راج

ڈاکٹر شیلا راج:

ڈاکٹر شیلا راج راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی پوتر بہو اور باقی کی پڑپوتر بہو ہے۔ان کے والد رائے پرتھوی راج ہیں جو اس دور کے ناظمِ زراعت تھے۔شیلا راج کے چچا اندر راج تمنؔا شاعر تھے۔اس طرح شیلا راج میکے اور سسرال دونوں خاندانوں میں علم وادب کی شمع روشن رہنے کی وجہ سے انھوں نے بھی تا حیات ادب سے منسلک رہے اور ادبی کارنامے انجام دیتے رہے۔

شیلا راج عثمانیہ یونیورسٹی سے تاریخ اور اردو میں ایم۔اے کیا اور پھر محبوبیہ جونیر کالج میں لکچرر مقرر ہوئے۔۱۹۷۲ء میں ان کی شادی راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے پوتے ڈاکٹر نارائن راج سے ہوئی۔شادی کے بعد انہوں نے ملازمت چھوڑ دی اور ممبئی منتقل ہوگئے وہاں انھوں نے شریمتی ناتھی بائی دامودر ٹھاکرسی ویمنس یونی ورسٹی، ممبئی سے تاریخ میں "Social Cultural and Economic Developments in Hyderabad 1869 to 1911" کے عنوان سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی شیلا راج حیدرآباد کی تہذیب اور یہاں کی تاریخ پر مہارت رکھتی تھیں ان کے علمی خدمات کے متعلق اشرف رفیع یوں فرماتے ہیں

> ''اپنے (شیلا راج) وسیع مطالعے، گہرے تجزیاتی نقاطِ نظر کے باعث ریاست حیدرآباد کی تہذیبی اور سیاسی تاریخ میں وہ اتھاریٹی سمجھی جاتی ہیں۔آصف جاہ سادس و آصف جاہ سابع کے دور حکومت کی علمی، ادبی، تاریخی، مذہبی سرگرمیوں پر ان کے (۳۰) تحقیقی مقالے اردو اور انگریزی رسائل واخبارات میں شائع ہوکر پسند کیے گئے۔حیدرآباد اور حیدرآباد سے باہر کئی علمی وتحقیقی اداروں میں انہیں لکچرز کے لیے مدعو کیا گیا۔انہوں نے انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اسٹڈیز، انڈین ہسٹری کانگریس، انڈین ہسٹری اینڈ کلچرل سوسائٹی، ایشاٹک سوسائٹی، عثمانیہ یونیورسٹی، مکرم جاہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، ابوالکلام آزاد اور نیٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ وغیرہ میں توسیعی لکچرز دیئے اور مقالے پیش

کیے۔ تاریخ دکن کے تحفظ و تعارف کے سلسلے میں ان کی خدمات کو
دیکھتے ہوئے شریمتی پریم لیلا ٹھاکرسی جیسا گراں قدر ایوارڈ بھی عطا
کیا گیا۔''۶ے

شیلا راج اردو، فارسی، انگریزی پر بھی عبور رکھتی تھیں۔ وہ تینوں زبانوں کے ادب سے واقف تھے جس کی وجہ سے انہوں نے حیدرآبادی ادبی وتہذیبی سرمایہ کو اردو سے انگریزی اور فارسی سے اردو میں ترجمے کئے اور اپنے اجداد کے کلام کو مرتب بھی کیا۔ ان کے چند تصانیف درج ذیل ہے۔

۱۔ توشہ عاقبت، سفرنامہ، راجہ گردھاری پرشاد باقیؔ، فارسی سے اردو میں ترجمہ کئے

۲۔ شاہی شادی، رپورتاژیہ محبوب علی باشا کی ہمشیرہ نجیب النساء بیگم کی شادی کا تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔

۳۔ عہد وسطیٰ سے عہد حاضر تک حیدرآباد کی معاشی وتہذیبی تاریخ ۱۸۶۹ تا ۱۹۱۱

Social Cultural and Economic Developments in Hyderabad 1869 to 1911) یہ ان کے پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ ہے

۴۔ The Legacy of Nizam، (مملکت آصفیہ اس کے جلد اول اور دوم کو اردو سے انگریزی ترجمہ ہے)

۵۔ Hyderabad in the days of the Nizams 1828-1896

۶۔ دیوانِ محبوب

۷۔ دیوانِ عالی

۸۔ شاہانِ آصفیہ کی رواداری اور ہندو مسلم روایات

ڈاکٹر شیلا راج کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اجداد کا سرمایہ جو عوام کی نگاہوں سے اوجھل اور

بیاضوں کی شکل میں موجود تھا اس کو انہوں نے ذائع ہونے سے بچالیا اور اس کلام کو مرتب کر کے منظر عام پر لائے اور اردو ادب میں اضافہ کا کام انجام دیا۔شیلا راج کی شخصیت اور ان کے ادبی خدمات پر حیدرآباد کی عثمانیہ یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کی گئی۔اور ان کے نام ہر سال یونیورسٹی آف حیدرآباد میں پی۔ایچ۔ڈی، شعبۂ تاریخ میں gold medal دیا جاتا ہے۔S.N.D.T Women's University ممبئی سے بھی ان کے نام پر پی۔ایچ۔ڈی اور ایم۔اے میں گولڈ میڈل دیا جارہا ہے۔ Asiatic society of Mumbai میں تاریخ پر کام کرنے والوں کو Fellowship دی جاتی ہے۔اور اسی طرح ہر سال ان کے نام پر سالار جنگ میوزیم میں H.E.H The Nizam's juble povilion trust کی جانب سے ڈاکٹر شیلا راج میموریل لیکچر ۲۰۰۹ سے ہر سال ۱۷ جولائی کو انعقاد کیا جاتا ہے۔

حواشی

۱ شیلا راج، ڈاکٹر، شاہانِ آصفیہ کی رواداری اور ہندو مسلم روایات، حیدرآباد، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۰۹

۲ دیوانِ عالی از ڈاکٹر شیلا راج، ص: ۷

۳ حیدرآباد کے ادبی رتن، بھاسکر راج سکسینہ، حیدرآباد، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۰

۴ حیدرآباد کے ادبی رتن، بھاسکر راج سکسینہ، حیدرآباد، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۰

۵ حیدرآباد کے ادبی رتن، بھاسکر راج سکسینہ، حیدرآباد، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۰

۶ ماہ نامہ ''سب رس'' جنوری ۱۹۴۰ء

۷ حیدرآباد کے ادبی رتن، بھاسکر راج سکسینہ، حیدرآباد، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۲

۸ حیدرآباد کے ادبی رتن، بھاسکر راج سکسینہ، حیدرآباد، ۲۰۰۰ء، ص: ۲۲

۹ حیدرآباد کے ادبی رتن، بھاسکر راج سکسینہ، حیدرآباد، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۷

۱۰ حیدرآباد کے بنسی راجہ، ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ، حیدرآباد، ص: ۲۲

۱۱ حیدرآباد کے بنسی راجہ، ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ، حیدرآباد، ص: ۳۵

۱۲ حیدرآباد کے بنسی راجہ، ص: ۳۵

۱۳ حیدرآباد کے بنسی راجہ، ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ، حیدرآباد، ص: ۳۴

۱۴ Portrait of An Era, by Sheela Raj, حیدرآباد، ۲۰۰۲ء، ص: ۲۲

۱۵ شیلا راج، ڈاکٹر (Hyderabad in the days of the Nizams 1828-1896)

۱۶ جنوبی ہند میں رباعی گوئی تذکرۂ الشُعراء، از سید مظفرالدین خاں صاحبؔ حیدرآبادی، حیدرآباد، ۱۹۸۴ء ص: ۷۵

۱۷ سب رس، جنوری ۱۹۴۰ء، ص: ۵۱ تا ۵۲

۱۸۔ دیوانِ عالی، ڈاکٹر شیلا راج،ص:۱۰

۱۹۔ حبیب نثار، ڈاکٹر، تبصرہ دیوانِ عالؔی، روزنامہ ''سیاست''، ۱۶مئی ۲۰۰۹ء

۲۰۔ شخصی انٹرویو، جناب نارائن راج، ۱۱۔مئی ۲۰۱۳

۲۱۔ شخصی انٹرویو، جناب نارائن راج، ۱۱۔مئی ۲۰۱۳

۲۲۔ 'دکنی ہندواردو'' میں لکھتے ہیں:ص:۱۱۱

۲۳۔ ''جنوبی ہند میں رباعی گوئی'' (تذکرہ شعراء) ص۱۹۰

۲۴۔ ڈاکٹر شیلا راج، دیوان عالؔی،ص:۱۴

۲۵۔ شخصی انٹرویو، جناب نارائن راج، ۱۱۔مئی ۲۰۱۳

۲۶۔ ڈاکٹر شیلا راج، دیباچہ دیوانِ عالؔی،ص:۱۴

۲۷۔ راجہ گردھاری پرشاد باقؔی از پون کماری،ص:۱۱۷تا۱۱۸

۲۸۔ دیوان عالؔی، دیباچہ: ڈاکٹر شیلا راج ص:۱۴۔۱۵

۲۹۔ زور، محی الدین قادری، مرقع سخن، جلد دوم، حیدرآباد، ۱۹۳۷،ص:۲۹۴

۳۰۔ ڈاکٹر شیلا راج، دیوان عالؔی، دیباچہ،ص:۱۵

۳۱۔ شخصی انٹرویو، جناب نارائن راج، ۱۱۔مئی ۲۰۱۳

۳۲۔ ڈاکٹر شیلا راج، دیباچہ دیوان عالؔی۔ص:۲۵

۳۳۔ ڈاکٹر شیلا راج، دیوانِ عالؔی،ص۲۵

۳۴۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی، یادگارِ حضرت شاؔد، حیدرآباد، ۱۳۶۰ھ،ص۹

۳۵۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی، یادگارِ حضرت شاؔد، حیدرآباد،ص۳۳

۳۶۔ غلام جیلانی، ایوانِ شاد کا ایک مشاعرہ، حیدرآباد، ۱۹۹۴ء،ص۔پیش لفظ

۳۷۔ غلام جیلانی، ایوانِ شاد کا ایک مشاعرہ، حیدرآباد، ۱۹۹۴ء،ص۲۸

۳۸ شخصی انٹرویو، جناب نارائن راج، ۱۱۔مئی ۲۰۱۳

۳۹ ماہ نامہ سب رس، حیدرآباد، جون ۱۹۴۱ء، ص ۵۴

۴۰ ڈاکٹر شیلا راج، دیباچہ دیوان عالؔی، ص: ۱۶

۴۱ شخصی انٹرویو، جناب نارائن راج، ۱۱۔مئی ۲۰۱۳

۴۲ زور، محی الدین قادری، مرقع سخن، جلد دوم، حیدرآباد، ۱۹۳۷، ص: ۲۹۴

۴۳ راجہ گردھاری پرشاد باقؔی، از پون کماری، ص: ۱۳۴

۴۴ شخصی انٹرویو، جناب نارائن راج، ۱۱۔مئی ۲۰۱۳

۴۵ ہماری زبان، علی گڈھ، ۸ جولائی ۱۹۵۷، ص: ۶

۴۶ شخصی انٹرویو، جناب نارائن راج، ۱۱۔مئی ۲۰۱۳

۴۷ شخصی انٹرویو، جناب نارائن راج، ۱۱۔مئی ۲۰۱۳

۴۸ دیوانِ عالؔی، ص: ۱۷۲

۴۹ شخصی انٹرویو، جناب نارائن راج، ۱۱۔مئی ۲۰۱۳،

۵۰ ڈاکٹر شیلا راج، دیوانِ عالؔی، دیباچہ، ص: ۱۴

۵۱ ڈاکٹر شیلا راج، دیباچہ دیوان عالؔی۔ص: ۱۷

۵۲ شخصی انٹرویو، جناب نارائن راج، ۱۱۔مئی ۲۰۱۳،

۵۳ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوان محبوب، حیدرآباد، ۲۰۰۶، ص: ۵

۵۴ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، حیدرآباد، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۶

۵۵ ڈاکٹر شیلا راج، دیوان عالؔی ص: ۲۴ سے ۲۵

۵۶ ڈاکٹر شیلا راج، دیوان عالی ص: ۲۱

۵۷ دیوانِ عالی از ڈاکٹر شیلا راج ص: ۱۸

۵۸ شخصی انٹرویو، جناب نارائن راج، ۱۱۔مئی ۲۰۱۳، ۱۲:۳۰ سے ۱:۳۰ دن

۵۹ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، حیدرآباد، ۲۰۰۸، ص ۱۷

۶۰ بھاسکر راج سکسینہ، ڈاکٹر، حیدرآباد کے ادبی رتن، حیدرآباد، ۲۰۰۰، ص ۲۲ تا ۲۳

۶۱ نصیرالدین ہاشمی، دکن میں اردو، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۵، ص ۵۵۶

۶۲ منشی دیانرائن نگم، کلیاتِ نوبت رائے نظر، پہلا ایڈیشن، قصر باغ لکھنؤ، ۱۹۸۸، ص ۲۲۴

۶۳ زور، محی الدین قادری، ڈاکٹر، مرقع سخن، حیدرآباد، ۱۹۳۷ ص ۱۷۲ تا ۱۷۳

۶۴ ڈاکٹر محمد عطاء اللہ خاں، معاصرینِ داغ دہلوی، دہلی، ۲۰۰۹، ص ۱۳۲

۶۵ زور، محی الدین قادری، ڈاکٹر، مرقع سخن، حیدرآباد، ۱۹۳۷ ص ۱۷۲ تا ۱۷۳

۶۶ پون کماری، ڈاکٹر، راجہ گردھاری پرشاد باقی اور ان کے خاندان کی اردو ادبی خدمات، ص ۱۳۷ تا ۱۳۸

۶۷ جلال الدین اکبر، حیدرآبادی شعرا، حیدرآباد، ۲۰۰۹، ص ۶۱

۶۸ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ محبوب، حیدرآباد، ۲۰۰۶، ص ۱۵

۶۹ سب رس، جنوری، ۱۹۴۰ء، ص: ۵۶

۷۰ بھاسکر راج سکسینہ، ڈاکٹر، حیدرآباد کے ادبی رتن، حیدرآباد، ۲۰۰۰، ص ۸۷

۷۱ بھاسکر راج سکسینہ، ڈاکٹر، حیدرآباد کے ادبی رتن، حیدرآباد، ۲۰۰۰، ص ۸۷

۷۲ بھاسکر راج سکسینہ، ڈاکٹر، حیدرآباد کے ادبی رتن، حیدرآباد، ۲۰۰۰ ص ۶

۷۳ بھاسکر راج سکسینہ، ڈاکٹر، حیدرآباد کے ادبی رتن، حیدرآباد، ۲۰۰۰، ص ۹

۷۴ حبیب ضیاء، پروفیسر، گلدستۂ شاد، حیدرآباد، ۲۰۰۹، ص ۲۱ تا ۲۲

۷۵ ڈاکٹر نارائن راج، پروفیسر حبیب ضیا، نذرِ شاد، حیدرآباد، ۲۰۰۹، ص ۱۴ تا ۱۵

۷۶ ڈاکٹر شیلا راج، شاہانِ آصفیہ کی رواداری اور ہندو مسلم روایات، حیدرآباد، ۲۰۰۷، ص ۱۲

☆☆☆

باب دوم

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی غزل گوئی

راجہ نرسنگھ راج عالؔی عہد آصفیہ کے بلند پایہ شاعروں میں سے ایک ہیں بچپن ہی سے انھیں شاعری سے غیر معمولی شغف تھا شاعری ان کو ورثے میں ملی تھی چوں کہ ان کے دادا بھی شاعر تھے اور والد بھی اردو ادب کے بہترین اور باکمال شاعر تھے نرسنگھ راج جلیل مانک پوری سے اصلاح لیتے تھے اور دربار سے وابستہ تھے یہی وجہہ ہے کہ روایتی طرز کی شاعری پر انھیں عبور حاصل تھا۔ ادیب یا شاعر اپنے تجربات ومشاہدات کو تخیل کے رنگ سے رنگ کر شعر کے قالب میں ڈھالتا ہے۔ نرسنگھ راج کے یہاں بھی یہی معاملہ ملتا ہے۔ انھوں نے نہ صرف وصل وجدائی اور گل وبلبل کے نغمے تک محدود رکھا بلکہ سماجی مسائل کو بھی انہیں شاعری میں جگہ دی۔ نرسنگھ راج عالؔی پختہ شعور اور عمیق فکر کے حامل تھے سماج کے بگڑتے اور ناآسودہ حالات پر ان کی گہری نظر تھی انھوں نے غزل کی ہئیت میں نظمیہ مضامین کو باندھنے کی کامیاب کوشش کی۔ غرض یہ کہ ان کی شاعری میں موضوعات کا تنوع ہے کبھی یہ محبوب سے وصل کی تمنا رکھتے ہیں تو کبھی محبوب کی بے رخی کا گلہ شکوہ کرتے ہیں۔ کبھی مہاراجہ کی بڑائی کرتے ہیں تو کبھی سماج کے بدلتے حالات پر نظر ڈالتے ہیں کبھی دنیا کی بے ثباتی سے بے زار ہوکر خدا کے در پر سجدہ کرتے ہیں تو کبھی تصوف کے مسائل پر گفتگو کرتے ہیں یعنی ان کے یہاں موضوعات کی کثرت ہے ان کی غزلیہ شاعری کو سمجھنے کے لئے موضوعاتی اعتبار سے ہم ان کی غزلیہ شاعری کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱) عشقیہ موضوعات

۲) قلندارانہ اور درویشانہ موضوعات

عشقیہ موضوعات: راجہ نرسنگھ راج عالؔی روایت کے پاسدار ہیں ان کا محبوب کہیں خیالی نظر آتا ہے تو کہیں گوشت و پوست کا جیتا جاگتا حسن کا پیکر وہ اپنے محبوب کے حسن میں کھو کر دنیا کے غم کو بھولنا چاہتے ہیں۔ اور انھیں یقین ہے کہ ان کا محبوب ضرور ان کے درد وغم کا مداوا کرے گا۔ اور اپنے محبوب سے وصل کی

خواہش میں بے چین و مضطرب ہو کر دیدار کی آرزو کرتے ہیں اس سلسلہ کے چند شعر ملاحظہ ہوں

کب تک امید و بیم میں اپنی بسر ہو زندگی
خرمن آرزو جلا برقِ نظر گرائے جا

خواب میں آ کبھی مرے جلوہ رخ دکھا کے جا
سو یا ہوا نصیب ہے اس کو ذرا جگا ئے جا

سنئے تو داستانِ غم درد سے ہے بھری ہوئی
اپنے مریضِ عشق پر رحم کبھی تو کھائے جا

[1]

حسن جادو تھا کہ افسوں تھا الٰہی کیا تھا
کس نے دل کرلیا چپکے سے مسخرا اپنا

[2]

تو ہے حسین دل میں جو آئے وہ کہہ صحیح
تری نگاہ کے سامنے میری زبان کہاں

[3]

نرسنگھ راج عالؔی کے یہاں ''دل'' مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے ان کے یہاں دل ہی ایک ایسی چیز ہے؟ جو عشق کی وجہ ہے اور انسان کے اعمال کا دارومدار دل ہی پر ہے۔ اپنے مضطرب دل کے سبب انھیں محبت کا روگ لگا ہے اور یہ محبوب کی چاہ میں چشم نم ہے۔ عالؔی یہ بھی کہتے ہیں کہ دل جو حالت اضطراب

میں تڑپتا ہے جلتا ہے لیکن اس کی جلن وتڑپ کسی کو نظر نہیں آتی اور نہ ہی دل سے دھواں اٹھتا ہے۔ دل کی اسی بے چینی کے سبب عالی دل کو اجڑی ہوئی بستی سے تعبیر کرتے ہیں ''دل'' پر لکھے گئے چند شعر ملاحظہ ہو۔

برباد دل ہے اس میں تمناؤں کو نہ ڈھونڈ
اجڑی ہوئی سی بستی میں آبادیاں کہاں

۴

دل دیا اور جان بھی لے لیجیئے
اس سے بڑھ کر سر براہی کیا کروں

۵

اتنے سے دل کے لئے جھگڑا کریں
جس کو چاہا اس کو کیا رسواکریں

۶

درد دل اتنا بڑھا بڑھ کے دوابن ہی گیا
لطف اب کیا تیرے بیمار کے افسانے میں

۷

زخم دل کیا دکھائے جاتے ہیں
یہ تو سب سے چھپائے جاتے ہیں

درد دل سن کے اس نے مجھ سے کہا
جھوٹے قصّے سنا ئے جاتے ہیں

ہے تو دل میں غم فراق عزیز
داغ بن بن کے پائے جاتے ہیں

۸

کوئی ملتا کاش جو تصویر دل کی کھینچتا
دل کا خود کشتہ ہے حالت ہے بری بہزاد کی

۹

حسرتیں کیا ہوئیں دل کی میں کہوں کیا عالؔی
یہ وہ کاشانہ ہے برسوں سے جو آباد نہیں

۱۰

راجہ نرسنگھ راج عالؔی ایک بے چین و بے کراں عاشق کی طرح دل کو اضطراب کا موجب تو قرار دیتے ہیں لیکن انھیں اس بات کا بھی علم ہے کہ عشق کے مرض میں محبوب چاہے تو دل کو قرار و سکوں میسر ہوسکتا ہے لیکن حسن کی بے رخی و بے وفائی انھیں اس سکون سے محروم کر دیتی ہے لیکن عالؔی محبوب سے عشق کی لذت میں نہیں بلکہ دیدار کی یاس میں بھی خوش ہیں وہ روایتی اور سچے عاشق کی طرح چوری چپکے محبوب کے دیدار سے دل کو قرار دیتے ہیں اور محبوب پر مرنے کو زندگی سے زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک عشق ایک مرضِ لادوا ہے جس میں عاشق صرف فریاد ہی کر سکتا ہے لاکھ دل کو سمجھانے پر بھی عاشق کا دل محبوب پر مرنے سے باز نہیں آتا اور محبوب کے غصہ میں ہی خوشی کو ڈھونڈ نکالتا ہے اور نہ صرف محبوب کو دل دے کر بے چینی و بے قراری لیتا ہے بلکہ اپنی جاں بھی محبوب کی ایک نظر پر قربان کرنے تیار رہتا ہے عالؔی کی شاعری میں بھی ایسا ہی عاشق پنہاں ہے۔ عالؔی بھی محبوب کے غصہ میں خوشی ڈھونڈتے ہیں اور چپکے چپکے محبوب کو دیکھ کر دل کو تسکین و آرام فراہم کرتے ہیں اور زندگی سے بہتر اور مزیدار شئے الفت میں موت کو قرار دیتے ہیں۔

کیا مسیحا سے غرض عشق کے بیماروں کو
زیست سے بڑھ کے مزا ہے جنہیں مرجانے میں

۱۱

عشق کی منزل میں جانے کے لئے
سب سے پہلے درد دل پیدا کریں

دیکھ لیتے ہیں تمہیں اک یاس سے
بے بسی میں اور ہم پھر کیا کریں

۱۲

مرتے دم تک گلہ کرتے کیوں کر
عاشقوں کا تو یہ شعار نہیں
پھر ذرا مسکراکر پھیر ونظر
پھر ذرا کہہ دو ایک بارنہیں

۱۳

یہ مصائب نہ اٹھاتے ہر گز
پاس ان کے جو نہ آتے جاتے

طلبِ بوسہ پہ خوش ہوتے ہم
گالیاں گر وہ سنا تے جاتے

دل کو تسکین تو کچھ ہوجائے
قصۂ غم جو سنا تے جاتے

راہ میں ان کو ملی تھی میت
کاش کاندھا وہ لگاتے جاتے

کیا قباحت تھی جو وہ آتے مرے گھر
دل ویراں کو بساتے جاتے

۱۴

عالؔی محبوب سے وصل کی آرزو رکھتے ہیں لیکن عشق کے بیان اور وصل کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ناشائستہ الفاظ کا استعمال ان کے یہاں نہیں ملتا ان کی شاعری ہزل گوئی سے پاک ہے وہ خیال کی ندرت اور الفاظ کی جدت سے کیفیت عشق کا بیان نہایت عمدگی سے کرتے ہیں عریانیت ان کے کلام میں نہیں وہ شب وصل کا اظہار اور لذت عشق کا بیان اشاروں اشاروں میں کرتے ہیں۔

وہ شب وصل کی حالت بھی عجب حالت تھی
ان کو انکار تو اصرار برابر اپنا

۱۵

مل جائیں جو ہم آپ تو کیا جانیے کیا ہو
دنیا کو نظر آئے گا جادو کا اثر آج

۱۶

تجھ سے ملوں تو ہوش کا ڈر عمر بھر نہ ہو
تیری خبر تو کیا مجھے اپنی خبر نہ ہو

یارب سب وصال کہیں مختصر نہ ہو
ویران حسرتوں کا یہ آباد گھر نہ ہو

۱۷

وصل کی سب میں بوسوں کا
معاف کیجیے حساب کیا کرنا

۱۸

نرسنگھ راج عالؔی کو اپنے محبوب سے غیر معمولی عشق ہے لیکن وہ محبوب کی بے رخی کا کبھی شکوہ بھی کرتے ہیں ان کے نزدیک عشق میں محبوب کی گفتگو اور اس کا انداز وادا ہی سکون وقرار کی باعث ہوتا ہے اگر محبوب خفا ہو اور وفا کا پیکر نہ ہو تو عشق چاہے کتنا ہی گہرا اور والہانہ ہو عاشق ٹوٹ کر رہ جاتا ہے۔ وہ وفا کے تلخ گھونٹ پی کر محبوب کی بے وفائی برداشت کرتے ہیں اور اپنے دل کے زخموں کو سہتے ہیں اور محبوب کی بے رخی کو اس کی اچھائی سے تعبیر کرتے ہیں اور طنزیہ لہجہ میں محبوب سے شکایت کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

لے کے دل تو چل دیا اچھا کیا
جو نہ کرنا تھا کیا اچھا کیا

کیا کریں شکوہ کریں کس پر گلہ
تو نے جو سمجھا کیا اچھا کیا

آرزو باقی دوا کی رہ گئی
درد اٹھ کر تھم گیا اچھا کیا

عشق میں دل نے دیا کار وفا
خون غم ہم نے پیا اچھا کیا

جینے اور مرنے نہیں دیتا ہے تو
دے چکا پوری سزا اچھا کیا

بے وفائی پر یہی کہتا ہے وہ شوخ
کرنا جو تھا کر چکا اچھا کیا

عشق میں مرنا تو ہے معمولی کام
زخم دل تونے میا اچھا کیا

حسن کے طالب کو پھر راحت کہاں
سب جفاؤں کو سہا اچھا کیا

بغیر شکوۂ جو روجفا کے جیتا ہوں
یہ تلخ گھونٹ بھی خونِ وفا کے پیتا ہوں

نہ ہے بہار کی حسرت نہ ہے غم صرصر
میں نام لے کے شب و روز تیرا جیتا ہوں

۲۰

وہ روٹھے ہیں میرے منا نے سے پہلے
ستم کرتے ہیں ناز اٹھا نے سے پہلے

۲۱

عالؔی محبت میں وصل ہی کو حاصل عشق نہیں مانتے بلکہ محبوب کی جانب سے ملنے والے درد کو بھی وہ سینے سے لگانے تیار ہیں۔قدرت کا قانون ہے اگر انسان کو صرف خوشی ہی ملتی رہے اور زندگی میں غم و پریشانی نہ ہوتو وہ زندگی بے مزہ ہو جاتی ہے نرسنگھ راج عالؔی بھی غم کو زندگی کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں ان کے یہاں غم سے ہی زندگی میں رونق اور لطف ہے یعنی کہ اگر زندگی میں درد وغم نہ ہوتو انسان کو خوشی کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوگا۔وہ درد میں تڑپنے میں ہی لطف محسوس کرتے ہیں اور تنہائی میں ہی آزادی محسوس کرتے ہیں۔

تڑپنے دے مجھے درد جگر میں لطف آتا ہے
مسیحا ہے نہیں کوئی عقیدہ مجھ کو درماں میں

قفس میں ہی تو رہنے دے رہا مجھ کو نہ کر صیاد
کہ آزادی و تنہائی ملا کرتی ہے زنداں میں

۲۲

تڑپتا رہتا ہو تلملاتا رہتا ہوں
خموش مرنا ہے ہمت کسی کو کیا معلوم

۲۳

رفتہ رفتہ باعث تسکیں ہوئیں بے تابیاں
درد دل اتنا بڑھا بڑھ کر مداوا بن گیا

۲۴

ائے نمک پاش چھڑکے جاتو نمک
زخم میرا ابھی ہرا نہ ہوا

۲۵

کبھی خار کی خلش کا جو تو لطف اٹھا تا اے دل
تجھے ایسی ملتی لذت کہ نہ جس سے عار ہوتا

۲۶

غرض یہ کہ نرسنگھ راج عالؔی کے یہاں عشقیہ موضوعات نہایت ہی عمدہ اور شگفتہ انداز میں ملتے ہیں روایتی انداز میں عشق و وفا جدائی و وصل کا بیان ان کے یہاں الفاظ کی خوبصورتی، تسلسل اور سادگی کے ساتھ ملتا ہے ان کی شاعری میں عشق کی کیفیت اور شبِ وصل کا بیان اشارے و کنایے میں ملتا ہے چوں کہ شاعری جذبات و احسات کو اشاروں اور خوبصورت استعارات میں بیان کرنے کا دوسرا نام ہے لہذا ان کے یہاں حسن و عشق کے موضوعات، جدت آمیز لہجہ میں پر کیف انداز میں ملتے ہیں ان کے عشقیہ اشعار پڑھنے سے ایک مخصوص کلاسیکی دبستانِ شاعری کا احساس ہوتا ہے اور پڑھنے والا خود کو عشق و حسن کی دنیا میں محسوس کرنے لگتا ہے یہی ان کی شاعری کی انفرادیت ہے۔

قلندرانہ اور درویشانہ موضوعات:۔

نرسنگھ راج عالؔی درحقیقت ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جن کی کئی نسلیں دربار سے وابستہ رہیں ان کے اجداد سلطنت آصفیہ کے کارگذار رہے خود راجہ نرسنگھ راج عالؔی بھی درباری خدمات پر مامور تھے لیکن اس کے باوجود ان کی طبعیت میں قلندرانہ اوصاف تھے وہ بادشاہت سے بڑھ کر فقیری کو مانتے تھے اور خوشی سے بڑھ کر غم کو عزیز رکھتے ہیں چوں کہ کسی فنکار کی ذاتی زندگی اس کی تحریروں میں درآتی ہے اس کے اوصاف حمیدہ بھی ان کی غزلوں سے عیاں ہوتے ہیں فقیرانہ موضوع پر لکھی گئی یہ نظم اس کا بین ثبوت ہے

بہت ہی کٹھن ہے فقیری کرنا
بہت سوچ کر پاؤں اس راہ دھرنا
یہ ہے دھار تلوار کی تم سمجھ لو
اس میں تو ہے جیتے جی آپ مرنا
فقیری تو ہے بادشاہی سے بڑھ کر
نہیں اس میں کچھ بھئے کسی سے نہ ڈرنا
فقیری میں اپنا نہ کوئی پرایا
نہ بننا بنا نا نہ ہے کچھ سنورنا
نہ بندھن ہے اس کو نہ کچھ نیم اس کو
جدھر موج آئے ادھر ہی گذرنا
کرودھ اورنہ ہوکام تو شانتی ہو
روٹی ایک بھی مل جائے بس پیٹ بھرنا

۲۷

ان کی طبعیت میں زمانے سے شکوہ کرنا خدا کی قدرت سے انکار کرنا نہیں ہے بلکہ وہ شکوہ شکایت کے بجائے ہر حال میں خوش رہنے کو ترجیح دیتے ہیں وہ ایک مست قلندر کی طرح زندگی کی اہمیت کو سمجھتے ہیں

قناعت پسندی اور خوداری ان کی طبیعت میں بدرجہ اتم ہے وہ زمانے کے اتار چڑھاؤ سے اپنے دل کو بے قرار نہیں کرتے بلکہ زندگی کے کرب کو سینے میں رکھ کر ایک قلندر کی طرح اپنے دل کو راہ اللہ میں مضطرب رکھتے ہیں۔

کیوں کسی کا میں کروں شکوہ حقیقت یہ ہے
چین لینے نہیں دیتا دل مضطر اپنا

۲۸

نہ پوچھو عشق کے متوالے کا کوئی مسکن
گیا رہا کہیں اور روز و شب گذار آیا

۲۹

نرسنگھ راج عالؔی موت سے نہیں ڈرتے وہ ایک قلندر اور سچے درویش کی طرح موت کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں دنیا کو انسان کا ٹھکانا نہیں مانتے بلکہ وہ موت کے بعد انسان کی اصلی زندگی قرار دیتے ہیں اسی لیے وہ ایک سچے درویش کی طرح اچھے اعمال کرنے کی تلقین کرتے ہیں

جس نے گذاری عمر گناہوں کی راہ میں
ایسی جبیں کو کہئے ملے آستاں کہاں
اعمال کرنا جان کے منزل ہے آخری
دینا ہے غور کرلو تمہیں امتحاں کہاں

۳۰

یعنی کہ نرسنگھ راج عالؔی قلندرانہ طبعیت کے مالک تھے درویشانہ اصول وضوابط ربط سے انھیں لگاؤ تھا انہی اصول وضوابط کو انھوں نے تخیل کی رنگینی سے رنگ کر شعری قالب میں ڈھالا ہے۔

شخصی موضوعات:۔ کسی شخصیت کے اوصاف کو اگر شعری پیرہن میں بیان کیا جائے تو شخصی غزلیں

کہلاتی ہیں نرسنگھ راج عالؔی نے مختلف شخصیات پر غزلیں لکھی ہیں ان کی اکثر غزلوں میں مشہور شخصیات کا ذکر ملتا ہے چوں کہ غزل کا ہر شعر معنی اور موضوع میں جداگانہ ہوتا ہے انھوں نے اپنی غزلوں میں اکثر اپنے استاد فصاحت جنگ جلیل مانک پوری کے علاوہ مہاراجہ کشن پرشاد، عثمان علی بادشاہ وغیرہ کو خراج پیش کیا ہے انھوں نے ماں جیسی مقدس شخصیت اور سکھوں کے رہبر گرونانک پر بھی غزلیں لکھی ہیں۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے کم عمری ہی پدرانہ شفقت سے محروم ہوگئے تھے ان کی والدہ نے اپنی ممتا کے آنچل میں نہایت ناز ونعم سے ان کی پرورش کی۔ انھیں اخلاقی و درسی تعلیم دی سماج کے اتار چڑھاؤ کا سبق دیا۔ ان کی والدہ نے ان کی شخصیت میں نکھار پیدا کیا انھیں سماج کے قابل بنایا زندگی کے ہر موڑ پر اپنی ممتا سے انھیں سکون پہنچاتی رہی، اسی مقدس ہستی کے گذر جانے کے بعد نرسنگھ راج عالؔی کی طبیعت پر بہت گہرا اثر ہوا حالانکہ ان کی بیوی اور بھائی نے عین شباب میں انتقال کیا بھائی کی موت کے بعد ماں کی موت نے انھیں جھنجوڑ کر رکھ دیا اپنے دلی جزبات کو انھوں نے اپنی غزل میں اس طرح بیان کیا۔

سناؤں کسے داستان محبت
نہیں والدہ جو تھیں جان محبت
انھیں کا یہ پُر درد و پُر غم ہے قصہ
ان ہی سے تو باقی تھی شان محبت
جھکاؤں کہاں جاکے سراپنا یارب
نہیں باقی اب آستان محبت
میں اب گلشن دہر میں کیا کروں گا
مرا لٹ گیا آشیان محبت
نہ بلبل چہکتی نہ گل کوئی خندان
کدھر چل بسا باغبانِ محبت

میری والدہ کی طرح جوہر خلق
نکالے ہیں کم تو نے کانِ محبت
برادر کا بیوی کا صدماتھا لیکن
تھی مادر سے تسکین جانِ محبت
میری کشتی عمر منجدھار میں ہے
مدد المدد باد بانِ محبت
مرغن امیری غذائیں ہیں بے حظ
ہے اک کافی روکھی سی نانِ محبت
زمین سے بھی کم درجہ اولاد کا ہے
ہیں ماں باپ ہی آسمان محبت
محافظ ہے بعد خدا ماں کی ہستی
ہے دراصل یہ پاسبانِ محبت
کہاں درد دل ماں کا پیداکریں گے
سمجھ لیں ذرا داعیانِ محبت
پھر آیا ہے دل رہ تو خاموش عالؔی
کہ اب رک رہی ہے زبانِ محبت

۳۱

اس پوری غزل میں عالؔی نے اپنے جذبات کا بیان نہایت ہی دلکش انداز میں کیا ہے ماں کی ممتا کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انھوں نے مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا بلکہ اس کی محبت کو لازوال

دولت سے تعبیر کیا اور عمر کی کشتی میں ماں جیسی عظیم ہستی کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ انھوں نے خدا کے بعد ماں کو بچے کی محافظ قرار دیا چوں کہ ان کی شخصیت ماں کے سائے ردا میں پروان چڑھی اسی لئے ان کے جذبات سماج کے دوسرے رشتوں سے زیادہ ماں سے منسلک تھے جس کا اظہار انھوں نے اس غزل میں کیا ہے۔

آزادی سے قبل حیدرآباد دکن میں ہمیشہ بادشاہوں اور سلطانوں کی حکمرانی رہی ہے اور انھوں نے بادشاہت کا سنہرا دور دیکھا تھا انھیں حاکم وقت سے بڑی عقیدت و محبت تھی یہی محبت کا عکس ہمیں ان کی شاعری میں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔ حیدرآباد کی ایسی ہی عظیم شخصیت سالار جنگ کی موت پر انھوں نے ایک غزل لکھی جس میں انھوں نے سالار جنگ کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کی۔ سالار جنگ پر لکھی گئی غزل میں انھوں نے سالار جنگ کی شخصیت کے تمام اوصاف کو حق گوئی کے ساتھ بیان کیا ہے اور سالار جنگ کے گذر جانے سے جس طرح سماج میں عام انسان کی چشم نم ہے اور کسی طرح سارے شہر (ریاست) میں غم کا ماحول ہے اس کی عکاسی انھوں نے کچھ اس طرح کی ہے۔

دیئے گئے ہیں آپ غم سالار جنگ
ایسے ہیں افراد کم سالار جنگ
آپ کے ماتم کناں سارے امیر
کھا رہے ہیں پیچ و خم سالار جنگ
فضل حق تھا آپ پر لیل و نہار
آپ کرتے تھے کرم سالار جنگ
آپ شایق تھے قدیم آثار کے
معترف اس کے ہیں سالار جنگ
کس قدر ساماں فراہم کر گئے
کیا تھا وہ جاہ و حشم سالار جنگ

کس قدر تیزی سے رخصت ہو گئے
چل دیئے سوئے عدم سالار جنگ
مٹگئی شان روسائے دکن
سب کی اب آنکھیں ہیں نم سالار جنگ
جاچکے کیا آپ ہی سب جا چکا
اب نہیں کچھ پیش و کم سالار جنگ
دیکھتی کیا وہ سماں آنکھ آپ کی
جبکہ جاگزیں ہوں غم سالار جنگ
آپ کے گھر سے ہزاروں گھر تھے
ڈھا گئے مرکر ستم سالار جنگ
رو رہاہے ایک زمانہ آپ کو
ہیں نہیں کچھ ایک ہم سالار جنگ
بادلِ گریاں لکھا عالؔی نے سال
رحلت گردوں ہم سالار جنگ

۱۳۶۸ھ - ۱۹۴۸ء

۳۲

سالار جنگ بے شمار غریبوں اور محتاجوں کی مدد کیا کرتے تھے حیدرآبادی عوام کے سچے رہنما و سرپرست تھے عالؔی نے اپنے اعلیٰ جذبات وخیالات کو الفاظ کے قالب میں ڈھال کر سالار جنگ کی شخصیت کو اس غزل میں بہترین خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

عالؔی وسیع النظری کے حامل تھے ان کے نزدیک مذہب سے زیادہ اقدار وانسانیت کی اہمیت تھی وہ کسی بھی مذہب کے مخالف نہیں تھے وسیع النظری کی وجہہ سے وہ ہر مذہب کی اچھائیوں اور نیک خیالات کو قبول کرتے تھے۔سکھوں کے رہبر ومقدس رہنما گرونانک کے اوصاف حمیدہ سے متاثر ہوکر نرسنگھ راج عالؔی نے ایک خوبصورت غزل تحریر کی ہے۔اس غزل میں انھوں نے گرونانک کی شخصیت پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اوراس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ کسی طرح گرونانک نے سماج سے ذات پات کے جھگڑوں کوختم کیااور کس طرح سچے راہب بن کرسماج میں ہدایت کی قندیل روشن کی اورلوگوں کونیک راہ پرگامزن کیا۔کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

آپ کا درجہ تو بالا ہے سری نانک گرو
اس سے بڑھ کر فیض والا ہے سری نانک گرو
آپ کی تلقین سے پہنچاہے بے حد فائدہ
آپ کا مسلک نرالا ہے سری نارنک گرو
گر رہی تھی قوم دریائے مذلت میں کبھی
آپ نے اس کو سنبھالا ہے سری نانک گرو
اور جو جھگڑے تھے سوء اتفاق ورنج کے
آپ ہی نے ان کو ٹالا ہے سری نانک گرو
معرفت کی مورتی تھے آپ بے شک ہند میں
آپ کا بس بول بالا ہے سری نانک گرو
اک اندھیرا چھاگیاتھا ہندوں کی قوم پر
آپ سے اب تک اجالا ہے سری نانک گرو
مثل مانک ہوگیا وہ تمہیں بھولا نہیں

منہ سے جب ''نانک'' نکالا ہے سری نانک گرو
آپ نے عرفان میں ڈھالا ہے سری نانک گرو
آپ ہی کے فیض کے چشمہ سے ہیں نو بادشاہ
نام نانک کی یہ مالا ہے سری نانک گرو
آپ کی توصیف کیا ہو عالؔی نا چیز سے
سب یہ فضل حق تعالیٰ ہے سری نانک گرو

۳۳

گرونانک نے اپنے عہد میں موجود سماجی برائیوں کو دور کر کے سماج میں انصاف و رواداری کو قائم کیا تھا ذات پات، امیری و غریبی کی لڑائیوں سے لوگوں کو آزاد کیا تھا عالؔی نے ان کی خدمات کو یاد کرتے ہوئے اس غزل میں انھیں فیضی کا چشمہ قرار دیا ہے۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی مہاراجہ کشن پرشاد سے بے حد متاثر تھے مہاراجہ کشن پرشاد سے بے حد متاثر تھے مہاراجہ شاؔد بھی علم و فن کے دلدادہ تھے فن و ہنر کی ہمیشہ سرپرستی کرتے۔ ان (عالؔی) کے اور مہاراجہ کے خاص مراسم تھے عالؔی اپنا زیادہ تر وقت شاؔد کی صحبت میں گذارتے تھے مہاراجہ کی وفات کے بعد بھی ان کی دیوڑھی میں بزمِ شاد کے عنوان سے مشاعروں کی محفلیں منعقد ہوتیں تھیں عالؔی ان محفلوں میں ہمیشہ شرکت کرتے اور شاد کی شخصیت اور اوصاف پر اپنے جذبات و خیالات کا اظہار نہایت دلکش انداز میں کیا کرتے۔ یوں تو ان کی کئی غزلوں میں مہاراجہ کشن پرشاد پر اشعار ملتے ہیں کیوں کہ ہمیشہ مہاراجہ کی فیاضی اور رواداری ان پر بنی رہتی تھی مہاراجہ کی شخصیت کے اسرار کا بیان عالؔی اس غزل میں اس طرح کرتے ہیں۔

کس طرف جاؤں میں قرار نہیں
مضطرب دل پہ اختیار نہیں
عشق میں کس کا حال، زار نہیں

مجھ کو کیا اس کو بھی قرار نہیں
کیا کریں خاطر جنوں اب ہم
جیب و دامن میں ایک تار نہیں
اس پہ آنسو بہائے سو بار
ہوش میں بھی جو ہوشیار نہیں
ہر نظر ایک سی نہیں ہوتی
ہوتا ہر کام بار بار نہیں
ہم نے دیکھا زمانہ پھر پھر کے
شاد سا کوئی بردبار نہیں
آکے جائے نہ پھر وہ گلشن سے
ایسی آتی کبھی بہار نہیں
مجھ کو دیوانگی پسند آئی
ہوش میں بھی کبھی قرار نہیں
جور کرتے ہیں اس ادا سے وہ
جو مرے دل کو ناگوار نہیں
رہے فصل خزاں بھی پیش نظر
آج کے دن ہے کل بہار نہیں
شکر عالی ہے اپنے مالک کا
زندگی میں کسی پہ بار نہیں

۳۴

اس طرح ایک اور غزل ملاحظہ فرمایئے جس میں انھوں نے مہاراجہ کشن پرشاد کی وفات اور ان سے جدائی کا ذکر بڑے دلنشیں انداز میں کیا ہے۔اس غزل میں عالؔی نے مہاراجہ کی یاد اور ان سے عقیدت و محبت کا برملا اظہار کیا ہے اور یہ غزل ''یادگار مشاعرہ حضرت شاد'' میں پڑھی گئی تھی ملاحظہ ہو۔

مجھے سکوں میں بھی ہر گز نہ کچھ قرار آیا
تڑپ گیا جسے دیکھا کہ بے قرار آیا
خلش بغیر کہاں موسمِ بہار آیا
چنے جو پھول تو پھولوں کے ساتھ خار آیا
پھر آج لب پہ میرے نام بار بار آیا
پھر آج تذکرۂ شاد ذی وقار آیا
دیا ہے داغ، جدائی کا خواجہ راجہ نے
یہ کیسا یومِ نحس یوم انتشار آیا
نہ پوچھو ایسے مسافر شکستہ دل کا حال
گیا جو لے کے قرار اور بے قرار آیا
خدا کا فضل ہے پیر مغاں کا صدقہ ہے
کہ میکدہ میں بھی میں جاکے ہوشیار آیا
لگی تھی در پہ نظر کچھ جواب لائے گا
مگر جو آیا بھی قاصد تو اشک بار آیا
لگا وہ تیر نظر ایک بار پھر ظالم
جو دل کو توڑ گیا اور جگر کے پار آیا

نہ پوچھو عشق کے متوالے کا کوئی مسکن
گیا راہا کہیں اور روز و شب گذار آیا
خدا کو اپنے تو کیا منہ دکھاے گا عالؔی
گیا تھا جیتنے بازی دہر ہار آیا

۳۵

عالؔی ''بزم شاد'' کے تمام یادگار مشاعروں میں شریک رہے اور اس بزم کی اپنی تمام غزلوں میں انھوں نے شاد سے دلی محبت کا اقرار کیا۔ بزم شاد سے ہٹ کر جو غزلیں ان کے یہاں ملتی ہیں اس میں بھی کہیں کہیں عالؔی مہاراجہ کی فراخ دلی اور عظمت کا اعتراف کرتے ہیں جس سے ان کی مہاراجہ سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے چند شعر ملاحظہ ہو۔

اور دھڑکن بڑھ گئی ہے اس دل ناشاد کی
یاد تازہ ہو گئی ہے پھر جناب شاد کی
درد دل میں اٹھ گیا ہے اشک جاری ہوگئے
یاد تازہ ہوگئی ہے پھر جناب شاد کی

۳۶

مہاراجہ کشن پرشاد کے علاوہ عالؔی کو حاکم وقت میر عثمان علی خاں بہادر سے بھی بڑی انسیت اور محبت تھی انھوں نے ان پر کئی غزلیں لکھ کر اس بات کا ثبوت دیا ہے عثمان علی بادشاہ کی سالگرہ کے موقع پر انھوں نے کئی غزلیں کہیں ان غزلوں میں قصیدے کا رنگ غالب ہے غزلوں میں انھوں نے جاذب اور پرکشش الفاظ کے استعمال سے ان غزلوں کو اور بھی پراثر بنا دیا ہے۔

رہیں محفوظ شہ یا رب بلا سے
مبارک سال ہو فضل خدا سے

تڑپ جاتا ہوں ذکر کر بلا سے

جہاں مارے گئے معصوم پیا سے

حسینوں کی طلب ہے ابتداء سے

بتوں کو مانگ لیں گے ہم خدا سے

انھیں فرصت کہاں مشق جفا سے

کوئی مرتا رہے ان کی بلا سے

وہ تنتے ہیں اکڑتے ہیں جفا سے

جھکا جاتا ہوں میں بار وفا سے

رکاوٹ ہوتی ہے شرم و حیا سے

خدا را باز آو اس ادا سے

تیری رحمت تیری بخشش کے بل پر

جو مجرم ہیں نہیں ڈرتے خطا سے

گیا تھا علم و فن اب یہ غضب ہے

حیا بھی جا رہی ہے ایشیاء سے

کہا اس نے جو دیکھی نعش عاشق

مسافر جاچکا ہے اس سرا سے

ہے کالی زلف تمہید شب وصل

دلِ ناداں نہ گھبراس بلا سے

تعصب سے خدا محفوظ رکھے

ہزاروں مرچکے ہیں اس وبا سے
مرا ممدوح ہے وہ شاہ عثمان
نظر بڑھ کر ہے اس کی کیمیا سے
وہ کرکے خون عاشق کہہ رہے ہیں
نرالی شرط تھی رنگ حنا سے
تجھے بھولوں میں کیوں کر اے غم عشق
دیا ہے ساتھ تو نے ابتداء سے
بڑے عمر اور دولت شہ کی عالؔی
ہزاروں جانثاروں کی دعا سے

۳۷

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے مذکورہ غزل میں قصیدہ کی ہیت کی طرح شاہ کی تعریف بھی کی ہے دعائیہ حصہ کو بھی بڑی خوبی کے ساتھ برتا ہے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو شاعری کا شغف تو بچپن ہی سے تھا اور ان کے والد باقؔی بھی بلند پایہ شاعر تھے شاعری سے انھیں فطری لگاؤ تھا ان کے اس لگاؤ کو فن کار کا نام دینے میں ان کے استاد محترم جلیل مانک پوری کا بہت بڑا حصہ رہا۔ نرسنگھ راج عالؔی کو اپنے استاد سے غیر معمولی محبت تھی وہ اپنے استاد کا بے حد احترام کرتے اور ان کے رتبہ اور عظمت و بڑائی کا ذکر اپنی غزلوں میں جگہ جگہ کرتے ہیں عالؔی کا یہ ماننا ہے کہ ان کو خدا نے بہترین قسمت اور بلند ستارہ سے نوازا ہے جس کی بدولت انھیں جلیل مانکپوری کی شفقت حاصل ہوئی۔ عالؔی کی نظر میں حیدرآباد شعر و سخن کو اور بلند مقام عطا کرنے میں جلیل مانکپوری کا بہت بڑا حصہ رہا ہے۔ ذیل میں ایسے اشعار پیش ہیں جس میں عالؔی نے جلیل مانکپوری سے عقیدت اور ان کے رتبہ اور مرتبہ کا بیان بڑی شاعرانہ مہارت و فنکاری سے کیا ہے۔

جلیل سا کوئی استاد ہے کہاں عالؔی
ملا ہے فیض یہ مجھ کو جلیل منزل سے

۳۸

اب تو عالؔی دل ہمارا اور بھی مغموم ہے
یاد میں بے چین ہیں ہم حضرت استاد کی

۳۹

فخرِ استاد تھے اور شاہ دکن تھے جانِ سخن
ان سے رونق تھی سخن کی بھی تھے وہ جان دکن

۴۰

تذکرہ جن کا ہمیشہ رہا فرمانوں میں
کیوں نہ ہو ذکر جلیلؔ آج سخن دانوں میں
شکر اس کا ہے کہ عالؔی پہ رہا فضلِ خدا
کوئی ارمان بھی باقی نہیں ارمانوں میں

۴۱

عالؔی نے اپنے استادمحترم جناب جلیل مانکپوری کی وفات کی تاریخ نکالی اوران کی وفات پربھی ایک غزل لکھی جس میں انھوں نے جلیل مانکپوری کو بہترین خراج عقیدت پیش کی اس غزل میں عالؔی نے اپنے استادکواستاد بے مثال،''شاعرفقیر''طوطی ملک،اہل نظر،اہل کمال جیسے القاب سے یادکیا ہے۔غزل کچھ اس طرح ہے۔

دنیا میں نیک لوگ ہی کچھ کام کر گئے
یوں تو ہبت سے آئے ہبت بے خبر گئے

اسفل ہیں اور اعلیٰ ہیں، راہیں جہاں کی دو
اکثر ادھر گئے ہیں، بہت کم ادھر گئے۔
صوفی وہی ہے جن کو ہے دائم خدا کی یاد
زندہ وہی ہیں نام خدا پر جو مرگئے
اضڑا ہوا ہے آج چمن شاعری کا حیف
استاد بے مثال جلیل اب کدھر گئے
ہم ڈھونڈتے ہیں آپ کو پاتے نہیں کہیں
دولت کدہ پہ آپ کے باچشم تر گئے
شاہ دکن ہو جن کا ثنا خوان خوشا نصیب
آئے رہے وہ شان سے باکرو فر گئے
اہل کمال، اہلِ نظر آپ سا کہاں
اردو کی شاعری میں نئی روح بھر گئے
عالؔی کہی ہے ہم نے یہ تاریخ حسب حال
شاعر فقیر، طوطیِ ملک اب گزر گئے

۱۳۵۵ف ۴۲ھ

عالؔی جلیل مانک پوری کے شاگرد ہیں لیکن ان کے غزلوں میں داؔغ دہلوی کا رنگ نمایاں ہے۔اس کی مثال ڈاکٹر زور نے اپنی کتاب مرقع سخن میں یوں دی ہے

''غزلیات میں بعض بعض جگہ حضرت داؔغ کا رنگ نامایاں ہے۔اس غزل پر غور کیجئے۔زبان کی شوخی اور مضمون کی ندرت داد طلب کرتی ہے۔

غزل:

کون ہمدرد ہو پھر جب نہ ہو اپنا اپنا
غیر ممکن ہے کہ ہو جائے پرایا اپنا
سر بھی سودائے محبت میں دیا جان بھی دی
کس گرانی سے ہوا دیکھئے سودا اپنا
اسنے ٹھکراکے مری لاش کو نخوت سے کہا
کیا ہوا اکِ نہ رہا چاہنے والا اپنا
وہ گھڑی کیسی مبارک تھی خدا پھر لائے
روٹھنا انکاشبِ وصل منانا اپنا
یاد میں کس کی ہوا حال یہ تیرا عالؔی!
گم ہوا یوں کہ پتہ آپ نہ پایا اپنا

۴۳

اس طرح راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے معزز اور معتبر شخصیتوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اردو غزل کو بہترین شخصی غزلیں ہیں جو اردو غزل کے لئے خوبصورت سرمایہ ہے۔

حواشی

۱ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، حیدرآباد، ۲۰۰۸، ص: ۳۷

۲ حیدرآبادی شعرا، جلال الدین اکبر، حیدرآباد، ۲۰۰۹، ص: ۹۶

۳ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، حیدرآباد، ۲۰۰۸، ص: ۵۴)

۴ دیوانِ عالی، ص: ۵۵

۵ دیوانِ عالی، ص: ۵۶

۶ دیوانِ عالی، ص: ۶۷

۷ دیوانِ عالی، ص: ۶۶

۸ دیوانِ عالی، ص: ۷۳

۹ دیوانِ عالی، ص: ۷۸

۱۰ دیوانِ عالی، ص: ۷۰

۱۱ دیوانِ عالی، ص ۶۶

۱۲ دیوانِ عالی، ص ۶۷

۱۳ دیوانِ عالی، ص ۷۱

۱۴ دیوانِ عالی، ص ۸۴

۱۵ حیدرآبادی شعرا، جلال الدین اکبر، حیدرآباد، ۲۰۰۹، ص ۹۶

۱۶ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، حیدرآباد، ۲۰۰۸، ص ۳۶

۱۷ دیوانِ عالی، ص ۷۷

۱۸ دیوانِ عالی، ص ۳۴

۱۹ دیوانِ عالی،ص۴۴

۲۰ دیوانِ عالی،ص۵۷

۲۱ دیوانِ عالی،ص۹۹

۲۲ دیوانِ عالی،ص۶۴

۲۳ دیوانِ عالی،ص۵۱

۲۴ دیوانِ عالی،ص۴۶

۲۵ دیوانِ عالی،ص۴۰

۲۶ دیوانِ عالی،ص۳۵

۲۷ دیوانِ عالی،ص۳۹

۲۸ دیوانِ عالی،ص۳۸

۲۹ دیوانِ عالی،ص۴۳

۳۰ دیوانِ عالی،ص۵۳

۳۱ دیوانِ عالی،ص۴۷

۳۲ دیوانِ عالی،ص۵۰

۳۳ دیوانِ عالی،ص۵۲

۳۴ حیدرآبادی شعرا،ص۱۰۴

۳۵ دیوانِ عالی،ص۴۳

۳۶ دیوانِ عالی،ص۷۸۔۷۹

۳۷ دیوانِ عالی،ص۸۵

۳۸ دیوانِ عالی،ص۸۹

۳۹ دیوانِ عالی،ص۸۷

۴۰ دیوانِ عالی،ص

۴۱ دیوانِ عالی،ص۶۳

۴۲ دیوانِ عالی،ص۱۳۴

۴۳ محی الدین قادری، زور، مرقع سخن، جلد دوم،ص:۲۹۶

☆☆☆

بابِ سوّم

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی قصیدہ گوئی

قصیدہ ایک قدیم صنف سخن ہے جو عربی زبان سے فارسی اور فارسی سے اردو ادب میں داخل ہوا قصیدہ عربی زبان سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی ''مغز غلیظ وسبطر سبیر (دل دار گودا) کے ہیں۔ اصطلاح میں قصیدہ اس نظم کو کہتے ہیں جس میں مدح یا ذم، نصیحت و حکایت اور شکایت وغیرہ کا بیان مخصوص ہیت کے تحت ہوتا ہے۔ قصیدہ کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لفظ قصیدہ قصد سے نکلا ہے جس کے معنی ارادے کے ہیں چوں کہ شاعر اس میں کسی کی ہجو یا مدح کا ارادہ کرتا ہے۔ نجم الغنی نے قصیدے کے لغوی معنی گودا یا گاڑھے مغز کے بتائے ہیں۔ شمیم احمد قصیدہ کو مغز سخن قرار دیتے ہوئے اپنے مضمون قصیدے کے فن میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''قصیدہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں'' گاڑھا مغز'' اس صنف سخن پر اس لفظ کا اطلاق اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ یہ اپنے نادر و بلند اور پرشکوہ مضامین کی وجہ سے تمام اصنافِ سخن میں فوقیت رکھتی ہے۔ اس لیے اسے اصناف سخن میں وہی حیثیت حاصل ہے جو انسانی جسم میں مغز سر کو حاصل ہوتی ہے۔ لہذا اسے مغز سخن تصور کر کے قصیدہ کا نام دیا گیا ہے۔ لفظ قصیدہ کی ایک توجیہہ یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ لفظ، لفظ ''قصد'' سے مشتق ہے اور شاعر جب کسی کی مدح یا ذم کے اشعار کہنا ہے تو اس کے قصد وارارے کو دخل ہوتا ہے۔'' [1]

لہذا قصیدے میں شاعر قصد یا ارادہ کرتا ہے جس کی وجہہ سے بعض ناقدین قصیدے میں دیگر شرائط کے علاوہ ارادے کو بھی نمایاں اہمیت دیتے ہیں۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر اردو قصیدے کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے قصیدے میں موضوع اور ہئیت کو لازمی عنصر قرار دیتی ہیں:

> ''اردو ادب میں قصیدہ اصطلاحاً اس مسلسل نظم کا نام ہے جس کے مطلع

یا پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ وہم ردیف ہوں اور اس کے
بعد کے تمام اشعار کے مصرعے ثانی کا ہم ردیف ہونا ضروری ہے۔
ہئیت کی ان خصوصیات کے تعین کے علاوہ موضوع کے بارے میں یہ
خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ اس میں شاعر مدح یا ذم یا کسی اور مضمون کو
پیش کرسکتا ہے اردو قصیدے نے ہئیت کا یہ انداز عربی شاعری سے اپنا
یا ہے۔۔۔۔قصیدے کی صنفی شناخت کے لیے موضوع اور ہئیت
دونوں کو ابتداء ہی سے اہمیت کا حامل تصور کیا گیا ہے۔'' ۲

چوں کہ قصیدہ مدح، ذم، شکایت، حکایت وغیرہ کے تحت لکھا جاتا ہے اس لیے اس کی مخصوص ہئیت ہوتی ہے۔قصیدے کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ وہم ردیف ہوتے ہیں۔ تمام قصیدہ مربوط اور مسلسل ہوتا ہے اکثر طویل قصیدوں میں چار یا پانچ مطلعوں کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔اگر قصیدے میں دو مطلعوں کا استعمال کیا جائے تو ایسا قصیدہ اصطلاح میں ذو مطلعین کہلاتا ہے جبکہ دو سے زیادہ مطلعوں والا قصیدے کے اشعار کی تعداد سے مختلف رائے قائم کرتے ہیں۔امداد امام اثر نے کاشف الحقائق میں ایک اچھے قصیدے کے اشعار کی تعداد ۲۱ بتائی ہے۔لیکن اردو ادب میں سو سے زائد اشعار پر مبنی قصائد بھی ملتے ہیں۔ڈاکٹر ابو محمد سحر اپنی کتاب ''اردو میں قصیدہ نگاری'' میں قصیدے کے اشعار کی تعداد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قصیدے میں اشعار کی کم سے کم تعداد کسی نے سات کسی نے بارہ
کسی نے پندرہ کسی نے اکیس اور کسی نے پچیس بتائی ہے۔زیادہ سے
زیادہ اشعار کے لیے عام خیال یہ ہے کہ کوئی حد نہیں لیکن بعض اہل قلم
نے زیادہ سے زیادہ اشعار کی تعداد ایک سو بیس اور ایک سو ستر لکھی
ہے۔ بالعموم پانچ سے لے کر دو سو اشعار تک کے قصائد ملتے
ہیں۔'' ۳

یعنی کہ قصیدے میں اشعار کی تعداد کی کوئی حد نہیں ہے لیکن اکثر ناقدین کم سے کم زیادہ سے زیادہ

پانچ اور اسّی اشعار کو مناسب خیال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر محمود الٰہی اپنے مقالے ''اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ'' میں رقم طراز ہیں:

> ''قصیدہ شعر کی ایک عروضی ترکیب کا نام ہے، جس میں مطلع ہوتا ہے اور ہر شعر کا آخری مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے۔ اس کے کم سے کم اشعار کی ایک حد مقرر ہے اردو میں کسی ایک حد کی پابندی نہیں کی گئی ہے۔ لیکن جمہور شعراء کے کلام کے تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ اردو قصیدے کم سے کم ۲۱ شعر کے ہوتے ہیں۔''[۴]

لہذا اردو قصائد کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں اشعار کی تعداد میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ موضوع کی مناسبت سے شعراء اپنی بلند خیالی سے اشعار قلمبند کرتے ہیں۔ اردو قصائد میں بندھے ٹکے فارمولے کے تحت اشعار کی تعداد مقرر نہیں ہے۔ مختلف شعراء کے یہاں اشعار کی تعداد مختلف ملتی ہے قدیم زمانے میں دوسو، تین سو اشعار کے بھی قصائد لکھے جاتے تھے۔

ہئیت کے اعتبار سے قصیدے کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ تمہیدیہ، ۲۔ خطابیہ۔ تمہیدیہ قصیدہ سے مراد ایسا قصیدہ جس میں ممدوح کی تعریف و توصیف بیان کرنے سے پہلے شاعر تمہید پیش کرتا ہے یعنی تشبیب، گریز وغیرہ سے قصیدہ کا آغاز کرتا ہے۔ قصیدہ کے آغاز سے قبل اس سے متعلق دیگر تفصیلات درج کرتا ہے۔ تمہیدیہ قصیدہ کی تعریف شمیم احمد اس طرح کرتے ہیں:

> تمہدیہ وہ قصیدہ ہے جس میں ممدوح کی سیرت کے اوصاف اور اس کے ساز و سامان اور دیگر متعلقات کی تعریف و توصیف سے قبل بطور تمہید تشبیب اور گریز اور بعد مدح و دعا خاص ترکیبی عناصر کا درجہ رکھتے ہیں۔''[۵]

تمہیدیہ قصیدے میں گریز، تشبیب اور دیگر اجزائے ترکیبی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ شاعر ممدوح کے اوصاف حمیدیہ کا بیان کرنے سے قبل موسم کا حال، دربار کی تعریف یا پھر دعائیہ اشعار قلمبند کرتا ہے اور خاص

تمہید باندھتا ہوا قصیدے کے اہم پہلو کا رخ کرتا ہے۔

خطابیہ قصیدہ میں شاعر راست طور پر ممدوح کی تعریف کرتا ہے وہ تمہید کا استعمال نہیں کرتا۔ بلکہ وہ رسمی تمہید اور دیگر تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے سیدھے سیدھے ممدوح کی تعریف و توصیف بیان کرتا ہے۔لیکن اردو ادب میں خطابیہ قصیدہ کی تعداد کم ملتی ہے۔ڈاکٹر گیان چند جین خطابیہ قصیدے کی وضاحت کرتے ہوئے ''ادبی اصناف'' میں لکھتے ہیں کہ

> ''خطابیہ قصیدے میں تمہید ناپید ہوتی ہے اور شاعر ابتدائی اشعار ہی سے اپنے ممدوح کی ستائش اور توصیف کرنے لگتا ہے۔ایسے قصائد کی تعداد نسبتاً کم ہے اور فنی نقطہ نظر سے تشبیب کے بغیر مدح کو مستحسن تصور نہیں کیا جاتا۔'' ۶

اردو ادب میں خطابیہ اور تمہیدیہ دونوں ہی قصائد کا رواج ہے لیکن خطابیہ قصیدے کے مقابل تمہیدیہ قصیدے پر زیادہ توجہ مرکوز کی گئی تھی چوں کہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ ایشیاء میں ایک خاص عہد تک بادشاہوں کا حکومت رہی ہے شاعر جو دربار سے وابستہ ہوا کرتے تھے اور اکثر شعراء دربار تک رسائی حاصل کرنا چاہتے تھے اسی وجہہ سے اکثر شاعروں نے خوبصورت اور برمحل تمہید کا استعمال کرتے ہوئے بہترین تمہیدیہ قصیدے قلمبند کئے ہیں۔

موضوع کے لحاظ سے قصیدے کئی قسم کے ہوتے ہیں لیکن دو قسم کے موضوعاتی قصائد کو کافی اہمیت حاصل ہے۔۱۔مدحیہ،۲۔ہجویہ،ان دو موضوعاتی قصائد کے علاوہ وعظیہ، بیانیہ، بہاریہ، حالیہ،فخریہ،قصائد بھی اردو ادب میں تحریر کئے گئے ہیں۔لیکن ان سب میں مدحیہ قصیدوں کی تعداد زیادہ ہے۔مدحیہ قصیدہ یعنی ایسا قصیدہ جس میں کسی کی تعریف کی جائے۔اکثر درباری شعراء مدحیہ قصائد لکھا کرتے تھے تاکہ وہ بادشاہِ وقت کو خوش کر سکے مدحیہ قصیدے میں عمدہ اور اعلیٰ سطحی الفاظ، معیاری زبان، اور فنی چابکدستی سے کام لیا جاتا ہے۔تاکہ قصیدہ جس کی شان میں لکھا گیا ہے وہ اس کو پڑھ کر محظوظ ہو۔

ہجویہ قصیدہ یعنی ایسا قصیدہ جس میں کسی شخص یا کسی چیز کی برائی کی گئی ہو۔یا پھر زمانے کے کسی

خاص مسئلہ کا مذاق اڑایا گیا ہو۔ ہجو یہ قصیدے کی بہترین مثال تضحیک روزگار ہے جس میں مرزا رفیع سوداؔ نے اپنے عہد کی زبوں حالی کا بیان بڑی عمدگی سے کیا ہے۔

وعظیہ قصیدہ یعنی ایسا قصیدہ جس میں پند و نصائح کے مضامین قلمبند کئے گئے ہوں ایسے قصائد میں شاعر کسی اہم مسئلہ یا کسی فن سے متعلق معلومات فراہم کرتے ہوئے وعظانہ انداز میں اشعار پیش کرتا ہے۔ اس ضمن میں سوداؔ کا قصیدہ ''در نصائح فن شعر'' بہترین مثال ہے اس وعظیہ قصیدہ میں سوداؔ نے اپنے استاد کی زبانی فن شعر سے متعلق تفصیلات بیان کی ہیں۔

بیانیہ قصیدہ یعنی ایسا قصیدہ جس میں شاعر کئی موضوعات پر بیانیہ انداز میں اشعار تخلیق کرتا ہے۔ بیانیہ قصیدہ میں شاعر تفصیلی طور پر کسی موضوع پر اشعار قلمبند کرتا ہے جیسے موسم بہار کا ذکر آتا ہے تو شاعر اس پر تفصیلی گفتگو کرتا ہے بیانیہ قصیدے میں موضوعاتی تنوع ہوتا ہے بیانیہ قصیدے کی وضاحت جناب شمیم احمد اس طرح کرتے ہیں:

> ''بیانیہ قصیدہ جو مختلف النوع کیفیات اور رنگا رنگ اور نوع بہ نوع مضامین و موضوعات پر مبنی ہو۔ مثلاً جس میں بہار کا تفصیلی نقشہ کھینچا گیا ہو۔ عصری حالات و واقعات کا تذکرہ ہو زمانے کے مصائب و آلام کا ذکر بہ طرز شہر آشوب ہو۔ اس قسم کے قصیدے میں موضوعاتی تنوع کی بے حد گنجائش ہے۔'' [۷]

بیانیہ قصیدہ میں موضوعات کا تنوع ہوتا ہے شاعر اس میں مختلف موضوعات کا استعمال کرتے ہوئے اپنی بات پیش کرتا ہے۔ مدحیہ قصائد میں شاعر مختلف اجزائے ترکیبی کا استعمال کرتا ہے۔ جیسے تشبیب میں اکثر شاعر تمہید باندھتا ہے۔ اور تمہید میں مختلف مضامین پیش کرتا ہے تشبیب کے ان حصوں کی بناء پر بھی قصیدے کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ جیسے اگر شاعر تشبیب میں موسم بہار کا بیان کرتا ہے تو یہ بہاریہ قصیدہ کہلائے گا۔ اسی طرح اگر تشبیب میں عشقیہ موضوعات کا بیان کرتا ہے تو تشبیب کی بناء پر یہ قصیدہ عشقیہ قصیدہ کہلائے گا۔ شاعر اگر تشبیب میں اپنے احوال بیان کرتا ہے تو ایسا قصیدہ حالیہ قصیدہ کہلاتا ہے۔ اگر شاعر قصیدہ کی تشبیب میں اپنی

سخن وری کی تعریف کرئے، اپنی دانشوری اور ہنرمندی کی وضاحت کرے یا پھر اپنے کسی کمال یا اوصاف حمیدیہ کا بیان کرئے تو ایسا قصیدہ فخریہ قصیدہ کہلائے گا یعنی کہ فخریہ قصیدے میں شاعر اپنی تعالی بیان کرتا ہے۔ اکثر شاعر قصیدے کی ابتداء دعائیہ اشعار سے کرتے ہیں اس قسم کے قصائد میں تشبیب نہیں ہوتی بلکہ شاعر راست طور پر دعائیہ انداز میں قصیدے کی ابتداء کرتا ہے۔اس طرح کا قصیدہ دعائیہ قصیدہ کہلاتا ہے۔

قصیدہ ایک مخصوص ہئیت کے تحت لکھا جاتا ہے۔اکثر مدحیہ قصیدے میں مخصوص اجزائے ترکیبی کا استعمال کیا جاتا ہے۔قصیدے کے اجزائے ترکیبی چار ہیں۔(۱) تشبیب، (۲) گریز، (۳) مدح، (۴) مدعا/ مقصد

تشبیب قصیدے کا پہلا حصہ ہوتا ہے۔تشبیب میں شاعر تمہیدی اشعار قلمبند کرتا ہے۔قصیدہ چوں کہ عربی شاعری کی صنف ہے اس لیے عربی قصائد میں تشبیب کے حصہ میں شاعر اکثر موسم بہار کا ذکر کرتا تھا یا پھر عشقیہ موضوعات بھی قلمبند کرتا تھا اس کے برعکس اردو شاعری میں تشبیب کا حصہ بطور تمہید استعمال کیا جاتا ہے اور اس میں نا صرف عشقیہ مضامین بلکہ ہر قسم کے موضوعات کو برتا جاتا ہے یعنی کے شاعر تشبیب کے حصے میں کبھی موسمِ بہار کا ذکر کرتا ہے کبھی دنیا کی بے ثباتی کا بیان کرتا ہے تو کبھی اخلاقی موضوعات بھی بیان کرتا ہے۔قصیدے میں تشبیب کا استعمال اس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ شاعر اکثر قصیدے کے ذریعہ ممدوح کو متوجہ کرنا چاہتا ہے تا کہ ممدوح متوجہ ہو اور اسے انعام واکرام سے نوازے اس لیے شاعر ممدوح کے دل میں جگہ بنانے اور اس کے جذبے ہمدردی کو جگانے کی خاطر تشبیب میں مختلف موضوعات کا استعمال کرتا ہے تشبیب میں شاعر ممدوح کے مرتبے اور رتبہ کا خاص خیال رکھتا ہے چوں کہ اگر تشبیب کا حصہ ممدوح سے میل نہ کھائے تو قصیدے کا توازن بگڑ جائے گا اور قصیدہ لطف سے محروم ہو جائے گا لہذا تشبیب میں شاعر ممدوح کے مذاق (ذوق) اور اس کے فطری رجحان کا خاص خیال رکھتا ہے۔اس ضمن میں پروفیسر سیدہ جعفر لکھتی ہیں:

> ''جو مضامین تشبیب میں پیش کئے جارہے ہوں وہ ممدوح کے شخصی
> ذوق اس کے مرتبے اور سماجی حیثیت سے مناسبت رکھتے ہوں اور

مدوح کے رتبے سے ہم آہنگ ہوں فنی اعتبار سے اس کی یہ وجہ بتائی
گئی ہے کہ تشبیب کے اشعار اگر ممدوح کے رتبے سے میل نہ کھاتے
ہوں تو گریز کے بعد مدح کے اشعار سے یہ ہم آمیز نہ ہوسکیں گے اور
تشبیب کا پلہ سبک اور مدح کا گراں ہو جائے گا جس سے قصیدے کا
توازن بگڑ جائے گا اور قصیدہ ایسے انمل اجزاء کا مجموعہ بن کے رہ
جائے گا جن میں کوئی تناسب نہ ہو۔ اگر قصیدہ معنوی تضاد کا شکار
ہو جائے تو غیر موثر ثابت ہوگا۔'' ۸

یعنی کہ تشبیب میں شاعر کو ممدوح کے ذوق کا اور اس کے رتبے کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ورنہ قصیدہ فنی اعتبار سے بھی کمزور ہوگا اور غیر موثر ثابت ہوگا۔ تشبیب میں شاعر کو فنی چابکدستی سے کام لینا ہوتا ہے تشبیب میں موضوعات کی وسعت اور ہمہ گیری بھی ہوتی ہے۔ شاعر کو اس بات کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ تشبیب میں بے ربطگی نہ ہو تشبیب کے مضامین کا ربط گریز سے ہوتا چاہیے ورنہ قصیدے کا تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ غرض یہ کہ قصیدے کے اجزاء میں تشبیب ایک اہم جز ہے جو قصیدے کے لطف و معنی خیز بناتا ہے۔

قصیدے کا دوسرا جز گریز ہے۔ یہ تشبیب اور مدح میں رابطے کا کام کرتا ہے۔ تشبیب کے بعد شاعر چند اشعار ایسے قلمبند کرتا ہے جو قصیدے کو آگے بڑھاتے ہیں۔ تشبیب میں شاعر تمہیدی اشعار رقم کرتا ہے اور مدح میں شاعر کو ممدوح کی تعریف کرنی ہوتی ہے چوں کہ دونوں کے مختلف موضوعات ہوتے ہیں اس لیے شاعر گریز کے ذریعہ دونوں حصوں کو جوڑتا ہے۔ یعنی کہ گریز تشبیب اور مدح کو ملانے والی کڑی ہے۔ گریز کے اشعار کی تعداد کم ہوتی ہے لیکن شاعر کو اس میں بڑی فنکارانہ صلاحیت سے کام لینا پڑتا ہے۔ شمیم احمد گریز کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

''گریز۔۔۔ یہ قصیدے میں تشبیب اور مدح کے درمیان ایک منطقی
رابطے کی کڑی ہے تشبیب سے گریز کر کے شاعر مدح پر آتا ہے لیکن
اس طرح کہ یہ محسوس ہو جیسے بات میں سے بات نکل آئی ہے۔
تشبیب اور مدح بہ لحاظِ موضوع مختلف چیزیں ہیں لیکن قصیدہ گو کا کمال

تو یہی ہے کہ وہ ان دو مختلف الخیال چیزوں کے درمیان کس طرح
منطقی اور بامعنی رابطہ قائم کرتا ہے۔ اصطلاح میں ''گریز'' کو دو سرکش
بیلوں کو ایک جوے میں جوتنے کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ
یہ بڑی مہارت کی بات ہے۔ گریز کا عنصر قصیدے کے دیگر اجزاء
کے بہ مقابلہ مختصر ہوتا ہے۔'' ۹

غرض یہ کہ گریز تشبیب اور مدح کو جوڑنے والی کڑی ہے گریز کے اشعار قلمبند کرتے وقت شاعر کو بڑی فنکارانہ مہارت سے کام لینا پڑتا ہے اور اس طرح گریز کا حصہ قلمبند کرتا ہے کہ گویا بات میں سے بات نکالی جائے کیوں گریز کے بعد قصیدے کا اہم عنصر (جز) مدح کا آغاز ہوتا ہے۔

گریز کے بعد قصیدے کا تیسرا جز ''مدح'' ہے یہ قصیدے کا اہم عنصر اس میں شاعر ممدوح کے اوصافِ حمیدہ کا بیان بڑے دلنشیں اور خوبصورت انداز میں اس طرح کرتا ہے کہ ممدوح اس سے متاثر ہو جاتا ہے۔ شاعر مدح کے ذریعہ ایک سحر آفریں فضاء قائم کرتا ہے اسی کے ذریعہ شاعر تمام قصیدے کو معنی خیز اور موثر بناتا ہے۔ اس میں ممدوح کی مکمل شخصیت کا جائزہ فنی مہارت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ ممدوح کے اوصاف کا بیان کرتے ہوئے قصیدے میں اکثر شاعر مبالغہ آرائی سے بھی کام لیتے ہیں۔ لیکن مدح میں شاعر کو برجستہ اور ممدوح کی شخصیت کو ذہن میں رکھ کر الفاظ کا استعمال کرنا ہوتا ہے اگر تعریف کتنی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو الفاظ اگر نرم و ملائم یا پھر سطحی ہوں تو قصیدہ کا معیار گھٹ جاتا ہے۔ مدح کے عنصر میں شاعر نہ صرف ممدوح کی شخصیت سے متعلق بلکہ اس سے جڑی تمام تر چیزوں اور اس کی قدرت کا بیان بھی کرتا ہے مثلاً اگر شاعر کسی بادشاہ کی شان میں قصیدہ تحریر کر رہا ہو تو وہ مدح کے عنصر میں بادشاہ کی سیرت، شخصیت، اوصاف، صورت و شکل، کے علاوہ درباری رونق، بادشاہ کا رعب و دبدبہ، بادشاہ کی ہمدردی، اس کے تخت اور محل کی شان و شوکت کا بھی بیان کرتا ہے۔ ممدوح کی تعریف کرنے میں اور قصیدے کو موثر بنانے میں شاعر بہترین تشبیہات، استعارات اور بلند آہنگ الفاظ کی بھی مدد لیتا ہے تاکہ قصیدہ ممدوح کو متاثر کر سکے اور پڑھنے والے کے سامنے ممدوح کا نقش صاف اجاگر ہو قصیدے کے اہم عنصر ''مدح'' کی تعریف کرتے ہوئے اس

کی خصوصیت کا بیان پروفیسر سیدہ جعفر اس طرح کرتی ہیں:

''مدح میں شاعر اپنے ممدوح کی ستائش کرتے ہوئے اگر اپنے تخیل کو مہمیز نہ کر سکے تو وہ مدح سرائی کا حق پوری طرح ادا نہیں کر سکے گا۔ مبالغہ آرائی، رفعت تخیل، اور شوکت بیان قصیدے کا جزو بن کر ہمارے سامنے آتے ہیں شاعر کو مدح میں اپنے بیانات اور محاکموں کو تقویت عطا کرنے اور ان میں زور و اثر آفرینی پیدا کرنے کے لیے موزوں تشبیہات و استعارات، پر شکوہ الفاظ بلند آہنگ لفظوں اور طسطہ خیز اظہار کے وسیلوں سے مدد لینی پڑتی ہے قصیدے کے مزاج کا فنی تقاضہ یہ ہے کہ شاعر کا لب و لہجہ گرجدار مرعوب اور بلند آہنگ ہوتا کہ ممدوح کی عظمت کا نقش قاری کے ذہن پر مثبت ہو جائے۔'' [۱۰]

قصیدے میں شاعر کو ممدوح کی شخصیت ذہن میں رکھ کر اس کی شایان شان بلند آہنگ، گرجدار و مرعوب الفاظ کا استعمال کرنا ہوتا ہے۔ اگر مدح میں شاعر لفظوں کا سحر قائم کرنے میں ناکام رہا تو قصیدے میں جھول پیدا ہو جائے گا اور قصیدہ بے اثر ہو کر رہ جائے گا۔ مدح میں شاعر کو اعلیٰ سطحی، پر اثر، معیاری، تخیل آفریں زبان کا استعمال کرنا چاہیے تا کہ قصیدہ ممدوح کے ساتھ ساتھ قاری کو بھی متاثر کرے۔

قصیدہ کا آخری جز ''مدعا'' ہے۔ مدح میں ممدوح کے اوصاف و شخصیت اور اس کے رحم و کرم و ہمدردی کا بیان کرنے کے بعد شاعر آخر میں اپنے مقصد کا بیان کرتا ہے جو مدعا کہلاتا ہے قصیدے اکثر بادشاہوں سے متعلق ہوا کرتے تھے اور شاعر بادشاہ کے حضور میں اپنی غرض و مقصد کو بیان کرنے کے لیے بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے قصیدے تحریر کیا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ اکثر درباری قصیدوں میں مدعا کا حصہ بھی کافی قوی ہے۔ شاعر اپنا مدعا بیان کرنے کے بعد ممدوح کے حق میں اسکے رشتہ داروں، دوستوں، اس کی حکمرانی کی تعریف و دعا دیتے ہوئے اپنی بات ختم کرتا ہے۔ اکثر شعراء مدعا میں اپنے حالات و احوال کا بھی بیان کرتے ہیں اور بادشاہ کے مزاج کو ذہن میں رکھ کر اسے اس کے رحم و کرم کی یاد دلاتے ہوئے اپنا مدعا/ مقصد کی تکمیل کی خواہش کرتے ہیں۔ پروفیسر سیدہ جعفر قصیدہ کے جز مدعا سے متعلق لکھتی ہیں:

''مدح کے بعد شاعر اپنے احوال پر روشنی ڈالتا ہے اور اپنے ممدوح سے عرض مدعا کرتا ہے اور سب سے آخر میں ممدوح اور اس کے رشتہ داروں، اقربا یا دوستوں کو دعا یا دشمنوں اور مخالفین کو بددعا دے کر قصیدہ ختم کرتا ہے۔ قصیدے کے اس جزو کو عرض حال، حسن طلب اور دعا سے موسوم کیا گیا ہے۔ حسن طلب میں قصیدہ نگار ممدوح سے اپنے مطلب براری کی استدعا کرتا ہے۔ یہاں ممدوح کی نفسیات کو پیش رکھتے ہوئے اس اندازے عرض مدعا کرتا ہے کہ اس کی نازک مزاجی پر شاعر کی سمیع خراشی گراں نہ گزرے اور قصیدہ نگار اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو۔'' [11]

غرض یہ کہ شاعر مدعا یا حسن طلب کے ذریعہ بادشاہ سے اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کی خواہش کرتا ہے اس خواہش اور اغراض بیان کرتے وقت اسے بادشاہ کے مزاج و شخصیت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ بادشاہ کو اس کا مدعا گراں نہ گذرے۔

قصیدہ میں شاعر فنکارانہ مہارت، انوکھی تشبیہات، اچھوتے استعارات، نادر علامتوں کا استعمال کرتے ہوئے ممدوح کی شخصیت کا بیان کرتا ہے تاکہ اسے انعام و اکرام سے نوازا جائے یا پھر حکمراں یا ممدوح اس سے متاثر ہو سکے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ درباروں اور بادشاہت کے خاتمے کے بعد قصیدے کی صنف ترقی کے منازل طئے نہیں کر سکی البتہ بزرگان دین کی شان میں آج بھی قصائد رقم کئے جاتے ہیں لیکن ابتدائی دور کے قصائد سے مختلف ہوتے ہیں قصیدے کے فن میں ٹھیراؤ کا بیان کرتے ہوئے پروفیسر سیدہ جعفر لکھتی ہیں:

''درباروں کے خاتمے اور بادشاہت کے نسیت نابود ہونے کی وجہ سے قصیدے کے فن میں ٹھیراؤ پیدا ہو گیا ہے قصیدے بالعموم انعام و اکرام اور داد و دہش سے مستفید ہونے کے مقصد کے تحت لکھے جاتے تھے ان کا مبداء اور مرکز صفحہ ہستی سے ناپید ہونے لگا تو اس فن کی قدر

دانی پر زوال آ گیا اور شعراء کی توجہ اس صنف سے ہٹنے لگی۔ دور
حاضر میں بزرگان دین کی شان میں قصیدے لکھے جا رہے ہیں اور
اس طرح یہ صنف اردو ادب کے افق سے پوری طرح غائب نہیں
ہوئی ہے۔'' ۱۲

بہر کیف قصیدہ اردو ادب کی ایک اہم ترین صنف ہے لیکن یہ صنف درباروں اور بادشاہت کے خاتمے کے بعد زوال پذیر ہوگئی لیکن عصر حاضر میں بزرگان دین کی شان میں قصائد تحریر کئے جا رہے ہیں۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی عہد عثمانیہ کے نمایاں شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں وہ اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں کے دربار میں پیش کار کے فرائض انجام دیا کرتے تھے چوں کہ ان کے والد اور دادا بھی اسی دربار سے وابستہ تھے یہی وجہ تھی کہ عالؔی کو دربار سے گہرا اور جذباتی لگاؤ تھا۔ خود عثمان علی بادشاہ بھی راجہ نرسنگھ راج عالؔی سے بے حد متاثر تھے عرصہ دراز سے کائستھ طبقے نے شاہی خدمات انجام دیں تھی اعلیٰ حضرت کو نہ صرف اس خاندان سے لگاؤ تھا بلکہ وہ ان پر پورا بھروسہ اور اعتماد بھی کرتے تھے اکثر مہمانوں کی خاطر تواضع اور دیکھ دیکھ کی ذمہ داری بھی عالؔی کو سونپی جاتی تھی غرض یہ کہ راجہ نرسنگھ عالؔی اپنے خاندانی خدمات اور اعلیٰ اوصاف کی وجہ سے اعلیٰ حضرت کے بہت قریب تھے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے جہاں بہترین روایتی طرز کی غزلیں لکھیں وہیں انھوں نے اعلیٰ و معیاری قصائد بھی لکھے ہیں۔ ان کے مجموعہ ''دیوان عالؔی'' میں تین قصائد ملتے ہیں۔ جبکہ ان کے پوتے نارائن راج کے مطابق نرسنگھ راج عالؔی نے کئی قصائد تحریر کئے تھے ان کو درباروں اور مشاعروں میں پیش بھی کیا گیا تھا لیکن وہ طباعت سے محروم اور ناپید ہیں۔ کیونکہ نرسنگھ راج عالؔی کو طباعت اور شہرت میں کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ محض اپنے خیالات اور احساسات کو بیان کر کے محظوظ ہونا جانتے تھے اسی لیے وہ کلام پیش کرنے کے بعد اسے محفوظ نہیں رکھتے تھے۔ لہذا ان کا زیادہ تر کلام ناپید ہے جہاں تک قصائد کا تعلق ہے ان کے مجموعہ میں صرف تین قصیدے ملتے ہیں۔ پہلا قصیدہ اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں کی مدح میں تحریر کیا گیا ہے۔ اسے کوئی عنوان یا نام نہیں دیا گیا ہے محض حاشیہ میں ''اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں کی مدح میں'' لکھا گیا ہے۔ یہ

قصیدہ بہت مختصر ہے اس میں اشعار کی تعداد ۱۰ ہے لیکن اس میں ہئیت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ عالؔی نے اس میں قصیدے کے اجزائے ترکیبی کو بڑی خوبصورتی اور فنی مہارت کے ساتھ برتا ہے۔ مدح کے بجائے خطابیہ قصیدہ کا طرز اختیار کیا گیا ہے۔ عالی نے اس قصیدے میں اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں کے اوصاف حمیدہ اور ان کی شخصیت کو معیاری اور اعلیٰ سطحی الفاظ کے ذریعہ منعکس کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ قصیدے کے پہلے شعر ہی میں انھوں نے عثمان علی بادشاہ کا نام لیا ہے اور ان کے اوصاف وخوبیوں کو ناقابل بیان قرار دیا ہے۔ قصیدہ ملاحظہ ہو۔

''عثمان سا کوئی شاہ زماں ہو نہیں سکتا
اوصاف ہیں اتنے کہ بیاں ہو نہیں سکتا
شہ ہیں عمل و علم کی دولت سے مفخر
انمول خزینہ یہ نہاں ہو نہیں سکتا
سمجھا نہ زمانے میں کوئی ان کو ابھی تک
راز ان کی فراست کا عیاں ہو نہیں سکتا
اب کون مقابل ہے بھلا ملک دکن کے
ہے کون سا وہ کام جو یاں ہو نہیں سکتا
ہے صلح محبت کا اثر شہ کے قدم سے
اس طرح کہیں امن و اماں ہو نہیں سکتا
کس بزم میں اس ذات مقدس کا نہیں ذکر
چرچا میرے مالک کا کہاں ہو نہیں سکتا
عربی ہوکہ انگریزی ہو یا فارسی اردو

مثل ان کے کوئی اہل زباں ہو نہیں سکتا
لاکھوں کی کڑوڑوں کی دعا شہ کے لئے ہے
ایسا کوئی خوش بخت جواں ہو نہیں سکتا
عالؔی ہے دکن پر میرے اللہ کی رحمت
اس باغ کو کچھ خوف خزاں ہونہیں سکتا''

۱۳

راجہ نرسنگھ راج عالؔی سیدھے سادے و دلکش انداز میں اعلیٰ حضرت عثمان علی خاں کے اوصاف اور ان کی علم پروری کا بیان کیا ہے لیکن پورے قصیدے میں کہیں بھی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا۔ اکثر قصائد تاریخ کے چند اہم نگات اور نئی معلومات کی جانب اشارہ کرتے ہیں عالؔی کا یہ قصیدہ بھی تاریخی توعیت کا ہے۔ اس قصیدے میں انھوں نے عثمان علی بادشاہ کے علم اور زبان دانی کا بھی بیان کیا ہے کہ عثمان علی بادشاہ انگریزی، فارسی، اردو اور عربی میں مہارت رکھتے تھے۔ اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ دکن میں تجارت کرنے والوں کو یہاں ہمیشہ فائدہ ہی ہوا کرتا تھا۔

نرسنگھ راج عالؔی سادہ اور ملنسار طبعیت کے مالک تھے ان کی طبعیت میں عاجزی اور انکساری کو بڑا دخل تھا یہی وجہ ہے کہ انھوں نے عثمان علی بادشاہ کو ''مالک'' کہہ کر بھی متعارف کروایا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت کو ذات مقدس کہا ہے۔ نرسنگھ راج عالؔی نے قصیدے کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے قصیدے کے آخر میں بادشاہ اور ملک کے لیے دعائے خیر بھی کی ہے۔ قصیدے کے اشعار میں جھول نہیں بلکہ تسلسل ہے اور قصیدہ روانی کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے آسان لیکن معیاری زبان کا استعمال کرتے ہوئے عالؔی نے قصیدے کے لطف کو دوبالا کردیا ہے۔

دوسرا قصیدہ اعلیٰ حضرت میر عثمان علی بادشاہ کی سالگرہ کے موقع پر لکھا گیا ہے۔ اس کو بھی کوئی عنوان نہیں دیا ہے بلکہ حاشیہ میں ''سالگرہ حضور پرنور میر عثمان علی خاں کی شان میں'' تحریر کیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ ۱۲ اشعار پر مشتمل ہے۔ قصیدہ میں عالؔی نے عثمان علی بادشاہ کو بڑے فنکارانہ انداز میں مبارکباد پیش کی

ہے مبارکباد پیش کرتے ہوئے شاعر نے بادشاہ کے اوصاف اور اس کی شخصیت کو بھی اجاگر کیا ہے اور بادشاہ کے حق میں دعا بھی کی ہے۔قصیدے میں عالی نے اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خان کو مختلف ناموں والقاب سے بھی نوازا ہے۔قصیدے کے آخری شعر میں عالؔی نے اپنے والد گردھاری پرشاد باقؔی کو بھی یاد کیا اور خود کو ان کی نشانی قرار دیتے ہوئے اپنی شخصی انکساری اور عاجزی کو ظاہر کیا ہے۔قصیدے میں عالؔی نے برجستہ اور بلند آہنگ الفاظ کا استعمال کیا ہے جو کہ قصیدہ کا خاص وصف ہے چوں کہ قصیدہ نگار کو ممدوح کی شخصیت اور اس کے رتبہ کو ذہن میں رکھ کر الفاظ کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔اسی لیے عالؔی نے عثمان بادشاہ کے شایان شان زبان و بیان کا استعمال کیا ہے۔قصیدہ ملاحظہ ہو۔

گرہ اس سال کی اے خالقِ سبحان مبارک ہو
صدوسی سال جینا عمر اقدس حضرت سلطان مبارک ہو
دکن کے اس گلستاں کو گلِ خندان مبارک ہو
بہارِ عیش ہو اور عیش کا سامان مبارک ہو
مرے دل کو محبت تیری اے یزداں مبارک ہو
جدھر دیکھوں ادھر تو ہو یہی عرفان مبارک ہو
پھنسا نا دام میں ہو سازوارائے گیسوئے پرخم ہو
شکار دل تجھے اے ناوکِ مژگان مبارک ہو
تڑپ تھی بے قراری تھی نہ تھا جب تک کوئی ہمدم
سکونِ قلب کو پہلو میں اب پیکان مبارک ہو
ہمیں تو درد پیارا ہے خلش اس کی بہت پیاری
مسیحائے زماں تجھ کو ترا درمان مبارک ہو
میں اس نوبت پہ پہنچا ہوں ذرا چشم تر حُم ہو

ملے نوبت تو ہم چشموں میں اے سلطان مبارک ہو
عبث شرمارہے ہیں آپ خونِ عاشقاں کرکے
مبارک شغل ہے یہ قتل کا ہاں ہاں مبارک ہو
عمل تو کچھ نہیں دعویٰ ہی دعویٰ ہے تصوف کا
نہ جانا جس نے خودکو اس کو کیا عرفان مبارک ہو
مناتے خیر ہیں ہم بادہ و ساغر کی ساقی کی
تمھیں زاہد تمہارا تقویٰ وایمان مبارک ہو
کسی دانا کو خواہش ہو تو ہو فہم و فراست کی
ہمیں تو بے خودی مستی دلِ نادان مبارک ہو
نشاں باقؔی کا ہے عالؔی جو ادنیٰ تیرا خادم ہے
مبارک باد دیتا ہے شہ عثمانؔ مبارک ہو

[۱۴]

نرسنگھ راج عالؔی نے خوبصورت تشبیہات واستعارات کے ذریعہ عثمان علی بادشاہ کی شان میں مذکرہ قصیدہ تحریر کیا ہے۔قصیدے میں عالؔی نے اعلیٰ حضرت کے مرتبے کو بڑی فنکارانہ مہارت سے پیش کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت عثمان علی بادشاہ کوانھوں نے مسیحائے زماں، خالقِ سبحان، شہ عثمان، گل خندان وغیرہ جیسے القاب سے سرفراز کیا ہے۔ پورے قصیدے میں عالؔی نے مبالغہ سے گریز کرتے ہوئے حقیقت نگاری اور تخیل آفرین سے کام لیا ہے اور قصیدہ کو موثر بنانے کی بڑی کامیاب کوشش کی ہے۔

تیسرا قصیدہ ''دورعثمانی'' کے عنوان کے تحت ہے۔ یہ قصیدہ بھی عثمان علی بادشاہ کی مدح میں ہے۔ ''دورِعثمانی'' کے عنوان سے یہ قصیدہ دکن ریڈیو پر بھی نشر ہو چکا ہے۔قصیدے کے حاشیے میں ''بہ موقع سالگرہ اعلیٰ حضرت ''دورعثمانی'' کے عنوان سے دکن ریڈیو پر نشر ہوا'' تحریر ہے جس سے اس قصیدے کی

تاریخی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ دوسرے قصیدوں کے مقابلے میں یہ قصیدہ کافی طویل ہے۔کل ۱۷۳ اشعار یعنی ۲۴ بندوں پر مشتمل ہے۔قصیدہ کے آغاز سے لے کر اختتام تک عالؔی نے سادہ اور سلیس زبان کا استعمال کیا ہے اور دور عثمانی کے کارناموں اور دور عثمانی میں دکن کی فلاح و بہبود کی دلکشی عکاسی کی ہے۔ چھوٹے چھوٹے اشعار پر مشتعمل یہ قصیدہ نہایت پر لطف اور پر مغز ہے۔قصیدے میں عثمان علی بادشاہ کے کارناموں اور عوام کی خوشحالی کا بیان تسلسل اور روانی کے ساتھ ملتا ہے۔ دور عثمانی میں علم، طب، امن وامان، شادمانی، نظم ونسق کی صورت حال کو اس قصیدے میں عالؔی نے تفصیلی اور موثر انداز میں پیش کیا ہے۔

قصیدہ کے پہلے بند میں شاعر نے دور عثمانی کی آمد کو ویرانے میں نور سے تشبیہ دی ہے اور کہا کہ دور عثمانی آنے سے زمانے کا جہل دور ہوا ہے اور علم کی پر نور فضاء قائم ہوئی ہے۔ زمانے کی مشکلیں دور ہوگئی ہے۔جس کی وجہہ سے عالؔی دعا کررہے ہیں کہ دور عثمانی پر خدا کی رحمت ہو بند ملاحظہ ہو۔

''تیری آمد سے جہل دور ہوئے
دل کے ویرانے بصر نور ہوئے
علم کے چرچے دور دور ہوئے
سب عمارات رشک چور ہوئے
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دورِ عثمانی''

۱۵

عالؔی دور اندیش تھے وہ جانتے تھے کہ زمانے میں اگر کوئی قوم یا ملک ترقی کرسکتا ہے تو وہ علم حاصل کرنے سے جب عثمان علی بادشاہ نے علم کے پرچم کو لہرایا اور ہر خاص و عام کے لیے علم کے دروازے کھول دیئے۔جس کی وجہہ سے عام انسان علم سے آشنا ہوا اور ملک دکن کی فلاح میں حصہ لینا لگا جس کی وجہہ سے مخالفین خود بخود خاموش ہوگئے۔ اور عثمان علی بادشاہ کو نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا سے عزت وعظمت کے پیغام آنے لگے ساری دنیا میں عثمان علی بادشاہ کا نام ہوا۔اس ساری حقیقت کا بیان نرسنگھ راج عالؔی اپنے

قصیدے میں اس طرح کرتے ہیں:

تونے علم کو وقف خاص و عام کیا
سب سے بہتر جو تھا وہ کام کیا
جتنے دشمن تھے سب کو رام کیا
ہند و یورپ میں خوب نام کیا
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

[۱۶]

عثمان علی بادشاہ ایک نیک دل و ہمدرد حاکم تھے انھیں اپنے وطن سے اور اپنی رعایا سے دلی و جزباتی محبت تھی جس کی وجہہ سے وہ عوام میں بے حد مقبول تھے لوگ ان سے دور ہو کر بھی ان کے بہترین اور اعلیٰ کارناموں کی وجہہ سے ان سے قریب تھے ان کی عظمت کا اعتراف کرتے تھے اور ان سے محبت کرتے تھے۔ اور انھیں نیک حضور، اعلیٰ حضرت کہہ کر پکارتے تھے۔ قصیدہ کا بند ملاحظہ ہو۔

تیرے جذبے سے ہے وطن معمور
خواہ نزدیک ہو یا کوئی دور
تیری الفت سے ہے ہر ایک مخمور
سب کے لب پر ہے نام نیک حضور
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

[۱۷]

دکن میں عہد عثمانی میں تجارت پیشہ اور عام کاروباری انسان کو بہت فائدہ ہوا تجارت کے لحاظ سے دور عثمانی کو عہد زریں بھی کہا جاتا ہے۔ عالؔی نے قصیدے میں عثمان علی بادشاہ کے عہد کو سوکھے شجر میں جان آجانے سے تشبیہ دی ہے اور کہا کہ عثمان علی بادشاہ کے عہد میں کاروبار میں ترقی ہوئی ہے دولت کی فراوانی ہوئی جس طرح سوکھے درخت میں جان پڑھ گئی ہو اور وہ اپنے سایے سے سکون و آرام فراہم کرر ہا ہو۔ اور جو بے کار لوگ تھے جو محض نقصان کاروبار کرتے تھے مشکلوں کو بڑھوا دیتے تھے وہ ختم ہوئے جیسے بے کار گل ختم ہو کر خار ہو گئے ہوں۔ عالؔی نے خوبصورت اور نادر تشبیہات کے ذریعہ اس حقیقت کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

جو تھے کم مایہ مایہ دار ہوئے
لاکھوں دولت کے کاروبار ہوئے
شجر خشک سایہ دار ہوئے
گل جو بے کار تھے وہ خار ہوئے
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

۱۸

آگے عالی لکھتے ہیں بادشاہ کے نیک کاموں کی وجہہ سے سرزمین دکن میں خدا کی رحمت و برکت چھائی ہوئی ہے عثمان علی بادشاہ کی بدولت ہی حب الوطنی کا جذبہ عام ہوا ہے۔ عقل اور ہوش والے اپنی محنت و دانشمندی سے ملک وقوم کو ترقی کی جانب گامزن کرر ہے ہیں۔ عالؔی تشبیہات کا استعمال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس طرح خشک صحرا میں شادابی کے آجانے سے خوشیاں چھا جاتی ہے، ہریالی ہر طرف چھائی ہے صحرا میں بھی آب نظر آتا ہے۔ اور یہ سب عثمان علی بادشاہ کے کارناموں کا صلہ ہے اور ان ہی کی وجہہ سے دکن کے وقار و عظمت میں اضافہ ہوا ہے۔

حبِ قومی بھی اب خروش میں ہے
اب کہاں خلق ناؤ نوش میں ہے
ہر کوئی عقل و فہم ہوش میں ہے
برکت شہ سے دل بھی جوش میں ہے
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

خشک صحرا بھی آج ہیں شاداب
جس طرف دیکھئے ادھر ہے آب
خار و خس سب ہرے زمین سیراب
آپ ہے دکن کی آب و تاب
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

۱۹

عالؔی نے پورے قصیدے میں دورعثمانی کی عظمت و اہمیت کوخوبصورت اور انوکھی تشبیہوں کے ذریعہ پیش کیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے مصرعوں کے ذریعہ انھوں نے قصیدہ کے لطف کو دوبالا کر دیا ہے۔ دور عثمانی میں علم کی فراوانی ہوئی سارے طلباء علم حاصل کرنے لگے اور یہی علم ایک بہترین قوم کو تیار کرلے گا۔ عالؔی کہتے ہیں کہ جوعلم آج دورعثمانی میں طلباء حاصل کر رہے ہیں آگے چل کر وہ بہت قابل اور کامیاب ہونگے۔ جہاں دنیا بھر میں لوگ بھوک اور افلاس کا شکار ہے وہیں عثمان علی بادشاہ کی حکومت میں لوگ پیٹ بھر کھا رہے ہیں اور خوش حال اور خوش گوار ماحول میں بڑے آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ساری دنیا

میں آفت اور بے راہ روی ہے لیکن دکن میں ہر طرف آرام ہے۔ بند ملاحظہ ہو۔

ہند کے سارے عالم و فاضل
طلباء درس کرتے ہیں حاصل
ہیں بہت خوبیوں کے جو حامل
کیوں نہ ہوں آگے چل کے سب کامل
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دورِ عثمانی

۲۰

عالؔی نے دورعثمانی کی ہر شئے و چیز کا بیان بڑی عمدگی اور دلکشی کے ساتھ کیا ہے۔عثمان علی بادشاہ کی صاف دلی اوران گنت فلاحی کاموں کوانھوں نے فنکارانہ مہارت کے ساتھ اپنے قصیدے میں پیش کیا ہے قصیدہ طویل ہونے کے باوجود مربوط ہے۔ ہر بند تسلسل کے ساتھ تخیل آفرینی کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے قصیدہ پڑھنے سے دورعثمانی کا شاندار اور سنہرا دور ہماری آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔عثمان علی بادشاہ کے دربار میں اعلیٰ فنکار اور سخن ور موجود تھے۔جس طرح یونانیوں کا اور نصرانیوں کا علاج مشہور تھا اسی طرح دکن میں عہد عثمانی میں بڑے بڑے حکیم موجود تھے۔عالؔی یہاں کے علم اور حکمت کی فراوانی کو مردہ جسم میں جان پڑنے سے تشبیہ دیتے ہیں بند ملاحظہ ہو۔

طب یونانی اور نصرانی
ہوا ویدک علاج بھی ثانی
مٹ گیا ان سے خطرۂ جانی
چشمۂ طب سے ہے رواں پانی
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

ہر طرف دیکھئے ہے فن فن داں
پختہ کاری سے پختہ ہو ایمان
پڑگئی جیسے مردہ جسم میں جان
اب کسی کی کہاں کھلے گی زبان
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

[۲۱]

عالؔی نے عہد عثمانی کے نظم ونسق اور امن وامان کا بیان بھی بڑی دلکش امیجری سے کیا ہے۔ان کے شاعرانہ بیان سے عہد عثمانی کا درخشاں دور کھل کر قاری کے سامنے آتا ہے۔عثمان علی بادشاہ کی موجودگی کو انھوں نے نعمت خدا قرار دیا ہے انھوں نے عثمان علی بادشاہ کو ساری دنیا کے لیے بہترین کارکر دقرار دیا ہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد کی موجودگی اور وزیراعظم ہونے کو بھی عالؔی نے خوب سراہا ہے۔عثمان علی بادشاہ کی پیدائش اور سالگرہ کے موقع پر سارے دکن میں دھوم اور ہر طرف خوش گوار ماحول کی عکاسی عالؔی نے بڑی عمدگی سے کی ہے۔اور دور عثمانی اور عثمان علی بادشاہ کے حق میں دعا کی ہے۔قصیدے کے چند بند ملاحظہ ہو۔

جام نو میں یہ مئے کہن نکلی
ایسی آرائش دکن نکلی
رنگ خوش اور خوش بدن نکلی
جیسے بن کر نئی دلہن نکلی
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

ایک نعمت ہے اب بھی ملک دکن
کہ ہیں موجود یاں امام الفن
ہند ایران ہو کہ یا ہو ختن
مسند آرا ہیں بادشاہ زمن
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

یہ ہے وہ دور رشک خاقانی
شہ کی شامل ہے جب نگہبانی
جو ہے بے مثل اور لاثانی
یہ کرم ہے یہ فضل یزدانی
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

سلطنت کا نظام ہے تجھ سے
علم کا خوب نام ہے تجھ سے
ساری دنیا کو کام ہے تجھ سے
زندگی صبح و شام ہے تجھ سے

مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

حوصلے سب کے ہیں بلند و عمیق
نہ مخالف کوئی نہ کوئی فریق
کارفرما ہیں کارکن بہ شفیق
ساتھی ساتھی ہیں دوسرے کے رفیق
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

صدر اعظم تھے جس کے دور میں شاد
اب بھی ہیں سب وزیر نیک نام نہاد
خانخاناں و فخر ملک آباد
کام پر جن کے ہورہے ہیں صاد
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

تجھ سے ہمت بڑھی خیال بڑھا
چھوٹے چھوٹوں کا سارا حال بڑھا
تجھ سے خود داری کا کمال بڑھا

دن بڑھا ماہ اور سال بڑھا
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

آج لطف طرب کی ہے معرآج
ایک نئی دھوم سے سجا ہے آج
ہے گرہ سال شہ کی دیکھے آج
ہو مبارک یہ شاہ کے سرتاج
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

عمر تیری دراز ہو شاہا
دور بندوں سے آز ہو شاہا
اور تو سرفراز ہو شاہا
ہم کو تجھ پر ہی ناز ہو شاہا
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

مملکت میں یہ تیرے کال رہے
خلق دولت سے مالامال رہے

نہ ہی آفات کا ملال رہے
سب رعایا مرّفعّ حال رہے
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

دور عثمانی کے سب خدای ہیں
راہیں گو کہ جدا بنائی ہیں
اس طرح جیسے بھائی بھائی ہیں
زیر قرباں بادشائی ہیں
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

شاہزادے بھی شاد کام رہیں
شاہ کی طرح نیک نام رہیں
بڑھ کے بالائے اوج بام رہیں
یہ بھی مقبول خاص و عام رہیں
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

دور عثمان کا کیا بیان کریں
سب کی خواہش ہے آن بان کریں

کم ہے ہم جس قدر بھی شان کریں
ہاں فدا اس پہ اپنی جان کریں
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

مختصر اب کلام کرتا ہوں
جاں نثاروں میں نام کرتا ہوں
نظم عالؔی تمام کرتا ہوں
وِرد یہ صبح و شام کرتا ہوں
مشکلوں میں ہوئی ہے آسانی
تجھ پہ رحمت ہو دور عثمانی

۲۲

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے قصیدہ ''دورِ عثمانی'' میں عہدِ عثمانی کا بہترین جائزہ لیا ہے عثمان علی بادشاہ کی خدمات اوران کے کارناموں کے بیان میں عالؔی نے اپنی تمام فنکارانہ صلاحیتوں کو صرف کردیا ہے۔ابتداء سے آخر تک عالؔی نے اپنی تمام فنکارانہ صلاحیتوں کو صرف کردیا ہے۔ابتداء سے آخر تک عالؔی نے موثر اور سحر آفریں فضاء کو برقرار رکھا ہے۔عہدِ عثمانی میں علم وحکمت،طب ونظم ونسق کی بہتری امن امان وسکونِ قلب کی وجہہ عالؔی نے عثمان علی بادشاہ کی شخصیت بتائی ہے۔عالؔی نے قصیدہ میں مبالغہ آرائی سے گریز کیا اور تسلسل کو برقرار رکھا جس کی وجہہ سے قصیدہ کی اہمیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔عالؔی نے قصیدے میں اپنا کوئی مقصد اور مدعا بیان نہیں کیا بلکہ بادشاہ کے حق میں دعا کی کہ عہدِ عثمانی پر خدا کی رحمت ہو اور بادشاہ کی طرح شاہزادے بھی نیک بخت اور اعلیٰ اخلاق واوصاف والے ہوں۔عالؔی نے خود کو عثمان علی بادشاہ کے چاہنے والوں اور

جانثاروں میں شمار کرتے ہوئے خوبصورت اور پر اثر انداز میں قصیدے کا اختتام کیا ہے۔غرض یہ کہ عالؔی نہ صرف ایک بہترین غزل گو شاعر ہیں بلکہ معیاری اور بلند پایہ قصیدہ نگار بھی ہیں ان کے صرف تین ہی قصیدے ملتے ہیں لیکن تینوں قصیدے اعلیٰ حضرت میر عثمان علی بادشاہ کی شخصیت اوران کے عہد کے ترجمان ہے۔ان قصیدوں کی اہمیت نہ صرف ادبی حیثیت سے ہے بلکہ تاریخی اعتبار سے بھی یہ قصائد نمایاں اور بلند پایہ مقام رکھتے ہیں۔

حواشی

۱ شمیم احمد، اردو قصیدہ نگاری، مرتبہ ڈاکٹر اُم ہانی اشرف، مطبع ایجوکیشنل بک ہاوس، علی گڑھ، ۱۹۸۸ ص: ۱۷

۲ پروفیسر سیدہ جعفر، دکنی ادب میں قصیدے کی روایت، ص: ۲

۳ بحوالہ، ابو محمد سحر، اردو میں قصیدہ نگاری، ص:

۴ ڈاکٹر محمود الٰہی، اردو میں قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ، ص: ۴۴ تا ۴۵

۵ شمیم احمد، اردو میں قصیدہ نگاری، مرتبہ ڈاکٹر ام ہانی اشرف، ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڑھ ۱۹۸۸، ص: ۱۸ تا ۱۹

۶ گیان چند جین، ادبی اصناف،

۷ شمیم احمد، اردو میں قصیدہ نگاری، مرتبہ ڈاکٹر ام ہانی اشرف، ایجوکیشنل بک ہاوس، علی گڑھ، ص: ۲۰

۸ پروفیسر سیدہ جعفر، دکنی ادب میں قصیدے کی روایت، ص: ۲۰

۹ شمیم احمد، ''اردو میں قصیدہ نگاری'' مرتبہ ڈاکٹر ام ہانی اشرف، ایجوکیشنل بک ہاوس، علی گڑھ، ۱۹۸۸، ص: ۲۵

۱۰ پروفیسر سیدہ جعفر، دکنی ادب میں قصیدے کی روایت، ص: ۲۸

۱۱ پروفیسر سیدہ جعفر، دکنی ادب میں قصیدے کی روایت، ص: ۳۳

۱۲ پروفیسر سیدہ جعفر، دکنی ادب میں قصیدے کی روایت، جنوری ۱۹۹۹، ص: ۳۸ تا ۳۹

۱۳ دیوانِ عالی۔ ص: ۱۴۱

۱۴ دیوانِ عالی ص: ۱۴۲

۱۵ دیوانِ عالی، ص: ۱۴۳

۱۶؎ دیوانِ عالی،ص:۱۴۳

۱۷؎ دیوانِ عالی،ص:۱۴۳

۱۸؎ دیوانِ عالی،ص:۱۴۳

۱۹؎ دیوانِ عالی،ص:۱۴۳تا۱۴۴

۲۰؎ دیوانِ عالی،ص:۱۴۴

۲۱؎ دیوانِ عالی،ص:۱۴۴

۲۲؎ دیوانِ عالی،ص۱۴۵تا۱۴۷

☆☆☆

باب چہارم

نرسنگ راج عالؔی کی مرثیہ گوئی

مرثیہ کا لفظ عربی زبان کے لفظ ''رثا'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''بین'' کے ہیں۔ یعنی بین وہ الفاظ جو مرنے والے کے احباب، عزیز و اقارب کی زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ جس میں مرنے والے کو یاد کر کے اس کے اوصاف و عادات کا بیان کیے جاتے ہیں اور گہرے رنج و غم کا اظہار کیا جاتا ہے۔ پروفیسر سید مجاور حسین رضوی مرثیے کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

> ''مرثیہ بالعموم اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کی خوبیاں بیان کر کے اس کی موت پر افسوس کیا جائے اور بالخصوص مرثیہ کا اطلاق اس نظم پر ہوتا ہے جو امام حسینؓ کی شہادت یا اس سے متعلق کوئی واقعہ غم انگیز پیرائے میں بیان کیا جائے یعنی مرثیے کا ایک مفہوم عام ہے، دوسرا خاص لفظ مرثیہ جب بغیر کسی تخصیص کے استعمال ہوتا ہے اس سے یہی خاص مفہوم ادا ہوتا ہے''[1]

عموماً مرثیہ میں کربلا کے واقعات کو موضوع بنایا جاتا ہے ایسے مرثیے کربلائی مرثیہ کہلاتے ہیں جس کے خاص اجزاء (فارم) ہوتے ہیں قصیدے کی طرح مرثیے کے بھی اپنے اجزائے ترکیبی ہے۔ ۱۔ چہرہ، ۲۔ سراپا، ۳۔ خیمہ سے رخصت، ۴۔ میدان جنگ میں آمد، ۵۔ رجز، ۶۔ واقعات جنگ، ۷۔ شہادت، ۸۔ بین۔ اکثر ان ہی اجزائے ترکیبی کو ملحوظ رکھ کر کربلائی مرثیے رقم کئے جاتے ہیں۔ مرثیہ محض کربلائی عناصر (واقعات) تک محدود نہیں ہے اردو ادب میں کربلائی مرثیوں کے علاوہ شخصی مرثیے بھی بڑی تعداد میں ملتے ہیں مرثیہ کی دو قسمیں ہے۔ (۱) کربلائی مرثیہ، (۲) شخصی مرثیہ۔

شخصی مرثیے میں شاعر (مرثیہ گو) مرنے والے کی ذات کو ملحوظ رکھ کر اس کے تمام اوصاف حمیدہ کو درد انگیز لہجہ میں بیان کرتا ہے۔ اس کی عادات سے لے کر اس کے سراپے کو مخصوص بیانیہ لہجہ میں پیش کرتا ہے۔ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی شخصی مرثیے کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مرثیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک انفرادی اور دوسرا اجتماعی۔ انفرادی

مرثیے میں مرنے والی کی ذات شاعر کو اس حد تک متاثر کرتی ہے کہ
وہ اپنے جذبات کو شعر کے قالب میں ڈھالنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔
ایسے مرثیوں کا اثر محدود طبقہ پر پڑ سکتا ہے جو مرنے والے سے کسی قسم
کا تعلق رکھتے ہوں۔''[۲]

غرض یہ کہ انفرادی مرثیہ یعنی شخصی مرثیے میں شاعر مرنے والے کی ذات کے تمام صفات کو شعر کے قالب میں ڈھالتا ہے۔ مرثیہ ایک قدیم صنف سخن ہے۔ دکن میں بہمنی عہد کو غالباً مرثیہ کے آغاز کا دور قرار دیا جاتا ہے۔ چوں کہ ہندوستان ایک وسیع و عریض ملک ہے۔ یہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے ہیں اور مشترکہ تہذیب کا یہاں بڑا دخل رہا ہے یہی وجہ رہی ہے کہ جہاں مسلم شعرا کے یہاں کرشن بھگتی کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں وہیں غیر مسلم شعرا کے یہاں بہترین مرثیے ملتے ہیں۔ کربلائی مرثیوں کے علاوہ شخصی مرثیے بھی غیر مسلم شعرا کے یہاں مخصوص لب ولہجہ میں ملتے ہیں۔

راجہ نرسنگ راج عالؔی نے جہاں غزل، قصیدہ، رباعی، قطعہ، لکھ کر ادب کے سرمایہ میں اضافہ کیا ہے وہیں مرثیہ کی صنف کو بھی بہترین شخصی مرثیے فراہم کئے ہیں۔ عالؔی کے یہاں دو مرثیے ملتے ہیں۔ ۱) مرثیہ ارمغان محبوب، ۲) مرثیہ غم احباب شاؔد، ''ارمغان محبوب'' نرسنگھ راج عالؔی نے اپنے چھوٹے بھائی محبوب راج محبوؔب کی ناگہانی موت پر لکھا ہے۔ پورے مرثیے میں عالؔی نے ایک غم کا سماں باندھا ہے اس مرثیے کی سب سے بڑی خوبی اس کی راوانی و سادگی ہے۔ سادہ سلیس زبان، درد بھرا لہجہ اور محبوب راج محبوب کی تمام صفات کا بیان عالؔی نے شگفتہ انداز میں کیا ہے۔ مرثیہ کے ابتدائی اشعار میں انھوں نے بے وقت موت پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور مرثیے کے اجزائے ترکیبی کا خیال رکھتے ہوئے محبوب راج محبوب کا سراپا بیان کیا ہے کہ محبوب راج محبوب ایک بھولی صورت اور پرکشش شخصیت کے مالک تھے خدا نے انھیں ہمت و طاقت سے نوازا تھا محبت کے پیکر بنا کر بھیجا تھا اپنے بھائی کی شکل وصورت کو یاد کرتے ہوئے عالؔی یکا یک پکار اٹھتے ہیں مرے پیارے بھائی، مرے پیارے بھائی۔ اور یہی الفاظ قاری کو مرنے والے کی موت پر افسوس کرنے اور اس کے غم میں آنسوں بہانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

یہ دھن کوچ کی دل میں کیسی سمائی
دیا مجھ کو بے وقت داغ جدائی
مری کون سی بات تم کو نہ بھائی
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

وہ حسن جوانی وہ شانِ برادر
مجسم محبت وہ جان برادر
سناؤ کسے داستانِ برادر
مرے پیارے بھائی، مرے پیارے بھائی

تھی صورت بہت بھولی بھالی تمہاری
محبت تھی سب سے نرالی تمہاری
وہ تصویر کس نے چھپالی تمہاری
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

معاون تھے بالذات بچپن سے میرے
رہے پاس دن رات بچپن سے میرے
دیے ہاتھ میں ہاتھ بچپن سے میرے
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

مجھے ایک بس اپنا تم جانتے تھے
بجائے پدر مجھ کو گردانتے تھے
مری بات ہر وقت تم مانتے تھے
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

تمھاری مروت کا قائل جہاں ہے
تمھاری شرافت ہر اک پر عیاں ہے
تمہاری محبت کا ہر جا بیاں ہے
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

۳

شخصی مرثیہ کا خاص وصف یہی ہے کہ اس میں مرنے والے کے تمام اوصاف کا بیان کیا جاتا ہے۔ محبوب راج محبوب کا بچپن دربار میں گذرا تھا دربار کے تمام آداب واطوار سے بخوبی واقف تھے محکمہ فوج سے بھی وابستہ تھے اسی لیے وہ تلوار بازی وگھوڑسواری میں بھی ماہر تھے ساتھ ہی ساتھ وہ ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی تھے۔ مہاراجہ کشن پرشاد کے ایوان میں منعقد تمام ہی مشاعروں میں شریک رہتے اپنا کلام سنا کر محفلیں لوٹا کرتے۔ نرسنگھ راج عالؔی مرثیہ ''ارمغان محبوب'' میں ان تمام خوبیوں کا ذکر نہایت ہی روانی اور سادگی سے کرتے ہیں۔

نہ ہمت تمہاری میسر کسی کو
نہ جرأت تمہاری میسر کسی کو
نہ الفت تمہاری میسر کسی کو
مرے پیارے بھائی، مرے پیارے بھائی

فدائے سخن اور سخن سنج تھے تم
شرافت کے اک بے بہا گنج تھے تم
شریک غم و راحت و رنج تھے تم
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

تری جان سے مطمئن جان میری
محبت پہ تھی جان قربان میری
بجز تیرے باقی نہیں شان میری
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

علالت میں میری نہ سوئے کبھی تم
محبت سے چھپ چھپ کے روئے کبھی تم
نہ پاس آئے بے اشک دھوئے کبھی تم
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

ثنا گو تھے تم شاہِ عثماں کے دائم
وفاداری و جاں‌نثاری پہ قائم
تنفر تھا اس سے کرے جو جرائم
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

ہے ایوانِ شاد اور مجلس سخن کی
یہ کہتے تھے ہے قدر یاں اہل فن کی
بتاؤ کہ اب سیر ہے کس چمن کی
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

۴

شخصی مرثیے کی ایک خاص خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں مرنے والے کے اوصاف کے ساتھ ساتھ موت کی وجہ اور علالت کی معیاد کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے راجہ نرسنگ راج عالؔی کے چھوٹے بھائی محبوب راج محبوبؔ کم عمر تھے عین شباب میں محض زہریلے بخار سے ان کی موت واقع ہوئی تھی۔ طبیبوں نے بھی اس مرض کو نہیں پہچانا سب کو یہی امید تھی کہ وہ ٹھیک ہو جائیں گے لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا چنانچہ ۴ تاریخ ۱۹۴۰ء کو ان کا انتقال ہوا انتقال کی تاریخ سنہ و مہینہ کا ذکر بھی نرسنگ راج عالی نے اس مرثیہ میں درد بھرے انداز میں رقم کیا ہے ساتھ ہی ساتھ علالت اور طبیبوں کی کوششوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس ضمن کے اشعار ملاحظہ ہو۔

ہمیشہ قضا کو کیا یاد تم نے
کیا جلد یوں خود کو آزاد تم نے
کسی کی سنی کچھ نہ فریاد تم نے
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

بخار آہ زہریلا آیا تھا کیسا
طبیبوں کو جس میں ہوا ہے نہ دھوکا
پیام اجل آ گیا وا دریغا
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

طبیعت بگڑ کر سنبھلنے لگی تھی
نہ تھی پہلے پھر نبض چلنے لگی تھی
ہوئی سیدھی گردن جو ڈھلنے لگی تھی
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

تھے صحت کی امید میں سب اطبا
یہی جان کر خوش تھے سارے اعزا
نہ جانبر ہوئے تم نہ نکلی تمنا
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

دوا نے نہ اپنا اثر کچھ دکھایا
کئے دان اور جپ نہ کچھ کام آیا
بڑوں کی نہ نیکی نے تم کو بچایا
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

مہینہ تھا بھادوں کا تتھ بھی تیرس
قضانے کیا آکے کس طرح بے کس
یہ کردیتی ہے سب کو مجبور و بے بس
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

تھی تاریخ چوتھی مہینہ تھا آبان
سن و سال چالیس فصلی کا مہمان
ہوا پنجشنبہ کو رحلت کا سامان
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

ہلالی ربیع دوم کا مہینہ
تھی چھبیسویں اس کی تاریخ اے وا
جدائی کی ساعت ہوئی ساڑے گیارا
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

ترا نام محبوب جس نے رکھا تھا
وہ محبوب تھا جان ملک دکن کا
تو عالم کا محبوب کیوں کر نہ ہوتا
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

یہ افسوس تھا گیارہویں کا مہینہ
خدا کے وہ محبوب دیں کا مہینہ
مقدس یہ روئے زمیں کا مہینہ
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

تمھیں نام کی لاج کیسے پڑی تھی
مگر ہے غضب موت سر پر کھڑی تھی
جدائی کی درپش نازک گھڑی تھی
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

۵

راجہ نرسنگ راج عالؔی کے والد گردھاری پرشاد باقی بچپن ہی میں گذر گئے تھے اس وقت محبوب راج محبوب کم سن تھے راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے ایک باپ کی طرح محبت وشفقت آمیز انداز میں ان کی پرورش کی تھی ان کی ہر خواہش پوری کی ان کے ناز اٹھائے تھے اچانک ان کی ناگہانی موت نے ان کو (نرسنگھ راج عالؔی کو) جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ عالؔی اپنے بھائی کی موت کے صدمے سے رنجور ہیں کئی واسطے دے کر اپنے بھائی کو احساس دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان کے بنا ان کی بیوی اور بچوں کا کیا ہوگا۔ بوڑھی ماں کیسے اپنے جوان بیٹے کی موت کا صدمہ برداشت کرے گی۔ کس طرح ایک بھائی اپنے بیٹے جیسے بھائی کو بھلا کر خوش رہ پائے گا۔ محبوب راج محبوب چوں کہ بذلہ سنج آدمی تھے ہمیشہ دوسروں سے مذاق کرتے عزیزیوں اور دوستوں میں ان کی جان بسی ہوتی۔ ہمیشہ اپنی شگفتہ طبیعت سے احباب و رشتہ داروں کو خوش رکھتے کبھی کسی کا دل نہ دکھاتے تھے لیکن آج اچانک موت کی آغوش میں سو کر تمام عزیزوں واحباب کو مایوس کر رہے ہیں ہر کوئی ان کی موت کے غم میں رنجور ہے۔ ہمیشہ رام رام کی مالا جپنے والا انسان، خوش طبیعت، ہنس مکھ شخصیت کا مالک عین شباب میں اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ اس پوری کیفیت کا بیان نرسنگھ راج عالؔی نے اپنے مرثیے میں نہایت غمگین اور درد بھرے انداز میں کیا ہے۔

امیدوں پہ افسوس ہے خاک ڈالی
جدائی کی یہ طرح تم نے نکالی
کہ خود چھپ رہے اپنی صورت چھپالی
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

مجھے داغ غم دے کے ایسا رلایا
کہ اب رحم کھاتا ہے اپنا پرایا
مصیبت پہ میری ترس کچھ نہ آیا
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

ترے لب پہ یوں تو ہمیشہ ہنسی تھی
دم مرگ پر ہائے کیا بے بسی تھی
عزیزوں میں کیا جان تری پھنسی تھی
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

محبت میں کیسی دغا دے گئے تم
تمنائیں دل میں سبھی لے گئے تم
ہمیں چھوڑ کر پاس کس کے گئے تم
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

تمھاری سعادت سے خوش دل تھی مادر
بہت تم سے خوش تھے پسر اور برادر
تمھارے تھے شیدائی زن اور خواہر
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

تمھیں بوڑھی ماں ہی کا کچھ پاس آیا
نہ بچوں کا بیوی کا کچھ پاس آیا
نہ بد بخت بھائی کا کچھ پاس آیا
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

جنک اور گردھر کو تم نے بھلایا
تمھیں وشیویشور نہیں یاد آیا
نہ کرپا نہ دھرما نہ یاد آئی مایا
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

لگائے شجر حیف پھل بھی نہ کھائے
جوانی کے ارمان نکلنے نہ پائے
گئے تم تڑپتے ہیں اپنے پرائے
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

ہمیشہ رہے یاد نرہر کی کرتے
رہے شیام اور رام کا دم ہی بھرتے
انہی کا وظیفہ پڑھا مرتے مرتے
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

جو بگڑا تھا گھر اب سنبھلنے لگا تھا
یہ باقی کا گلزار پھلنے لگا تھا
زمانے کو تھا رشک جلنے لگا تھا
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

کسے اپنے دل کی میں حالت دکھاوں
کہانی کسے اپنے غم کی سناوں
میں اب روٹھی قسمت کو کیوں کر مناوں
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

تمھیں ہم تو روتے وہیں تم ہنس رہے ہو
کہ بیکنٹھ میں جاکے اب بس رہے ہو
ہمیں غم کی زنجیر میں کس رہے ہو
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

تو زندہ تھا زندہ دلوں میں ہمیشہ
تری روشنی محفلوں میں ہمیشہ
میں تڑپوں گا اب بسملوں میں ہمیشہ
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

بنو دل کے مالک کرو راج اٹھو
ڈھلا دن بہت سوچکے آج اٹھو
تمھیں یاد کرتے ہیں مہرآج اٹھو
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

زباں بند کرکے کہاں سوگئے ہو
مروت سے کیوں منحرف ہوگئے ہو
کہاں ڈھونڈوں تم کو کہاں کھوگئے ہو
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

[۶]

یہ حقیقت ہے کہ جب کسی عزیز کی موت واقع ہوتی ہے تو دل بیٹھ جاتا ہے دنیا بے رنگ معلوم ہوتی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ مرنے والے کے تمام اوصاف کو یاد کرتا ہے۔ دوبارہ اس کو آواز دیتا ہے اور لوٹ آنے کی فریاد کرتا ہے۔ خدا سے اس کی زندگی کی بھیک مانگتا ہے جذبات کی رو میں اتنا بہہ جاتا ہے کہ وہ مرنے والے کو دوبارہ اٹھ بیٹھنے کی دوہائی دیتا ہے۔ نرسنگھ راج عالؔی کے یہاں بھی ایک غم ومحبت میں ڈوبے ہوئے بھائی کے جذبات واحساسات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ جب ایک عام انسان غم ودرد میں مبتلا ہوتا ہے تو محض آنسو بہا کر اپنے جذبات واحساسات کا بیان کرتا ہے لیکن جب ایک تخلیق کار غم والم سے گذرتا ہے تو وہ اپنے جذبات واحساسات کو تجربات وتخیل کی لئے میں پرو کر تخلیق کا درجہ عطا کرتا ہے۔ نرسنگ راج عالؔی کا یہ مرثیہ ''ارمغان محبوب'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ پورے مرثیے میں عالؔی نے اپنے جذبات کو روانی و سادگی کے ساتھ شعر کے قالب میں ڈھالا ہے۔ مرثیہ کے آخری حصہ میں نہایت ہی دردانگیز لہجے میں اپنے بھائی کی ناگہانی موت پر آنسو بہاتے ہیں اور درد کی شدت میں خدا سے فریاد کرتے ہیں کہ اے خدا ہر کسی کو

ایسا بھائی عطا کرے لیکن اس کو داغ جدائی نہ دے اور نہ ہی اپنے بھائی کی محبت سے اس کو محروم کرے مرثیے کا آخری حصہ پیش ہے۔

گھٹایا محبت کو اتنا بڑھا کر
ملا خاک میں مجھ کو جلوہ دکھا کر
گلے سے مرے پھر لپٹ جاتو آکر
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

عزیزوں سے منہ موڑ کر چل بسا تو
اکیلا مجھے چھوڑ کر چل بسا تو
مری آس کو توڑ کر چل بسا تو
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

میں کس سے کروں تیری فریاد بھائی
سناؤں کسے تیری بیداد بھائی
تری یاد کردے گی برباد بھائی
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

بتائے کوئی ایسا بھائی کہاں ہے
اگر بھائی ہو بھی فدائی کہاں ہے

فدائی جو ہو دلربائی کہاں ہے
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

مجھے کون اب بھائی کہہ کر پکارے
لگائے گا اب کون مجھ کو کنارے
میں زندہ رہوں ہائے کس کے سہارے
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

نہیں قوتِ بازو اب کیا کروں میں
جیوں کچھ دنوں یا تڑپ کر مروں میں
نہیں صبر کی سل کہ دل پر دھروں میں
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

کہاں جاکے ذکر تباہی کروں گا
میں قسمت کی کیا داد خواہی کروں گا
میں کیا جی کے اب یا الٰہی کروں گا
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

کبھی سر کو ٹکرا کے میں پھوڑتا ہوں
کبھی غم کی شدت سے دم توڑتا ہوں

ملے تُو تو دنیا کو میں چھوڑتا ہوں
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

میں تقدیر کے بل پہ اب جی رہا ہوں
لہو کے فقط گھونٹ میں پی رہا ہوں
جدائی کے زخموں کو یوں سی رہا ہوں
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

خدا دے اگر ایسا بھائی کسی کو
دکھائے نہ اس کی جدائی کسی کو
نہ دے دردِ بے اعتنائی کسی کو
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

جو ہونا ہے ہوتا ہے کیا پیش کیا کم
مگر مجھ کو اس بات کا ہے بڑا غم
ملو گے نہ ہم سے کہاں تم کہاں ہم
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

مرے دوست احباب سن لیں کہ کیا ہے
یہ عالؔی کے مجروح دل کی صدا ہے
یہ محبوب کا ماتمی مرثیہ ہے
مرے پیارے بھائی مرے پیارے بھائی

ے

غرض یہ کہ مرثیہ ''ارمغان محبوب'' میں عالؔی نے شخصی مرثیے کے تمام خدوخال کوملحوظ رکھا ہے ساتھ ہی محبوب راج محبوب کی ولادت اور موت کی تاریخ بھی اشعار میں واضح کی ہے۔تمام اوصاف کا بیان کرتے ہوئے انھوں نے مرثیے میں حقیقت نگاری کے دامن کونہیں چھوڑا۔عموماً مرثیہ میں مبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا ہے لیکن عالؔی کا مرثیہ ارمغان محبوب مبالغہ آرائی سے پاک ہے۔سادگی، روانی، شگفتہ اور مترنم لہجہ اس مرثیہ کی نمایاں اور عمدہ خصوصیت ہے۔دوسرا مرثیہ ''غم احبابِ شاؔد'' کے عنوان کے تحت ہے جو سن ۱۹۴۰ء میں حیدرآباد سے شائع ہوا۔یہ مرثیہ ۸۲ بندوں پر مشتمل ہے اور مخمس کی ہئیت میں لکھا گیا ہے۔راجہ نرسنگھ راج عالؔی چوں کہ وزیراعظم کشن پرشاد کے احباب خاص میں شامل تھے اسی لیے ان کی موت کا ان کے دل پر گہر اصدمہ ہوا۔مہاراجہ کشن پرشاد نہ صرف ایک اچھے حاکم تھے بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی تھے ان کے دربار میں محفلیں، مشاعرے منعقد ہوتے تھے تمام اہم شعرا ان محفلوں میں شریک ہوا کرتے۔نرسنگھ راج عالؔی ان محفلوں میں خاص طور پر مدعو کئے جاتے اور اپنے کلام سے پوری محفل میں ایک سماں باندھ دیتے۔اس مشاعرے کا ذکر ڈاکٹر شیلا راج ''دیوان عالی'' کے دیباچے میں اس طرح کرتی ہیں:

> مہاراجہ کشن پرشاد کی دیوڑھی ''ایوانِ شاؔد'' میں ادبی محفلیں اور مشاعروں کا اہتمام ہوا کرتا تھا۔آپ کے دربار سے سارے ہندوستان اور حیدرآباد کے دانشور ادیب علماء اور شعراء وابستہ تھے۔ان میں جوشؔ، فانؔی، حیرت بدایونی، صدیق جائسی، راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے علاوہ دوسری قابلِ ذکر ہستیاں تھیں۔ایوان شاد کے مشاعروں کی شہرت دور دور تک تھی مہاراجہ کی وفات کے بعد بھی ہر سال آپ کی یاد میں ایک طرحی مشاعرہ بنسی راجہ کی دیوڑھی

میں ہر سال تراب یار جنگ کی صدارت میں راجہ نرسنگھ راج عالؔی اہتمام کرتے تھے۔
مشاعرہ سے متعلقہ تمام آداب واخلاق کوملحوظ رکھا جاتا تھا۔دعوت نامے بھیجے جاتے تھے۔
شعرائے کرام کی فہرست ان کی عمرا اور مرتبہ کے لحاظ سے ترتیب دی جاتی تھی۔ان
مشاعروں میں ہندواور مسلمان کی تخصیص نہیں تھی۔کیوں کہ اردوادب اور شاعری کو دونوں
نے مل کر پروان چڑھایا'' ۸

اس اقتباس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نرسنگھ راج عالؔی مہاراجہ کشن پرشاد کے احباب خاص میں شامل تھے دربار میں ملازمت کرنے یعنی پیش کار کے خدمات انجام دینے کے باوجود بھی مہاراجہ کشن پرشاد کے ساتھ ان کے تعلقات ایک دوست اورغمگسار کے تھے۔مہاراجہ کے انتقال کے بعد بھی راجہ نرسنگھ راج عالؔی اپنی دیوڑھی میں ایوان شاد کے نام سے ہر سال مشاعرہ منعقد کرتے تھے اور تمام اعلیٰ درجہ کے شعرا کو اس مشاعرے میں مدعو کرتے۔جس سے مہاراجہ کشن پرشاد سے ان کی عقیدت اور انسیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

نرسنگھ راج عالؔی اور مہاراجہ کرشن پرشاد شاد کے تعلقات کے بارے میں مجلّہ عثمانیہ مہاراجہ نمبر میں زیرعنوان ''حضرت شاداب کہاں عالی'' کے عنوان سے اپنے تعلقات کا بیان یوں کرتے ہیں

''عالیجناب سرمہاراجہ انجھانی کو نہ معلوم مجھ سے کیوں اتنی محبت تھی کہ
وہ مجھے اپنا عزیز ترین خیال فرماتے اور ہمیشہ مشفق ومحبّ کے لقب
سے افتخار بخشتے تھے مجھے گھنٹوں ہم کلامی اور ہم نشینی کی عزت حاصل
رہی ہے۔ میں انتہائے فخر کے ساتھ یہ عرض کرسکتا ہوں کہ میرا جتنا
وقت مرحوم کی پرلطف اور امیرانہ صحبت میں صرف ہوا ہے وہ شاید ہی
کسی دوسرے کو میسر ہوا ہو۔ ہر دعوت۔تقریب اور خوشی کے موقعہ پر
مجھے ہمراہ رکھا اور ہر تعزیت بیماری اور تکلیف میں نزدیکی کا شرف
بخشا۔بہرحال میں اور میرے مرحوم بھائی محبوب راج محبوؔب کو یہ طرہ
امتیاز حاصل رہا۔'' ۹

مرثیہ ''غم احبابِ شآدؔ'' میں عآلی نے مہاراجہ کے اوصاف حمیدہ یہ اور ان سے مہاراجہ کے مراسم کا پرکشش لہجہ و انداز میں اظہار کیا ہے۔ مرثیہ کا آغاز مہاراجہ کے انتقال پر افسوس اور دلی مایوسی سے ہوتا ہے کہ مہاراجہ کے انتقال سے عآلی بھی بے زبان ہو گیا ہے اور ہر طرف مایوسی اور بے بسی کا عالم ہے۔

کیا سناؤ گے داستان عآلی
بے گل و نخل بوستاں عآلی
دل پہ وحشت ہے بے گماں عآلی
سب ہیں گویا تو بے زباں عآلی
حضرت شاد اب کہاں عالی

آج کیا واقعہ ستم زا ہے
ماجرا یہ تو روح فرسا ہے
سب ہیں مایوس دل ہی بیٹھا ہے
لب پہ ہر ایک کے یہ جملا ہے
حضرت شاد اب کہاں عالی

وقت بھی ایسا وقت آتا ہے
جو سخی بندہ نیک داتا ہے
ساری دنیا کے دل کو بھاتا ہے
کال کیا تو اسے بھی کھاتا ہے
حضرت شاد اب کہاں عالی

کیا خبر تھی کہ آٹھویں کے دن
ہوگا ستر ۷۰ پر سات ۷ کا جو سن
موت آکر چکائے گی یہ رن
گھر کو سونا کرے گی ان کے بن
حضرت شاد اب کہاں عالی

[۱۰]

پورے مرثیہ میں عالؔی نے سادگی و روانی کو برقرار رکھا۔ واقعات اور مہاراجہ شاد کے اوصاف کو ایک ساتھ تسلسل سے پیش کیا ہے جس کو پڑھ کر قاری مہاراجہ کی زندگی کے تمام پہلوؤں سے بخوبی واقفیت حاصل کرسکتا ہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد کا بچپن نہایت ناز ونعم سے بسر ہوا جس طرح بہار کا موسم حسین اور خوشگوار ہوتا ہے اسی طرح مہاراجہ کا بچپن بھی نہایت خوش گوار ماحول میں بسر ہوا۔ انھیں تمام علوم وفن سیکھائے گئے۔ جیسے ہی عالم شباب میں قدم رکھا درباری ماحول، رتبہ کی شان وشوکت نے ان کی شخصیت میں چار چاند لگا دیئے۔ ان کے نانا مہاراجہ نریندر بہادر کے انتقال کے بعد مہاراجہ کشن پرشاد جس کے باعث وہ بہت مصیبتوں اور پریشانیوں کا شکار ہوگئے تھے۔ آصف سابع بادشاہ کو جب اس حقیقت کا علم ہوا تو وہ جوش میں آگئے اور اپنے جانثار اور وفادار پیش کار کو اسی عزت اور مرتبہ کے ساتھ دربار میں مقام خاص عطا کیا اس تمام واقعہ کا ذکر نرسنگھ راج عالؔی نے مرثیہ ''غم احبابِ شاد'' میں نمایاں اور رواں لب ولہجہ میں کیا ہے۔

انکا بچپن بہار ہی میں گیا
علم و فن کے جوار میں ہی گیا
سب بزرگوں کے پیار میں ہی گیا
سچ تو یہ ہے شمار میں ہی گیا
حضرت شاد اب کہاں عالی

یہ جوانی میں ٹھاٹ والے تھے
حوصلے خوب ہی نکالے تھے
اپنے نانا کے یہ حوالے تھے
ناز کے نعمتوں کے پالے تھے
حضرت شاد اب کہاں عالی

تھی کچھ ایسی بلندی اقبالی
دل کی تھیں آرزوئیں سب پالی
خشک امید کی نہ تھی ڈالی
نہ مراد دلی کبھی ٹالی
حضرت شاد اب کہاں عالی

بعد نانا کے آگئی آفت
پیشکاری نہ ملنے سے زحمت
رات دن دل میں تھی یہی کلفت
کس طرح سے ملے گی اب راحت
حضرت شاد اب کہاں عالی

زہر ان کو دیا گیا نہ مرے
فیران پر کیا گیا نہ مرے

ان سے بدلہ لیا گیا نہ مرے
جب تک ان سے جیا گیا نہ مرے
حضرت شاد اب کہاں عالی

شاہ آصف جو جوش میں آئے
سارے خدام ہوش میں آئے
نصرت سر فروش میں آئے
سب حقائق بھی گوش میں آئے
حضرت شاد اب کہاں عالی

پھر وزارت ملی حشم آیا
جسم مردہ میں تازہ دم آیا
اوج پر جاہ یک قلم آیا
شاہ کا گھر میں جب قدم آیا
حضرت شاد اب کہاں عالی

پھر صدارت تھی شاہ عثمان سے
پھر فراغت تھی شاہ عثمان سے
ساری عزت تھی شاہِ عثمان سے

سب حکومت تھی شاہ عثمان سے
حضرت شاد اب کہاں عالؔی

سب سے آگے تھے یہ قطاروں میں
اور مالک کے تھے یہ پیاروں میں
تھے پسندیدہ شہریاروں میں
سب سے اول تھے جاں نثاروں میں
حضرت شاد اب کہاں عالی

[11]

مہاراجہ کشن پرشاد جب وزیراعظم بنے تو اس وقت حیدرآباد ایک خوش حال ریاست تھی امن و امان کا بول بالا تھا مہاراجہ کشن پرشاد نے اس پر امن فضاء کو اپنی عقل، فراست و دانائی سے حکومت کی سرگرمیوں کو متحرک کیا، نیک دل اور نیک بخت تھے ہمیشہ تمام عوام کی بھلائی کو نظر میں رکھ کر فیصلہ صادر کرتے تھے۔ رحم اور ہمدردی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی نمایاں شان وشوکت کے مالک ہونے کے باوجود ہمیشہ دوسروں (غریبوں محتاجوں) سے نرمی اور اخلاق سے پیش آتے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ان کی پریشانیوں کو سننے، ان کے احوال جانتے اور ان کی مدد کرتے۔ لیکن ان کی موت کے بعد ایسا کوئی نہیں جو ان کی طرح خندہ پیشانی، رحم دلی اور ہمدردی سے، ایسا نداری اور وفاداری سے حکومت کا ساتھ دے۔ نرسنگھ راج عالؔی نے اپنے مرثیہ میں ان کی تمام اوصاف کو روانی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

ان کو دولت تھی اور حکومت تھی
ان کو اولاد تھی فراغت تھی
ان میں حکمت تھی اور مروّت تھی

ان میں نیکی تھی اور سعادت تھی
حضرت شاد اب کہاں عالی

حسن اور عشق کے شناور تھے
رحم و لطف و کرم کے خاور تھے
نیک قسمت تھی بخت یاور تھے
سب میں ذیشان بہ فضل و اور تھے
حضرت شاد اب کہاں عالی

شان رکھتے تھے شان والے تھے
آن رکھتے تھے آن والے تھے
چھتریوں کے نشان والے تھے
جان دیتے تھے جان والے تھے
حضرت شاد اب کہاں عالی

ان کی تقدیر دوسروں میں نہ تھی
ان کی تدبیر دوسروں میں نہ تھی
ان کی توقیر دوسروں میں نہ تھی
ان کی تصویر دوسروں میں نہ تھی
حضرت شاد اب کہاں عالی

عیش و عشرت کے کامراں تھے یہ
طالب حسنِ جاوداں تھے یہ
عشق کے بندے بیگماں تھے یہ
عاشقوں کے مزاج داں تھے یہ
حضرت شاد اب کہاں عالی

ان کو جو کچھ ملا کسے وہ ملا
ان کو جو کچھ پھلا کسے وہ پھلا
شاد کا تھا بلند یوں درجہ
سب امیروں میں تھا بڑا رتبہ
حضرت شاد اب کہاں عالی

یہ قدامت کی شان رکھتے تھے
وضعداری کی آن رکھتے تھے
دکھ بھرے دل پہ کان رکھتے تھے
مرنے والوں کی جان رکھتے تھے
حضرت شاد اب کہاں عالی

۱۲

مہاراجہ کشن پرشاد صاف گو تھے وہ ہمیشہ ایمان اور انصاف کی بات کرتے۔ بلا کسی مذہبی تعصب

سے وہ عوام کے ساتھ مساوی سلوک کرتے۔ درویشوں اور فقیروں کی مدد کرتے۔ خدا نے انھیں انسان کو پہچاننے کی خوبی سے بھی نوازا تھا وہ دوست اور دشمن کو جلد پہچان لیتے تھے۔ ہمدردی اور مروت میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا کسی کا دکھ درد سن لیتے تو ان کی نیند اڑ جاتی اور وہ پوری خوشنودی سے ان مصیبتوں کے ماروں اور پریشان حال عوام کی خدمت کرتے۔ جس طرح ایک چھوٹا بچہ کسی کی خاص کر اپنوں کی تکلیف دیکھ کر روتا اور پریشان رہتا ہے اسی طرح مہاراجہ کشن پرشاد بھی عوام کی تکلیف دیکھ کے بے چین ہو جاتے۔ ان کے نزدیک دنیا ایک سرایا ہے جہاں محض مسافر آتے ہیں اور قیام کر کے چلے جاتے ہیں انھیں اس سرائے (دنیا) سے زیادہ آخرت کی پرواہ تھی اکثر اوقات خدا کی یاد میں گھنٹوں مصروف رہتے تھے اللہ والے اور عبادت گذار لوگوں سے ملتے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اپنے مرثیہ میں ان خوبیوں کی بھی ستائش کی ہے۔

ان کی حالت کوئی بتائے کیا
دل کا اندازہ بھی لگائے کیا
جاں گسل واقعہ سنائے کیا
دل جلوں کو کوئی جلائے کیا
حضرت شاد اب کہاں عالی

دل تھا ان کا کہ آئینہ یا موم
کبھی اللہ زباں پہ تھا کبھی اوم
مہر باں سب پہ ہو شریف کہ ڈوم
سب اسیر کوئے اسد ہوکہ لوم
حضرت شاد اب کہاں عالی

تھے پیمبر کے مدح خوانوں میں
تھے سری کرشن کے بیانوں میں
درد گیتا کا سب زبانوں میں
اہل عرفاں کے راز دانوں میں
حضرت شاد اب کہاں عالی

ان کا مذہب تھا مذہب ہمہ اوست
ان کا مطلب تھا مذہب ہمہ اوست
ان کا قالب تھا مذہب ہما اوست
ان کا مشرب تھا مشربِ ہمہ اوست
حضرت شاد اب کہاں عالی

تھے جری سینہ تاننے والے
معرفت کے تھے چھاننے والے
تھے فقیروں کے ماننے والے
رمزیں سب ان کی جاننے والے
حضرت شاد اب کہاں عالی

عشق اور حسن کے تھے متوالے
گنج زر کتنے پھونک ہی ڈالے

رنگ کیا کیا تھے دیکھے اور بھالے
عیب و خوبی کے جانچنے والے
حضرت شاد اب کہاں عالی

درد غیروں کا سن کے روتے تھے
ہو کے بچپن پھر نہ سوتے تھے
اشک سے گھنٹوں منھ کو دھوتے تھے
بیج رحم و کرم کے بوتے تھے
حضرت شاد اب کہاں عالی

آخرت ان کو جی سے پیاری تھی
درد تھا غم تھا آہ وزاری تھی
دھیان حق کا تھا یاد باری تھی
اللہ والوں سے خوب یاری تھی
حضرت شاد اب کہاں عالی

[۱۳]

مہاراجہ کشن پرشاد تعصب اور عقائد سے پرہیز کرتے تھے ہمیشہ مذہب کو پہلے ترجیح دیتے۔ خوش مزاج تھے بذلہ سنجی ان کی طبیعت کا نمایاں وصف تھا غصّہ ان کی فطرت میں نہ تھا۔ شاہانہ مرتبہ کے باوجود ہمیشہ عاجزی اور انکساری کو اپنا شیوہ بناتے۔ ہر خاص و عام کو ایک نظر دیکھتے۔ اکثر اوقات حکمراں لوگ

رئیسوں اور امراؤں کو اپنے یہاں نمایاں مقام و مرتبہ دیتے ہیں اور غریب اور کمزور طبقہ سے دوری اختیار کرتے ہیں لیکن مہاراجہ کشن پرشاد سب کے ساتھ مساوی سلوک کرتے۔علم و ہنر کے دلدادہ تھے۔فنکاروں کی قدر کرتے علماؤں کی عزت کرتے تھے۔ ہر کسی کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آتے۔ان سے ملنے والے ان کے اخلاق و آداب کے قائل ہو جاتے اس عہد کے نمایاں فنکار،علم و ہنر کے ماہران کے دربار میں موجود ہوتے۔کبھی کسی کو نیچا دکھانا، ذلیل کرنا ان کی فطرت میں نہ تھا۔ بڑے بڑے امراؤں ونوابوں سے ان کے خاص مراسم تھے۔اگر کسی کے پاس اچھائی اور نیکو کاری دیکھتے تو خود بھی اسے اپنا لیتے فن کاروں اور ہنرمندوں سے ہنر وفن سیکھا کرتے۔جو بھی عالم وفن کاران سے ملتا وہ اس کے علم وفن کی خوب پذیرائی کرتے ۔سائل اور فقیر کبھی ان کے یہاں سے خالی ہاتھ نہ لوٹتا جو کوئی ضرورت مند ان سے مدد طلب کرتا اس کی مدد کرتے۔بلکہ ایک داتا کی طرح ہمیشہ غریبوں اور محتاجوں کی جھولی بھر دیتے تھے۔

دین کا درد تھا نہ کب ان میں
تھا نہ غصہ بھی بے سبب ان میں
اپنے مالک کا تھا ادب ان میں
ہم نے دیکھا ہی خوف رب ان میں
حضرت شاد اب کہاں عالی

ان کی دولت میں سیم و زر ہی نہ تھا
ان کی محفل میں کینہ در ہی نہ تھا
بند سائل پہ ان کا در ہی نہ تھا
اہل حاجت کو کچھ خطر ہی نہ تھا
حضرت شاد اب کہاں عالی

اہل فضل ان کے پاس آتے تھے
فن جو رکھتے تھے فن دکھا تے تھے
ان سے خود بعض سیکھ جاتے تھے
سر ادب کا کبھی جھکا تے تھے
حضرت شاد اب کہاں عالی

منطقی تھے دلیل رکھتے تھے
کب کسی کو ذلیل رکھتے تھے
شرع کو جو کفیل رکھتے تھے
ان کی اچھی سبیل رکھتے تھے
حضرت شاد اب کہاں عالی

کوئی اہلِ ہنر جو آتا تھا
پہلے بستر یہیں لگاتا تھا
خالی ہاتھوں جو پاس جاتا تھا
دُرِ مقصود رُول لاتا تھا
حضرت شاد اب کہاں عالی

سائلوں کو یہی دلاتا تھا
بعد شاہِ دکن یہ داتا تھا

خالی در سے کوئی نہ جاتا تھا
جو تھا تقدیر میں وہ پاتا تھا
حضرت شاد اب کہاں عالی

سب امیروں سے ان کی راہیں تھیں
سب طریقوں میں دستگاہیں تھیں
ساتھ دالے گئے تو آہیں تھیں
ان کے گھر بار پر نگاہیں تھیں
حضرت شاد اب کہاں عالی

[۱۴]

مہاراجہ کشن پرشاد اعلیٰ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے علم و ہنر کی پاسداری ان کے خون میں شامل تھی مہاراجہ چندو لال کے وارث تھے جو اخلاق و آداب کے لیے مشہور تھے اعلیٰ اخلاق و آداب انھیں ورثے میں ملے تھے ہمیشہ بزرگوں اور بڑوں کی عزت کرتے نہایت ہی احترام سے ان کا حکم مانتے تھے۔ وزیر اعظم ہونے کے باوجود نرم گوئی ان کا لہجہ تھا ایک عام انسان کی طرح زندگی گذارنا پسند کرتے تھے۔ آم کے بڑے شوقین تھے۔ خدا نے انھیں پختہ ذوق اور اعلیٰ ذہن و عقل سے سرفراز کیا تھا۔ ان کی محفلوں میں ہمیشہ علم پرور لوگ رہتے تھے شاعری کا ذوق تھا جلیلؔ مانکپوری، داغؔ دہلوی، فانیؔ وغیرہ جیسے شاعران کی محفلون سے وابستہ تھے۔ ان حلقہ احباب میں کئی نامور شخصیتیں شامل تھیں جن کے نام گنوانا ممکن نہیں، ان کی ناگہانی موت سے ان محفلوں سے نور چلا گیا۔ راجہ نرسنگھ راج عالیؔ نے مہاراجہ کی موت سے ان کے دم سے منعقد ہونے والی محفلوں کا ذکر مرثیہ، ''غم احباب شاد'' میں بخوبی انداز میں کیا ہے اور افسوس اور غم کا اظہار کیا ہے کہ ان کی موت کے بعد ان علم و ہنر کے پروانوں کی کون قدر دانی کرے گا۔ کون ادبی محفلوں کو منعقد کرے گا۔ نہ اب

شاعری میں جوش رہے گا اور نہ ہی سخن میں مزار ہے گا۔ کیوں کہ مہاراجہ کشن پرشاد خود ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے اور محفل شاد کے روحِ رواں تھے ان ہی کے دم سے محفل شاد میں لطف و امتیاز تھا ہمیشہ رند کا بھی انتظام رکھتے تھے اور ایک اعلیٰ پائے کے بزرگ کی طرح ہر خاص و عام کا خیال رکھتے تھے۔ اس تمام حقیقت کو نرسنگھ راج عالؔی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

وارث خوش دماغِ شاداں تھے
اہل فکر و سراغ شاداں تھے
بلبل نخل باغِ شاداں تھے
یہی چشم و چراغ شاداں تھے
حضرت شاد اب کہاں عالی

خلق میں تھے یہ بے نظیر و جواب
یہ تھے مشہور واقف آداب
جامہ زیبی میں ان کی آب و تاب
کون پاسکتا ہے بتائیں جناب
حضرت شاد اب کہاں عالی

آم کے میوے کے بڑے شائق
پخت و پز میں تھے کامل و فائق
تھے ذہین و متین عجب حاذق

سینکڑوں کیا ہزاروں میں لائق
حضرت شاد اب کہاں عالی

ان کی محفل میں تھے ضیا سائل
داغ و اختر جلیل سے کامل
رمز فانی تھے محوی اور مائل
تیر الطاف کے سبھی گھائل
حضرت شاد اب کہاں عالی

ہم سے ممکن نہیں گنائیں نام
ہم سے ممکن نہیں سنائیں نام
سینکڑوں ہی تھے کیا بتا میں نام
ہے جگہ تنگ کیسے لائیں نام
حضرت شاد اب کہاں عالی

شاعروں کو بلائیگا اب کون
ناز ان کے اٹھائیگا اب کون
پاس ان کو بٹھائیگا اب کون
ساتھ اپنے کھلائیگا اب کون
حضرت شاد اب کہاں عالی

نہ سخن ہے نہ بزم ہی باقی
صرف آپس کی رزم ہی باقی
اب نہ عازم نہ عزم ہی باقی
پختہ رائیں نہ جزم ہی باقی
حضرت شاد اب کہاں عالی

محفل شاد یاد گار رہی
ہر زمانہ میں ساز گار رہی
یہ وہ محفل تھی نور بار رہی
کامیابی سے پر بہار رہی
حضرت شاد اب کہاں عالی

شاعری میں کمال رکھتے تھے
راگ کا بھی خیال رکھتے تھے
رند تھے مست حال رکھتے تھے
پر بزرگوں کی چال رکھتے تھے
حضرت شاد اب کہاں عالی

لکھتے تھے یہ فقیر اپنے کو
جانتے تھے حقیر اپنے کو

نہ وہ سمجھے دبیر اپنے کو
نہ امیر و وزیر اپنے کو
حضرت شاد اب کہاں عالی

۱۵

غرض یہ کہ مہاراجہ کشن پرشاد ایک سادہ طبیعت کے مالک تھے ملنساری اور خوشگوار مزاج ان کے اوصاف تھے وہ اعلیٰ مقام ومرتبہ پر فائز ہوکر بھی ہمیشہ خود کو حقیر سمجھتے تھے امیروں اور وزیروں کے درمیان رہ کر بھی سادگی پسند تھے۔ان کی صاف گوئی، ذہانت وفراست کے باعث وہ نہ صرف ہندوستان کے وزراء میں مشہور تھے بلکہ یورپ میں بھی ان کے کارناموں کا بول بالا تھا۔علم نجوم اور علم طب سے بھی بخوبی واقفیت رکھتے تھے۔ جوتش کا علم رکھنے والوں کی بھی قدر کرتے ان کے اوصاف و اخلاق کو دیکھ کر دشمن بھی ان کا گرویدہ ہوجاتا۔وہ اپنی بات نہایت عاجزی اور انکساری سے سامنے رکھتے سننے والا ندیم ہوجاتا زور زبردستی کر کے اپنی بات کو منوانے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی عاجزی سے کام لیتے اور کبھی کسی بات کے لئے دوسروں پر دباؤ نہیں ڈالتے تھے اور نہ ہی کسی کے ساتھ جبر اور زیادتی کرتے۔دوستوں پر جانثار کرتے۔اگر ایک بار کسی کو اپنا دوست سمجھتے تو جان دے کر بھی اس سے دوستی نبھاتے تھے ہمیشہ دوستوں کے کام آتے ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ اور اپنی پریشانی سمجھتے۔ان اوصاف کو راجہ نرسنگھ راج عالی مرثیہ ''غم احباب شاد'' میں اس طرح اجاگر کرتے ہیں۔

ہند و یورپ میں ان کا نام ہوا
نام مقبول خاص و عام ہوا
ان کا دشمن بھی آکے رام ہوا
مقصد زندگی تمام ہوا
حضرت شاد اب کہاں عالی

علم جوتش کو تم سے زینت تھی
سینکڑوں کی تمہیں سے ہمت تھی
طب کے ماہر تھے تم میں حکمت تھی
سچ ہے تم پہ خدا کی رحمت تھی
حضرت شاد اب کہاں عالی

تم بُروں کو بھلا سمجھتے تھے
جان برملا سمجھتے تھے
کوئی ہو باصفا سمجھتے تھے
باصفا باخدا سمجھتے تھے
حضرت شاد اب کہاں عالی

کبھی انکار لب پہ آیا نہیں
کبھی اصرار لب پہ آیا نہیں
حرف تکرار لب پہ آیا نہیں
لفظ بیکار لب پہ آیا ہیں
حضرت شاد اب کہاں عالی

تم کو صنعت میں دخل اتنا تھا
کیا بتائے کوئی کہ کتنا تھا

جانتے ہیں عمل بھی جتنا تھا
عطر تھا آپ کا کہ فتنا تھا
حضرت شاد اب کہاں عالی

دوستوں پر ہمیشہ مرتے تھے
شان کا کچھ نہ دھیان دھرتے تھے
بے دھڑک کام ان کا کرتے تھے
دم ہمیشہ انہی کا بھرتے تھے
حضرت شاد اب کہاں عالی

دکھ ہو ان کو تو زرد تھے خود تم
ان کی زحمت سے سرد تھے خود تم
شاملِ رنج و درد تھے خود تم
کیا کہیں کیسی فرد تھے خود تم
حضرت شاد اب کہاں عالی

کیا محبت تھی کیا مروت تھی
کیسی ہمت تھی کیا شجاعت تھی
کب تھی فرصت کہاں فراغت تھی

کیسی داد وہ دہش سے رغبت تھی
حضرت شاد اب کہاں عالی

۱۶

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے والد گردھاری پرشاد باقی سے بھی مہاراجہ کشن پرشاد واقف تھے چوں کہ گردھاری پرشاد باقؔی بھی ایک بہترین سخن ور تھے اسی لئے کرشن پرشاد ہمیشہ ان کی عزت کرتے۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو بھی مہاراجہ کشن پرشاد اپنے احباب خاص میں ہمیشہ شامل کرتے۔ انھیں عزت، مقام و مرتبہ سے نوازتے، ہمیشہ دربار کی محفلوں میں انتظام کی ذمہ داری سونپتے۔ جب کبھی نرسنگھ راج عالؔی ان سے ملنے نہیں جاتے یا کام کی وجہ سے مصروف ہوتے تو خود مہاراجہ کشن پرشاد انھیں بلاتے اور نہ ملنے کا سبب دریافت کرتے، اپنے گلے سے لگاتے اور اپنے پاس بیٹھاتے ان کی قدر کرتے۔ ان کی مہمان نوازی کرتے اپنے ہمراہ کھانا کھلاتے۔ لیکن مہاراجہ کی موت سے اب یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ نرسنگھ راج عالؔی مہاراجہ کے بنا خود کو تنہا محسوس کرتے ہیں اور رنجور ہوکر اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اب چاہ کر بھی نہ ہم مہاراجہ کشن پرشاد کو دیکھ سکیں گے اور نہ ہی اس عظیم المرتبہ شخصیت کو بلا پائیں گے۔

راجہ باقی کے قدرداں تم تھے
اور عالؔی پہ مہرباں تم تھے
میری عزت کے آسماں تم تھے
زیست کی میری داستاں تم تھے
حضرت شاد اب کہاں عالی

تم نے چاہا مجھے بڑھایا مجھے
اپنا کرکے گلے لگایا مجھے

میں نہ آیا تو پھر بلایا مجھے
حال دل کا سبھی سنایا مجھے
حضرت شاد اب کہاں عالی

آپ کو ہم بھلا نہیں سکتے
یاد دل سے مٹا نہس سکتے
ایسی دولت گنوا نہیں سکتے
فیض صحبت چھپا نہیں سکتے
حضرت شاد اب کہاں عالی

کب ہو دیدار دل بھٹکتا ہے
یاد سے ہر گھڑی دھڑکتا ہے
دم بھی سینے میں اب سسکتا ہے
حال بگڑا ہوا ہے سکتا ہے
حضرت شاد اب کہاں عالی

۱۷

جب کوئی انسان دنیا چھوڑ جاتا ہے تو اپنے پیچھے کئی رشتے چھوڑ جاتا ہے لوگ (رشتہ دار) آہیں بھر سکتے اور تڑپتے ہوئے اس کے رخصت کو برداشت کرتے ہیں مہاراجہ کشن پرشاد کی موت نے ان کی بیوی کو ودھوا کر دیا نہ اب کبھی ان کے سر پر تاج سجے گا اور نہ ہی وہ کبھی اپنے شوہر کو دیکھ پائے گی بچوں کو باپ کی

محبت نہ کوئی دے پائے گا اور نہ ہی بچے اپنے والد کو بھول پائنگے کیوں کہ اب ان کے والد اس جہاں سے کوچ کر گئے ۔عثمان علی بادشاہ کی ریاست کے وزیر اعظم کی جگہ سونی ہوگی اب کون ہوگا جو ان کی طرح کام سنبھالیں گا۔ کیوں کہ مہاراجہ کشن پرشاد ایک بردبار، ہوشیار، دوراندیش وزیر اعظم تھے ملک کی خوش حالی اور ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے تمام ریاست کے اہم فرائض کو بخوبی نبھاتے رعایا کا خیال رکھتے مالک سے وفاداری نبھاتے ۔ریاست کی ترقی اور یہاں کے امن وامان کے لئے ہمیشہ فکرمند رہے،مختلف امراؤں اور نوابوں اور حکمرانوں سے ملاقات کرتے اور رائے مشورہ کرتے کہ کس طرح ریاست کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا جائے ۔علم وفن کی قدرداں تھے علم کی اہمیت کو سمجھتے تھے ان کے انتقال سے نہ صرف ان کے اہل خاندان اور دوست واحباب غمزدہ ہے بلکہ ساری ریاست رنجور ہے۔اس تمام کیفیت کا بیان عالؔی نے مرثیہ میں عمدہ لب ولہجہ میں کیا ہے۔

آج راحت محل کا تاج نہیں
شوہری حیف ان کا راج نہیں
وہ مسرت وہ ابتہاج نہیں
ان کو اب کوئی کام کاج نہیں
حضرت شاد اب کہاں عالی

خواجہ راجہ بھی ہوگئے ہیں یتیم
ہیں سمجھدار ہوشمند فہیم
شاہِ عثمان کا ان پہ لطف قدیم
دشمنون سے بچا تو رب کریم
حضرت شاد اب کہاں عالی

اپنے مالک پہ جان یہ دیں گے
مثل والد زبان یہ دیں گے
اچھی باتوں پہ کان یہ دیں گے
خاندانی نشان یہ دیں گے
حضرت شاد اب کہاں عالی

کام اسٹیٹ کا سنبھالیں گے
فرض احساس کا بھی پالیں گے
پچھلی عزت سبھی سنبھالیں گے
نام اجداد کا اچھالیں گے
حضرت شاد اب کہاں عالی

ان کی شادی کی آرزو ولیں
کہ کرے آکے جابہو دل میں
اور پوتے کی جستجو دل میں
رنگ دنیا کی یہ تھی بو دل میں
حضرت شاد اب کہاں عالی

ہیں اسد اور خواجہ حشمت
اور نصراللہ خواجہ عظمت

یا خدا مل کے رہنے کی ہمت
کر عطا ہے بڑی تری رحمت
حضرت شاد اب کہاں عالی

ان میں دو ہوشیار دو ہیں عقیل
دو ہیں ایسے کہ بھائی ان کے کفیل
اک ملازم ہیں اک نہیں ہیں دخیل
لطف شہ ہو تو ہوگی جلد سبیل
حضرت شاد اب کہاں عالی

۱۸

عالؔی نے مہاراجہ کشن پرشاد کی اولاد کی تفصیل نہایت ہی درد بھرے انداز میں بیان کی ہے۔اور دعا کی ہے کہ خدائے پاک ان بچوں کا مستقبل بہتر کرے اور آپس میں متحد رہنے کی توفیق عطا فرما۔اگر مہاراجہ زندہ ہوتے تو ان بچوں کی ہر فرمائش پوری کرتے لیکن افسوس اب شاد نہیں رہے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے مرثیہ کے آخری حصے میں مہاراجہ کشن پرشاد سے ان کے مراسم کی ترجمانی کی ہے کہ مہاراجہ کشن پرشاد ہمیشہ نرسنگھ راج کی فکر کرتے ان کے سکھ دکھ میں ان کا ساتھ دیتے۔بارہا انھیں اپنے گھر بلاتے اور بارہا ان کے گھر پہ آتے تھے اب ان کی موت نے نرسنگھ راج سے ایک پرخلوص، ہمدرد دوست چھین گیا ہے۔جس کی وجہ سے وہ بے چین ومضطرب ہے۔کہیں بھی انھیں راحت نہیں ہر جگہ انھیں ان کی پرخلوص محبت اور رویہ یاد آتا ہے۔مہاراجہ کشن پرشاد تین دن اور تین رات بیمار رہے۔اور بے ہوشی کے عالم میں نرسنگھ راج عالی کو یاد کرتے رہے ان کا عالم بے ہوشی میں نرسنگھ راج کو یاد کرنا ان کے خلوص ودوستی کی علامت ہے۔جس کو راجہ نرسنگھ راج عالؔی اپنی خوش نصیبی قرار دیتے ہیں۔

اب کہاں میں بھٹک کے جاوں گا
کون سی جا سکون پاوں گا
لاکھ تڑپوں گا تلملاوں گا
پر کہاں سے تجھے میں لاوں گا
حضرت شاد اب کہاں عالی

دکھ میں تونے مری خبر لی تھی
بارہا گھر پہ آکے عزت دی
حاسدوں کی نہ ایک تو نے سنی
دل کی ہر بات کرکے دکھلائی
حضرت شاد اب کہاں عالی

تین دن تین رات تھے بیمار
میں بھی نزدیک ہی رہا بیدار
تھا نہ معلوم تم ہوئے بے زار
اور محبت کا ہوگا ایسا شعار
حضرت شاد اب کہاں عالی

بے ہوشی میں بھی میرا نام لیا
آپ نے یہ ثبوت خاص دیا

میں نے کچھ کام آپ کا نہ کیا
اک محبت کا جام تھا کہ پیا
حضرت شاد اب کہاں عالی

آپ کو اب کہاں سے لاوں میں
سر پہ آنکھوں پہ پھر بٹھاوں میں
سر گزشت اپنی کہہ سناوں میں
ایسی قسمت کہاں سے پاؤں میں
حضرت شاد اب کہاں عالی

آپ تھے آفتاب حضرت شاد
آپ تھے ماہتاب حضرت شاد
در معنی کی آب حضرت شاد
اور تھے لاجواب حضرت شاد
حضرت شاد اب کہاں عالی

۱۹

آخر میں نرسنگھ راج عالؔی خدا سے دعا گو ہوتے ہوئے دلی تمنا کا اظہار کرتے ہیں کہ کاش دنیا میں مہاراجہ رہ پاتے یہ سانحہ کسی طرح ٹل جاتا۔ کسی کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ مہاراجہ اتنی جلدی اس دارِفانی سے کوچ کر جائنگے اور اس طرح تمام رشتہ داروں، دوستوں اور نرسنگھ راج عالی سے منہ موڑ لیں گے۔ مہاراجہ کی بے

وقت موت نے سبھی کو مایوس کر دیا ہے کیوں کہ مہاراجہ کشن پرشاد جیسے نیک دل، خوش مزاج، ہمدرد اور رحم دل انسان کبھی کبھی ہی اس دنیا میں جنم لیتے ہیں۔ نرسنگھ راج عالؔی ان کی موت کے غم کو برداشت نہیں کر پا رہے ہیں اور اس غم کو زندگی کا سب سے بڑا غم مانتے ہیں ان کی موت کے صدمے میں وہ اس قدر رنجور اور غم زدہ ہیں کہ اب ان کی طاقت گویائی بھی ختم ہو رہی ہے۔

کاش دنیا میں آپ رہ جاتے
ہم سے مرجاتے یا کہ بہہ جاتے
آپ گر ہم سے کاش کہ جاتے
ہم بڑے سانحہ کو سہہ جاتے
حضرت شاد اب کہاں عالی

کیا خبر تھی کہ منھ کو موڑیں گے
اس قدر جلد رشتے توڑیں گے
رو کے ہم آنکھیں اپنی پھوڑیں گے
یہ طریق وفا نہ چھوڑیں گے
حضرت شاد اب کہاں عالی

دل میں آتا ہے بار بار کہوں
حضرت شاد کا کلام سنوں
اور سن کر دعائیں دل سے دوں

جب نہ پاؤں تمہیں سر اپنا دھنوں
حضرت شاد اب کہاں عالی

لوگ آتے تھے چھوڑ کر پونا
اک سعادت تھی سنگِ در چھونا
تم سے غم سب کا ہو گیا دونا
تم گئے ہوگیا جہاں سونا
حضرت شاد اب کہاں عالی

کاش میں تجھ سا نیک خو ہوتا
گلِ الفت کا رنگ و بو ہوتا
دل کو میں چیرتا تو تو ہوتا
تو ہی و اللہ ہو بہو ہوتا
حضرت شاد اب کہاں عالی

طول رکھتی ہے داستانِ غم
آہ ہے دل کی اور فغانِ غم
بہر احباب ارمغانِ غم
ختم کر عالی اب بیانِ غم
حضرت شاد اب کہاں عالی

ہے کہاں تاب اور تواں عالؔی

ہے کہاں طاقتِ بیاں عالی

شاد صوفی ہیں اب نہاں عالؔی

کر گئے تجھ کو نیم جاں عالی

حضرت شاد اب کہاں عالی

۲۰

غرض یہ کہ راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے مرثیہ غم احباب شاد میں مہاراجہ کشن پرشاد کے تمام اوصاف، اخلاق وآداب، بیماری، موت اوران کی تاریخ وفات کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ اپنے مراسم کا بھی بیان شعری نغمگی اورلطیف لب ولہجہ میں کیا ہے۔

نرسنگھ راج عالؔی کے یہاں یوں تو صرف دومرثیے ملتے ہیں لیکن یہ دونوں ہی شخصی مرثیے ادب کی بالخصوص حیدرآباد کی مشہور شخصیتوں سے متعلق ہے چوں کہ محبوب راج محبوب اورمہاراجہ کشن پرشاد بلند پایہ شاعر ہیں اسی لئے ان کی وفات اور بیماری ان کے اوصافِ حمیدیہ سے متعلق تفصیلات ان کی شاعری کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوسکتی ہے نرسنگھ راج عالؔی نے روانی وسلاست سے ان سے متعلق تمام تفصیلات کوشعر کے قالب میں ڈھالا ہے ان کے دونوں مرثیے ''ارمغان محبوب'' اور''غم احبابِ شاد'' مبالغہ آرائی سے پاک ہیں نہایت ہی غمزدہ لہجہ میں انھون نے تمام حقائق کو پیش کیا ہے شخصی مرثیے کے تمام اصول وضوابط کو برتنے میں کامیاب رہے۔ان کے یہ مرثیہ یقیناً اردومرثیے میں بیش قیمتی خزانے کی اہمیت رکھتے ہیں۔

حواشی

۱ مجاور حسین رضوی، روحِ انیس، ص:۱۶

۲ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی، ''اردو مرثیہ، شخصی مرثیے، مشمولہ، اردو مرثیے'' مرتبہ ڈاکٹر شارب ردلوی، ۱۹۹۱، ص:۲۴۶

۳ عالؔی، نرسنگھ راج، ارمغانِ محبوب، حیدرآباد، ص۲،۳

۴ عالؔی، نرسنگھ راج، ارمغانِ محبوب، حیدرآباد، ص۳،۴

۵ عالؔی، نرسنگھ راج، ارمغانِ محبوب، حیدرآباد، ص۴،۶

۶ عالؔی، نرسنگھ راج، ارمغانِ محبوب، حیدرآباد، ص۷،۸،۹

۷ عالؔی، نرسنگھ راج، ارمغانِ محبوب، حیدرآباد، ص۱۰،۱۱،۱۲

۸ (ڈاکٹر شیلا راج، دیوانِ عالؔی، ص:۲۵

۹ مجلّہ عثمانیہ جلد۱۳ شمارہ۴، مہاراجہ نمبر، ص:۲

۱۰ عالی، نرسنگھ راج، غم احبابِ شاد، حیدرآباد، ص۸

۱۱ عالی، نرسنگھ راج، غم احبابِ شاد، حیدرآباد، ص۸،۹،۱۰

۱۲ عالی، نرسنگھ راج، غم احبابِ شاد، حیدرآباد، ص۱۰،۱۱

۱۳ عالی، نرسنگھ راج، غم احبابِ شاد، حیدرآباد، ص۱۲،۱۳

۱۴ عالی، نرسنگھ راج، غم احبابِ شاد، حیدرآباد، ص۱۳،۱۴

۱۵ عالی، نرسنگھ راج، غم احبابِ شاد، حیدرآباد، ص۱۵،۱۶

۱۶ عالی، نرسنگھ راج، غم احبابِ شاد، حیدرآباد، ص۱۷،۱۸

۱۷ عالی، نرسنگھ راج، غم احبابِ شاد، حیدرآباد، ص۱۸،۱۹

۱۸؎ عالی، نرسنگھ راج، غم احبابِ شاد، حیدرآباد، ص ۱۹، ۲۰

۱۹؎ عالی، نرسنگھ راج، غم احبابِ شاد، حیدرآباد، ص ۲۱، ۲۲

۲۰؎ عالی، نرسنگھ راج، غم احبابِ شاد، حیدرآباد، ص ۲۳، ۲۴

☆☆☆

بابِ پنجم

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی نظم نگاری

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے جہاں غزل گوئی میں عشق و عاشقی کے مضامین باندھے ہیں وہیں نظموں میں اصلاح پسند موضوعات کو جگہ دی ہے۔غزلوں کے مقابلے میں انھوں نے نظمیں بہت کم لکھی ہیں لیکن ان کی نظموں میں نئے اور اصلاحی موضوعات ملتے ہیں۔''دیوانِ عالؔی'' میں صرف چھ نظمیں شامل ہیں پہلی نظم میں شراب کو موضوع بنایا گیا لیکن نرسنگھ راج عالؔی نے اس نظم کو کوئی عنوان نہیں دیا ہے۔ یہ نظم جنوری ۱۹۳۷ء میں لکھی گئی تھی اس نظم میں عالؔی نے شراب کے مضر اثرات قلمبند کئے ہیں یہ نظم غزل کی ہئیت میں لکھی گئی ہے اگر ساخت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ نظم ۱۹ اشعار پر مشتمل ہے۔

نظم کے آغاز میں عالؔی نے شراب اور شراب خانہ دونوں ہی کو خراب شئے قرار دیا ہے۔اور مذہبی دلائل دیتے ہوئے شراب کو ممنوع کہا ہے کہ اگر انسان شراب چھوڑ کر سیدھے راستے پر گامزن ہوگا تو اس کی زندگی کامیاب و کامران ہوگی گھر اور رزق میں برکت رہے گی انسان جو شراب کا عادی ہوتا ہے وہ ہمیشہ نقصان اٹھاتا ہے سکون اور چین اس سے دور ہوتا ہے ہمیشہ اس کا دل جلتا رہتا ہے نہ ہی مذہبی اعتبار سے وہ نیک انسان تصور کیا جاتا ہے اور نہ ہی دنیا اور سماج میں اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

شراب چھوڑو تو زندگی ہے شراب خانہ خراب بھی ہے
یہی عبادت ہے بندگی ہے جزائے روزِ حساب بھی ہے
جو اس کو چھوڑو تو فائدہ ہے تمام گھر میں رہے گی برکت
عذاب سے بھی نجات ہوگی اور اس سے حاصل ثواب بھی ہے
شراب پینے کو خون سمجھو نہ دل جلا کر کباب کردو
یہ اہل دل کی نصیحتیں ہیں یہ حکم شرع و کتاب بھی ہے۔
جہاں ترقی پہ گامزن ہے سنبھل کے چلنے کا وقت ہے یہ
ہر ایک تم سے کبیدہ ہوگا خدا کا لازم عتاب بھی ہے

جو وید و قرآن ہیں دونوں تابع پھر اس کا پینا کہاں سے جائز
کوئی یہ پوچھے تو کیا کہو گے کوئی تمہارا جواب بھی ہے۔

[1]

اکثر مذاہب میں بھی شراب کو ناجائزہ قرار دیا ہے کیوں کہ اکثر انسان شراب کے نشے میں نازیبا حرکتوں پر اتر آتا ہے۔ بلخصوص اسلام میں شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نرسنگھ راج عالؔی نے قرآن اور مقدس وید کے حوالے سے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ شراب ایک ناجائز شئے ہے جس کو نوش فرما کر انسان اپنے اخلاق و آداب فراموش کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر اور حکیم وطبیب بھی یہی مشورہ دیتے ہیں کہ شراب انسان کے شباب کو بھی متاثر کر دیتا ہے۔ شراب انسان کے جگر اور دوسرے اندرونی اعضاء کو ناکارہ بنا دیتی ہے۔ نہ صرف اس کا اثر اندرونی اعضاء پر ہوتا ہے بلکہ آنکھیں اور چہرہ بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور چہرہ زرد پڑ جاتا ہے۔ انسان شراب کے لیے اپنی محنت سے کمائی ہوئی گاڑھی کمائی کی بھی پرواہ نہیں کرتا بلکہ پیسے دے کر اپنے لیے بیماری اور وباء خرید لاتا ہے اس لیے نرسنگھ راج عالؔی اس نظم میں مشورہ دیتے ہیں کہ شراب پی کر پیسہ خراب کرنے کے بجائے ان روپیوں کا صحیح استعمال کیا جائے انسان کی کمائی کے اصلی حق دار اس کے اہل وعیال ہے اس پر ان کی ذمہ داریاں ہوتی ہے انسان کو چاہیے کہ وہ پہلے ان ذمہ داریوں کو پائے تکمیل کو پہنچائے اپنے بچوں کو تعلیم دلوائے۔ ان کی ضرورتوں اور خواہشوں کو پورا کرے نہ شراب پی کر ان کا مستقبل تباہ و تاراج کرے۔

اصول حکمت سے اس کا پینا برا بتاتے ہیں سب اطبّا
تم اس کو پیکر لرز رہے ہو پھر اس پہ طرہ شباب بھی ہے
شراب و شرہی کی بدولت عصائے پیری ہے ہاتھ میں بھی
ہیں سرخ آنکھیں تو زرد چہرہ تلاش اعلیٰ خضاب بھی ہے
نہ چھوٹیں بہر خدا فرائض جو تم پہ اہل و عیال کے ہیں
بچاؤ پیسے پڑھاوان کو تمہیں حق انتخاب بھی ہے
زمانے میں سیکڑوں ہیں ناوک جو دل کر و تم تو دیر کیا ہے
سنو یہ عالؔی سے ایک تارک یہ ذرۂ آفتاب بھی ہے۔

[2]

اس حقیقت سے سبھی واقف ہیں کہ شراب پی کر انسان اپنے ہوش وحواس کھو دیتا ہے اپنوں کے ساتھ غیر شائستہ اور نازیبا سلوک کرتا ہے اس کے ہاتھ بوڑھے آدمیوں کی طرح کانپتے ہیں اور لڑکھڑاتے ہوئے وہ اپنا توازن کھو دیتا ہے۔ اسی لیے نرسنگھ راج عالؔی شراب کو فتنہ قرار دیتے ہیں کیوں شراب کے نشے میں انسان اپنے مطالبے پورے نہ ہونے پر دوسروں پر بالخصوص اپنے اہل وعیال پر ظلم وستم کرتا ہے کبھی کبھی اپنا آپا کھو کر وہ لوگوں کا قتل کرنے پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے اکثر اوقات یہ بھی ہوا ہے کہ انسان شراب کے نشے میں خود کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ دین وایمان سے دور ہو جاتا ہے اس کی عزت وعصمت خاک میں مل جاتی ہے اس کی زندگی بے لطف و بے کیف ہو کر رہ جاتی ہے ایک بار اگر انسان شراب کی لت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو تا حیات وہ اسی شراب کے نشے میں گرفتار رہتا ہے شراب نہ ملنے پر وہ بے چین و بے قرار رہتا ہے۔ اسکے اعضاء کمزور پڑنے لگتے ہیں وقت سے پہلے ضعیفی اس کی جوانی پر دستک دیتی ہے اس کی عقل وذہن شعور کی آگہی سے ناپید ہو جاتے ہیں۔ عالؔی اس تمام حقیقت کو بیان کرتے ہوئے شراب چھوڑنے کی تلقین کرتے ہیں۔

شیشہ و جام توڑ دو چھوڑو شراب چھوڑ دو
چھوڑو شراب چھوڑو شراب چھوڑو شراب چھوڑو
خبث کی جاں یہی تو ہے دشمن جاں یہی تو ہے
ظلم وستم کی ہے یہ بیج، فتنہ کی کان یہی تو ہے
آفت جانِ ناتواں، تیغِ رواں یہی تو ہے
خانہ خراب ہے۔ یہی قاتل شان یہی تو ہے
شیشہ و جام چھوڑ دو چھوڑو شراب چھوڑ دو چھوڑو
شراب چھوڑو شراب چھوڑو شراب چھوڑ دو
دین سے اس کو دشمنی، یہ ہے وبال زندگی

شغل ہے اس کا پرخطر یہ ہے زوال زندگی
کرتی ہے خشک جڑ سے یہ سارا نہال زندگی
الجھا ہوا ہے بے طرح اس سے سوال زندگی
شیشہ و جام توڑ دو چھوڑو شراب چھوڑو شراب چھوڑ دو
چھوڑو شراب چھوڑو شراب چھوڑو شراب چھوڑ دو
شاغل مے جو ہے کوئی اس کا پتہ کہیں نہیں
کونسا در ہے وہ جہاں جھکتی ہے یہ جبیں نہیں
ذلت اسے ہے ہر جگہ خوار فقط نہیں نہیں
لطف ہو زندگی کا خاک زیست یہ کچھ نہیں نہیں
شیشہ و جام توڑ دو چھوڑو شراب چھوڑ دو شراب چھوڑ دو
چھوڑو شراب چھوڑو شراب چھوڑو شراب چھوڑ دو
بیکار ہوگئی ہے عقل تیاریاں رہیں نہیں
اس طرح مٹ گیا ہے دل غم خواریاں رہیں نہیں
شیشہ و جام توڑ دو چھوڑو شراب چھوڑو شراب چھوڑ دو
چھوڑو شراب چھوڑو شراب چھوڑ دو

۳

نرسنگھ راج عالؔی اپنی نظموں کے ذریعہ شراب جیسی مضر شئے سے سماج کو چھٹکارا دلانا چاہتے ہیں کیوں کہ سماج کے اکثر نوجوان اس لت میں گرفتار ہونے کے بعد اپنی تمام زندگی بے کار اور رائیگاں کر لیتے ہیں۔ مئے کے شوق میں وہ اپنا سرمایہ لٹا دیتے ہیں دیکھتے دیکھتے وہ بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر

ڈاکٹر کے گھر کے چکر لگاتے گھومتے رہتے ہیں انھیں نہ اپنی ماں کی فکر ہوتی ہے نہ اپنے بوڑھے باپ کی، ایسے بھی نوجوان ہوتے ہیں جو شراب کی عادت میں مجبور ہو کر اپنے بچوں سے ان کا بچپن چھین کر ان سے محنت کرواتے ہیں ان کی تعلیم کو ترک کروا کر خود اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے ان بچوں کا مستقبل برباد کر دیتے ہیں۔اس لیے نرسنگھ راج عالؔی شراب و مئے کو زہر کے مماثل قرار دیتے ہیں کیوں کہ جو ایک بار اس کا مزہ چکھ لیتا ہے اس کی زندگی برباد ہو جاتی ہے۔اسے اپنی منزل اور مقاصد کا کوئی ہوش نہیں ہوتا۔وہ نشے میں چور اپنی شان و شوکت، عصمت و عزت، کمائی و دولت سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے۔انسان کی تباہی و بربادی کی ضامن شراب کو اسی لیے مضر اور ناجائز قرار دیا گیا ہے نرسنگھ راج عالؔی اسی لیے شراب کو چھوڑ کر نئی زندگی کی شروعات کرنے کا مشورہ دیتے ہیں مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہو۔

شوق میں مئے کے دے کے زر لیتا ہے مفت در دِسر
بارہ مہینے رات دن دیکھے وہ ڈاکٹر کا گھر
گھر کی ہو فکر اس کو کیا، بچوں کی لے وہ کیا خبر
کہنے کا کیا ہوا اثر باقی نہ ہو جو دل جگر
شیشہ و جام توڑ دو چھوڑو شراب چھوڑ دو
چھوڑ و شراب چھوڑ و شراب چھوڑ و شراب چھوڑ دو

اس کے خواص ہیں خراب دختر زر تو نام ہے
خُلق و خلوص کے لئے زہر یہ لا کلام ہے
اس کا جو ہوگیا غلام دنیا کا وہ غلام ہے
ایسی شراب کو تو بس دور ہی سے سلام ہے
شیشہ و جام توڑ دو چھوڑو شراب چھوڑ دو
چھوڑ و شراب چھوڑ و شراب چھوڑ و شراب چھوڑ دو

عادی جو اس کا ہوگیا سمجھو وہ جلد کھوگیا
دنیا و دیں بگاڑ کر سوئے عدم وہ چل بسا
حسرت و یاس کے سوا کس کو یہاں ملا صلہ
تم ہو جو عالؔی پار سا سب سے کرو یہ التجا
شیشہ و جام توڑ دو چھوڑو شراب چھوڑدو
چھوڑو شراب چھوڑو شراب چھوڑو شراب چھوڑدو
[۴]

غرض یہ کہ راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اپنی نظموں کے ذریعہ شراب کے مضر اثرات اور عام انسان کو اس سے آگاہ کرانے کی کوشش کی ان کا مقصد شراب سے ہونے والی تباہی سے سماج کو پاک کرنا ہے اسی لیے انھوں نے سادہ اور سلیس زبان کا استعمال کرتے ہوئے شراب و مئے نوشی کے نقصان کو شعر کے قالب میں ڈھالا ہے۔

خدائے پاک نے انسان کو دنیا میں کئی رشتوں سے منسلک کر کے بھیجا ہے لیکن روئے زمین پر ماں اور اولاد کا رشتہ سب سے مقدس تصور کیا جاتا ہے۔ ماں ہی وہ ہستی ہے جو ایک چھوٹے سے بچے کو اپنی محبت و شفقت کے آئینے میں سرخ رو بناتی ہے بے زبان بچوں یعنی شیر خوار جب بات کرنا نہیں جانتے محض روتے ہیں تو ماں اس کے رونے سے اس کی تکلیف اور اس کے بات کو سمجھ لیتی ہے یہی وجہ ہے کہ خدا نے ماں کو مقدس مقام و مرتبہ عطا کیا ہے اور اس کے قدموں تلے جنت رکھی ہے۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اس مقدس رشتے یعنی ''ماں کی عظمت'' پر بھی نظم قلمبند کی ہے۔ ماں کو موضوع بنا کر ایک نظم انھوں نے سن ۱۹۳۹ء میں لکھی ہے لیکن اس نظم کو عنوان سے مبرا رکھا ہے یہ نظم دیوان عالؔی کے علاوہ ان کی (عالی) کتاب ''جوش غم'' میں بھی شامل ہے۔ نظم کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نرسنگھ راج عالؔی نے یہ نظم اپنی ماں کی وفات پر لکھی تھی لیکن یہ نظم مرثیہ کی ہئیت اور خصوصیت پر پوری نہیں اترتی اسی وجہ سے اس نظم کو مرثیہ کے بجائے نظم کے حصہ میں شامل کیا گیا ہے۔ نظم کے آغاز میں عالؔی نے ماں کی وفات کا ذکر کیا ہے ''دائمی رخصت'' کہہ کر انھوں نے

والدہ محترمہ کی موت کا اشارہ دیا ہے۔ ماں کی موت سے ان کا دل تڑپ رہا ہے سکتے تڑپتے لرزتے ہوئے وہ اپنی ماں کی محبت اور شفقت کو یاد کر رہے ہیں اور اپنے دکھی دل کو اس صدمے سے باہر نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چوں کہ راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے چار بھائی اور تھے لیکن سارے کے سارے اس دار فانی سے کوچ کر گئے تھے انھوں نے اس نظم میں اپنے بھائیوں کی جدائی کا بھی ذکر کیا ہے۔

مقدس ماں تیرے قدموں پہ میں یہ سر جھکا تا ہوں
تجھے اب دائمی رخصت میں اس گھر سے کرا تا ہوں
سکتا ہوں، لرزتا ہوں، تڑپتا ہوں فغاں کر کے
میں اپنے سر پہ اے ما تا نہیں جب تجھ کو پا تا ہوں
دکھی دل جب یہ تیری یاد میں بے چین ہوتا ہے
تصور کر کے میں دل میں تری مورت بٹھا تا ہوں
ترے کل پانچ لڑکوں میں فقط میں ایک زندہ ہوں
جو ان ہاتھوں سے اپنے نعش کو تیری اٹھا تا ہوں
تڑپتا ہوں جدائی میں میں بھائی اور بہنوں کی
میری بدقسمتی ہے یہ کہ اب تجھ کو گنوا تا ہوں
۵

دنیا میں خدا نے انسان کو ایک مقصد کے لیے بھیجا ہے اور جیسے ہی اس کی زندگی کا مقصد پورا ہوتا ہے اور اپنی حیات کے دن مکمل کر لیتا ہے اسے واپس خدا کے گھر لوٹنا پڑتا ہے لیکن انسان اپنے جذبات کے آگے اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے خصوصاً جب اس کا عزیز ترین رشتہ ہو اور وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو رہا ہو تو انسان بے چین ہو جاتا ہے اور بے قراری کے عالم میں اپنے زخمون اور غموں کو یاد کرتا ہے۔ ماں ایک ایسی عظیم ہستی ہے جو اپنی اولاد کے لیے دنیا کا ہر ستم قبول کرتی ہے لیکن اپنی اولاد کو بہتر سے بہتر

مستقبل فراہم کرنے کے لیے کوشاں رہتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ فرمابردار اولاد اپنی ماں کی بات کو حکم سمجھ کر پورا کرتے ہیں اس کی خدمت میں اپنا سارا سرمایہ ختم کرنے کی چاہ رکھتے ہیں اس کے آنچل میں تمام عمر سونے کی تمنا رکھتے ہیں رب کے حکم کے بعد ماں کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں ہر ممکن کوشش کر کے اپنی ماں کو خوش رکھتے ہیں علالت میں اس کی خدمت کرتے ہیں۔نرسنگھ راج عالؔی نے اپنی نظم میں ماں سے جڑے اپنے جذبات واحساسات کی دلفریب لب ولہجہ میں ترجمانی کی ہے اس نظم سے چند اشعار ملاحظہ ہو۔

میری تعلیم کا اور تربیت کا یہ ملا ثمرہ
ہر اک دل مجھ سے راضی ہے میں ہر اک دل کو بھاتا ہوں

تیرے احسان ہیں بے حد تیرے الطاف ہیں بے حد
مری طاقت سے باہر ہے میں کب ان کو گناتا ہوں

تیری خدمت نہیں مجھ سے ہوئی اس کا تاسف ہے
میں اک اس بے بسی کا غم ہمیشہ دل میں کھاتا ہوں

میں تیرے حکم کو سمجھا کہ حکم رب ہے اے مادر
میں تیرے نام کو اب تک سر آنکھوں پر بٹھاتا ہوں

تیرے خاوند کامل تھے تیرے مرشد بھی کامل تھے
قسم ایمان کی ان سب میں میں ایمان لاتا ہوں

علالت میں بھی تو نے میری فکروں کو نہیں چھوڑا
قیامت تک بدل تیرا نہ پاؤں گا نہ پاتا ہوں

[۶]

اس حقیقت سے دنیا کا کوئی بھی انسان انکار نہیں کرسکتا کہ دنیا میں ماں سے زیادہ محبت کوئی نہیں کرتا۔ماں ہی وہ ہستی وہ شخصیت ہے جو بے غرض و بے مدعا اپنی اولاد سے بے انتہا محبت کرتی ہے۔یہی وجہ

ہے کہ بچہ ماں کی گود چھوڑ نے پر خود کو غیر محفوظ تصور کرتا ہے وہ اس کی حقیقی محبت کو پہچانتا ہے اس کی جھلک دنیا کے کسی شخص میں نظر نہیں آتی ہر انسان کو اپنی ماں سے ایسی ہی عقیدت ہوتی ہے۔ جب کوئی انسان اپنی ماں سے اور اس کی ممتا سے محروم ہوتا ہے تو اسے یہ دنیا کرب میں مبتلا نظر آتی ہے وہ بھیڑ میں خود کو تنہا پاتا ہے اور پوری دنیا میں سچی محبت تلاش کرنے لگتا ہے۔ اور اسے اپنی ماں کی بے غرض محبت یاد آتی ہے اور وہ خون جگر ہی کر خدا کے فیصلے پر اکتفا کر لیتا ہے۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی انہی جذبات کا بیان اپنی نظم میں کرتے ہیں

نظر آیا نہیں تجھ سا کوئی جب مجھ کو دنیا میں

تو آہیں سرد بھرتا ہوں میں نالے لب پہ لاتا ہوں

تیرے زھد و ریاضت کو شرافت کو نجابت کو

کوئی پوچھے تو میں بے ساختہ روتا رلاتا ہوں

بزرگی اور فضیلت قوم میں تجھ کو ہی حاصل تھی

میں ڈھونڈ ولا کھ اب مشکل سے تجھ سا کوئی پاتا ہوں

محبت میں تری میں اس قدر بے چین ماتا ہوں

کہ خون پیتا ہوں جگر کو اپنے کھاتا ہوں

مجھے رہ رہ کے غم اس بات کا ہوتا ہے اے عالؔی

پکارے کون بیٹا کہہ کے اب میں کیا کھاتا ہوں

[1]

غرض یہ کہ پوری نظم میں عالؔی نے ماں سے محبت وعقیدت کا بیان نہایت ہی جذباتی انداز میں کیا ہے نظم میں انھوں نے اپنی ماں کی موت اور اس کی جدائی کے غم کی عکاسی شعری لطافت و نغمگی کے ساتھ کی ہے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو اپنے وطن سے بے حد محبت وعقیدت تھی ان کی نظر میں ہمارا ملک ہندوستان ایک بلند اور اعلیٰ وعظیم الشان والا ملک ہے یہاں آپس میں لوگ مل جھل کر رہتے ہیں۔ایک دوسرے کے دکھ درد میں ہمیشہ ساتھ دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں تمام ملکوں میں ہندوستان وہ واحد ملک ہے جہاں جذبات ومحبت کو دوام حاصل رہا ہے آپسی رشتوں میں ہمیشہ مٹھاس رہی ہے لوگ نہ صرف خون کے رشتوں کا احترام کرتے ہیں بلکہ قومیت کے جذبے اور سماجی رشتوں کو بھی مقدس مانتے ہیں۔ یہاں کے لوگ دنیا میں سب سے قیمتی دولت محبت اور خلوص کو سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر ہندوستانی کے دل میں جذبۂ انسانیت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ یہاں کا ہر شہری اپنے وطن سے محبت کرتا ہے اس کے پرچم کو آنکھوں سے لگاتا ہے۔وطن کے لیے جانثار کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے یہاں بھی جذبہ حب الوطنی شدت اور شعری آہنگ میں ملتا ہے انھوں نے وطن سے محبت اور اس سے منسلک اپنے جذبات کو الفاظ کے پیراہن میں اس طرح بیان کیا ہے۔

ہمارا ہند سب سے ہو بلند اور شان ولا ہو
کہ دنیا کے ممالک سے بڑا اور آن والا ہو
اسے بڑھتا ہی دیکھیں اور صداقت کا نشاں دیکھیں
یہی دل میں سمائے اور آنکھوں میں جہاں دیکھیں
اسے خوف وخطر سے دور رکھے یارب بلاؤں سے
اسی کو زندگی دے دے امان ساری فضاؤں سے
دعا ہے اور یہ عالؔی صمیم قلب سے یارب
پھلیں پھولیں رہیں خوش اور خرم ہند والے

[۸]

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اپنی شاعری میں بیشتر جگہ وطن سے محبت وعقیدت کا اظہار کیا ہے ان کی نظم ''ہندنامہ'' میں انھوں نے ہندوستان کے قدیم وجدید حالات کا تفصیلی طور پر جائزہ لیا ہے۔ یہ ایک طویل نظم

ہے اس نظم میں عالؔی نے ہندوستان کے قدیم دور کی خوبصورت منظر کشی کے ساتھ عکاسی کی ہے کہ ہندوستان ابتدا میں کیف و مستی کا مرکز تھا یہاں کے لوگ نہ جھگڑتے تھے اور نہ ہی ایک دوسرے کے دشمن تھے جیسے ایک شرابی شراب پی کر مدمست ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں کے لوگ محبت کے نشے میں چور تھے۔ ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آتے تھے۔ نظم ''ہند نامہ'' میں عالؔی نے ہندوستان کی تاریخ کو منظوم شکل میں پیش کیا ہے۔ نظم کی ابتدا ہی میں انھوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے۔ اور نظم کو ایک ڈرامائی اور کہانی کی شکل میں پیش کیا ہے کہ کس طرح ہندوستان ایک عظیم ملک کے روپ میں ابھرا گل و بلبل کے ترانے سے پورا ملک چہک رہا تھا مختلف مذاہب کے لوگ یہاں مقیم تھے امن و امان بھائی چارگی یہاں کا خاص وصف تھا۔ نظم کا پہلا حصہ ملاحظہ ہو۔

نظم لکھی ہے ہند نامہ کی
کیفیت ہے عجیب خامہ کی
مستی ہے ایک کیف طاری ہے
جوئے شیریں کی نہر جاری ہے
یوں بظاہر جو میں حوسنی میں ہوں
بات یہ ہے کہ بے خودی میں ہوں
آج دل بلیوں اچھلتا ہے
اب سنبھالے نہیں سنبھلتا ہے
کیا خوشی اس طرح سے ہوتی ہے
آنکھ مسرور ہوکے روتی ہے
بعد صدیوں کے یہ زمانہ ہے
واقعی سچ ہے یا فسانہ ہے
کس کو دکھلاؤں دل کی یہ حالات
باغ و بلبل کی گل کی یہ حالت
گل کھلے بلبل چہکتی ہیں
مثل رقاصہ یہ بہکتی ہیں

ہندوستان ازل ہی سے امن وامان کا پیکر رہا ہے یہاں محبت و ہمدردی، اخلاص وخلوص ہر انسان کے یہاں موجود ہے۔ یہاں کی تہذیب ساری دنیا کے ملکوں کے کلچر سے مختلف ہے یہاں کے لوگ کسمپرسی میں بھی خوش ہیں اور برے وقت میں ہمیشہ اپنوں کے ساتھ سایہ بن کر کھڑے ہوتے ہیں یہی وجہ رہی کہ ہندوستان کو سونے کی چڑیا کہا گیا تھا۔ جب ہندوستان آزاد ہوا تو ہر انسان یہاں کا ہر شہری اس آزادی کے جشن میں شامل رہا۔ اور آزادی کے پروانوں کی یہ حالت تھی کہ گویا کوئی شرابی بن پیے بہک رہا ہو عالؔی نے اس مسرت کا بیان اپنی نظم میں بڑے دلچسپ انداز میں کیا ہے۔

رونق پر بہار ہے گلشن
حسن کا یہ نکھار ہے گلشن
دیکھئے آج چل کے میخانے
ہوش میں آرہے ہیں دیوانے
ابر کا سایہ رحمت باری
فیض گویا ہے ہر طرف جاری
ساقی ہے مست جھومتا پھرتا
اپنے رندوں میں گھومتا پھرتا
ہاتھ میں سب لئے ہیں پیمانہ
حکم ساقی کسی نے کب مانا
نہ شریعت نہ حشر کا ڈر ہے
آج ہر رند اپنا رہبر ہے
کوئی سنتا نہیں کسی کی بات
وصل کی مل گئی ہے جیسے رات
آج واعظ ہیں سارے خوابیدہ
رند ہیں جیسے ہوں جہاندیدہ
کوئی ہو کوئی ناونوش میں ہے
کوئی خاموش کوئی جوش میں ہے

یہ سماں وہ ہے جو نہ دیکھا تھا
یہ زماں وہ ہے جو نہ دیکھا تھا
مثل آئینہ سب ہیں سکتے میں
دیکھنے والے کس طرح دیکھیں
سارے مندر بھرے پڑے ہیں آج
لاکھوں انساں یہاں کھڑے ہیں آج
کوئی ناقوس کی صدا دیتا
کوئی ہر بار یہ دعا دیتا
رہے آزاد ہند ہے پربھو
ہو یہ آباد ہند ہے پربھو
[۱۰]

ہندوستان ایک ہمہ جہتی تہذیبی و ثقافتی ملک ہے۔ یہاں مختلف عقائد کے لوگ موجود ہیں کوئی مندروں کو آباد رکھے ہوئے ہیں تو کوئی مسجدوں میں عبادت گذار ہیں۔کوئی گوتم کے اصولوں کو اپنائے ہوئے ہیں تو کوئی عیسائی مذہب کے ماننے والے ہیں۔ ہر زبان و مذہب کے لوگ اپنے اپنے طریقے سے وطن کی خدمت کرتے ہیں وطن سے محبت وعقیدت یہاں کے ہر دل میں موجود ہیں سینکڑوں عقائد کے لوگ ہونے کے باوجود یہاں کے ہر شہری کے دل میں ایک دوسرے کے لیے جذبہ انسانیت و اخوت موجود ہے۔ ہندوستان ہی وہ ملک ہے جو کئی عقائد و کلچر کا گہوارہ ہے۔ یہاں رام کے ماننے والے رام رام کی مالا جپ کر بھی ہندوستان کے لیے جان دینے تیار ہے تو کوئی مسجدوں میں امامت کر کے اپنی عقیدت و مذہب کے علاوہ وطن سے بھی محبت اور وفا کا پاس رکھتے ہیں

سینکڑوں آج مسجدیں پر ہیں
ایک تسبیح سینکڑوں در ہیں
ہاتھ اٹھائے کوئی دعا کے لیے
کوئی سجدے میں ہے خدا کے لیے

ہر زباں پر دعائیں آتی ہیں
اور آذاں کی صدائیں آتی ہیں
بودھ عیسائی پارسی بھی ہیں
ساتھ آیئے آرسی بھی ہیں
سب کی عزت بھلائی اسمیں ہے
عمر بھر کی کمائی اس میں ہے
یہ وہ دریا بیکراں ہے مگر
جس میں ملتے ہیں سینکڑوں گوہر
ہند وہ جس کا مرتبہ اعلیٰ
ہند وہ سب کا ہے جو گہوارہ
ہند وہ ہند جو وطن اپنا
ہند وہ جس میں ہے دکن اپنا

[11]

ہندوستان ازل ہی سے علم وحکمت کا گہوارہ رہا ہے یہاں پر حکومت کرنے والے حکمراں ہمیشہ ہی سے علوم وفنون کے دلدادہ رہے ہیں۔ رام اور کرشن نے اس دھرتی کو اپنا مسکن بنا کر یہاں مذہب کو پروان چڑھایا بھیشم اور ارجن نے بھی اس گلشن میں نئے گل بوٹے کھلائے ہیں۔ تمام مذہبی وسیاسی رہنماؤں نے اس ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے مختلف کوشش کیں ملک وقوم کو راہِ راست پر لانے کے لیے ہمارے رہنماؤں اور رہبروں نے نہ صرف اپنی جان قربان کی بلکہ اپنوں کی بھی قربانیاں دیں ہیں وجہ یہ ہے کہ ان کے مرنے کے بعد بھی یہ ہندوستانیوں کے دلوں میں زندہ ہے۔ نرسنگھ راج عالؔی نے اپنی نظم ''ہندنامہ'' میں عہد بہ عہد مختلف مذہبی پیشواؤں کے دور کا جائزہ پیش کیا ہے۔ رام اور کرشن کے عہد کو عالؔی انصاف وعدل کا دور قرار دیتے ہیں اور اس عہد کی خوبیوں کا بیان اس طرح کرتے ہیں۔

ہند وہ ہند علم کا مخزن
ہند وہ ہند خلق کا معدن

نام لیوا اسی کے جد امجد
دوست اک دوسرے کے سب بے حد
رام اور کرشن کا یہ مسکن تھا
بھیشم ارجن سے ہند گلشن تھا
ہند کو جن سے اب بھی زینت ہے
ساری دنیا میں آج شہرت ہے
رام کا رام راج تھا مشہور
جس کی مئے سے ہر ایک تھا مخمور
جس میں انصاف کا تھا دورِ عظیم
کس کی طاقت جو منہ چڑہائے غنیم
رام مریاد کے شناور تھے
درد و غم میں سبھی کے یاور تھے
گرچہ صدیاں ہوئیں وہ زندہ ہیں
کل مرے جو وہ آج مردہ ہیں
کارنامے کبھی نہیں مٹتے
ان کے رہتے ہیں حشر تک چرچے
بیوی بھائی کی کچھ نہ تھی پرواہ
ایک دھوبی کی پر اثر تھی صدا
ساری دنیا میں ان کے چرچے ہیں
اسی دن سے یہ اپنے خرچے ہیں
۱۲

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے نظم میں رام (بھگوان) کے عہد میں انصاف و عدل کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے کہ کس طرح رام کے راج میں ہر خاص و عام کے ساتھ مساوی سلوک کیا جاتا تھا۔ گھر والوں سے زیادہ رام بھگوان عام انسان کے درد و دکھ، مصیبتوں و پریشانیون کو حل کرتے تھے ان کے نزدیک ان کے

گھر والوں سے زیادہ یہاں کی عوام تھی یہی وجہ ہے کہ ان کو لوگ بھگوان مانتے ہیں ان کے کارناموں و نیک دلی کی وجہ سے وہ مرنے کے بعد بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں حالاں کہ یہ دور ایسا ہے جہاں کل مرتے ہی مرنے والے کو بھلا دیا جاتا ہے۔لیکن رام اپنے نیک اور نمایاں کارناموں کی وجہ سے آج بھی لوگوں کے دلوں میں بلند مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔

رام کے بعد کرشن جی نے دنیا میں عدل و انصاف کو قائم رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔انھوں نے گیتا کی تعلیمات کو عام کیا مساوات کو فروغ دیا۔زندگی کے مسائل اور اس کی الجھنوں کو سلجھایا۔نرسنگھ راج عالؔی نے اس نظم میں کرشن کے دور کی خصوصیات کا بھی بھرپور جائزہ پیش کیا ہے کہ کس طرح رام کے بعد کرشن نے معرفت کو عام کیا۔کرشن اور ارجن نے حق کے لئے جو لڑائی لڑی تھی اس کا بھی ذکر عالؔی نے بڑے ہی لطیف پیراہن میں کیا ہے۔نظم ملاحظہ ہو۔

کرشن جی کا زمانہ پھر لیجیے
دھیان انمول گیتا پہ دیجیے
یہ ہے لافانی قول کا منبع
یہ ہدایات و رشد کا مرجع
زندگی کے بڑے خزانے ہیں
یہ نہ سمجھے کوئی فسانے ہیں
ہوا اس دور میں مہابھارت
کرشن ارجن کے بن گئے سارت
صرف انصاف کی لڑائی تھی
خاندانی تھے کب جدائی تھی
زور طاقت کا ساتھ دنیا دے
اور دولت کا ساتھ دنیا دے
پر جو عارف ہیں وہ نہیں ڈرتے
کام بے جا کبھی نہیں کرتے

پھر صداقت کی جیت ہوہی گئی
آج تک اس کی ریت ہوہی گئی
ارجن و بھیم اور کرن کیا تھے
بھیشم اور درون سارے جن کیا تھے
فوق الانسان تھے عظیم تھے یہ
مورد رحمت کریم تھے یہ
یہ شجیع و جری عزایم تھے
بے مثال و بزرگ دایم تھے

[۱۳]

نرسنگھ راج عالؔی نے نظم میں جہاں رام و کرشن کے سنہرے اقوال و حکایات کو پیش کیا ہے وہیں گوتم بدھ کی تعلیمات کا بھی حوالہ دے کر ہندوستان کی عظمت و اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ گوتم بدھ و شنکر جی ایک ایسے دور میں ہندوستان کے افق پر نمودار ہوئے جب ساری دنیا جاہلیت کے اندھیرے میں بھٹک رہی تھی۔ ہر طرف عیش و عشرت کا ماحول تھا دولت کے نشہ میں امیر طبقہ نچلے طبقے کا استحصال کر رہا تھا غریب عوام کے ساتھ نازیبا سلوک کیا جارہا تھا۔ انصاف و عدل کو فراموش کیا جارہا تھا غیر مساویانہ و غیر انسانی سلوک عام ہوگیا تھا۔ ایسے حالات میں زمانے کی تیرگی کو دور کرنے کے لیے خدا نے گوتم بدھ اور شنکر جی کو رہبر بنا کر اوتار کے روپ میں دھرتی پر بھیجا۔ اس حقیقت کا بیان عالؔی اپنی نظم میں اس طرح کرتے ہیں۔

تھے یہاں گوتم اور شنکر بھی
ان سے بہتر کہاں تھے رہبر بھی
فلسفہ ان کا دیکھیئے نایاب
ایک دریا تھا جو نہ ہوپایاب
ان کے سینے تھے یا سفینے تھے
علم قدرت کے یہ خزینے تھے
ایک دنیا نے مان کر لوہا
ان کی پیروہی بن گئی گویا

[۱۴]

گوتم بدھ کے بعد عالؔی نے نظم میں نانک اور کبیر داس کی عظمت کا اعتراف بھی کیا ہے میراں بائی اور تلسی داس کی خدمات کو بھی خراج پیش کیا ہے کہ کس طرح انھوں نے اپنے روشن اقوال کے ذریعہ ہندوستانیوں کو بلند حوصلہ اور صحیح راہ پر گامزن کیا۔ راجہ اشوک نے بھی عدل و انصاف کو اپنا شیوہ بنا کر ملک کو امن و امان کا پیکر بنایا۔

ہند کے خاک و خون کی برکت تھی
تھے کبیر اور سور نانک جی
داس تلسؔی تھے میراںؔ بائی بھی
جن کے اقوال آج بھی ہیں جلی
چکر ورتی اشوک راجا تھے
یہ بھی مقبول دین دنیا تھے
ان کا انصاف ان کا جود و کرم
ہے زباں زد عوام کے نہیں کم

۱۵

مغلوں نے ایک عرصے دراز تک ہندوستان پر حکومت کی یہاں کی ریت رواج کو اپنایا یہاں کے کلچر و اقدار کو فروغ دینے میں مغلوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی اکبر جو مغلیہ دور کا سب سے نمایاں اور اہم بادشاہ گذرا ہے اس نے مہارانی جودھا بائی سے شادی کر کے تعصب اور عناد کو دور کیا۔ مساوات کو عام کیا اور ہندوستان کی تاریخ ایک روشن باب عطا کیا۔ اکبر کے کارناموں نے ہندوستان کو ترقی کی نئی جہد عطا کی۔ ملک میں امن و امان کو فروغ ملا علوم و فنون کو ترقی ملی فوجی دستے کو طاقتور بنایا گیا عوام کی عام سہولتوں کو بہتر بنایا گیا۔ ہر ہندوستانی کے ساتھ اکبر نے مساویانہ سلوک رواں رکھا یہی وجہ ہے کہ عالؔی اکبر کو ہندوستان کا فرزند قرار دیتے ہیں۔

شاہ اکبر یہیں کے تھے فرزند
زندگی جن کی پر نصائح و پند
ان کی تھی بے تعصبی مشہور

ان میں تھا کچھ نہ شاہو نکا سا غرور
عدل و انصاف کے نمونہ تھے
فرد بے مثل مثل کسریٰ تھے
ہند کی سر زمین کا نام ہوا
یعنی اچھا ہر ایک کام ہوا

۱۶

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد ایک عرصہ دراز تک انگریز حکمراں رہے انگریزوں نے ہندوستانیوں پر طرح طرح کے ظلم کئے یہاں کی زرخیز زمین کو کسانوں سے چھین لیا۔ بچوں، بوڑھوں، جوانوں کو قتل کیا لگان کے نام پر غریب طبقہ سے ان کا سب کچھ چھین لیا۔ امراء و نوابوں کو اپنا غلام بنا لیا۔ صحافت کو بند کر دیا گیا۔ عالموں اور فاضلوں کو چن چن کر ختم کیا گیا۔ ملک کے قیمتی جواہرات کو اپنے ملک کے نام کر لیا گیا۔ یہاں کی عوام بے بس و لاچار ہوگی اس ظلم و ستم سے بچنے کی کوئی ترکیب نظر نہیں آ رہی تھی کئی لوگ غربت اور کسمپرسی کی وجہ سے خودکشی کرنے لگے تھے ایسے حالات میں گاندھی جی، بال گنگا دھر تلک اور دادا صاحب آگے بڑھے۔ گاندھی جی نے ستیہ گرہ اور دیگر تحریکوں کے ذریعہ انگریز سامراج کے خلاف آزادی کا پرچم بلند کیا۔ عالؔی نے اس نظم میں باپو (گاندھی جی) کے تمام اوصاف و کارناموں کو اُجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ کس طرح گاندھی جی نے اپنے اصولوں اور اخلاق کے ذریعہ انگیریزوں کو مجبور کیا کہ ملک چھوڑ کر چلے جائے۔ گاندھی اتنی بڑی و اعظیم شخصیت ہونے کے باوجود کھادی کا کپڑا زیب تن کرتے تھے۔ اگر یہ چاہتے تو بادشاہوں کی طرح لباس پہن سکتے تھے لیکن ان کو اپنا وطن جان سے پیارا تھا انھوں نے اپنا سب کچھ جدوجہد آزادی میں قربان کر دیا۔ اس تمام روداد کو عالؔی اس طرح قلمبند کرتے ہیں۔

ہند کے کیا سپوت پیدا ہیں
ان پہ دنیا کے لوگ شیدا ہیں
گوکھلے اور تلک یہیں پر تھے
دادا بھائی رناڈے کے گھر تھے
یہی باپو کا تھا وطن پیارا

گاندھی جی نے یہیں برت رکھا
ہوئی ان کی تپشیا پوری
جاں اسی ملک کے لیے دیدی
یہ رشی تھے یہی منی بھی تھے
سینکڑوں کے لیے گنی بھی تھے
یہ تھے تعریف سے بھی بالا تر
اور توصیف سے بھی بالاتر
خود مٹے مٹنے سے بچانے کو
ہند والوں کے آزمانے کو
ان کی ستیاگرہ نہ بھولے گی
چالیں ساری بھلادی برٹش کی
یہ تھے ایسے نہیں ہے جن کی نظیر
تھے سدہا رک مگر بوضع فقیر
سادگی ان میں کیا بلا کی تھی
ان میں جلوہ گری خدا کی تھی
یہ شہنشاہ سے کبھی نہ ڈرے
اپنی سادہ لباس ہی سے ملے
ان کو پرواہ نہیں ہنسی کی تھی
غم کی پرواہ نہ کچھ خوشی کی تھی
سب مذاہب کے یہ تھے شیدائی
ان میں کب تھا غرور و رعنائی
باپو نے اپنے جانشین کئے
ہر مکاں کے لیے مکین کئے

۱۷

غرض یہ کہ گاندھی جی نے سچی محنت ولگن سے ملک آزاد کرایا ان کے ہمراہ جواہر لال نہرو اور دوسرے اہم لیڈروں نے بھی نمایاں رول ادا کیا۔ جواہر لال نہرو نے بھی گاندھی جی کی طرح بے غرض ہوکر ملک کو آزاد کرانے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا ایثار واخوت کا جذبہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھا اپنی ذہانت و فراست سے انھوں نے ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا تا کہ اصولوں اور فیصلوں کی وجہ سے یہ ساری دنیا میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ ان کے اوصاف کا جائزہ عالؔی اپنی نظم ہند نامہ میں اس طرح لکھتے ہیں

کس سے اب ہیں نہاں جواہر لال
ہند کی روح و جاں جواہر لال
ان کا ایثار بے مثال رہا
ان کو دولت کی کب رہی پروا
خود یہ دولت ہیں اور ہیں مقبول
ہند کے رہنما ہیں یہ معقول
ساری دنیا کی یہ نظر میں ہیں
یوں تو کہنے کو اپنے گھر میں ہیں
۱۸

جواہر لال نہرو کے بعد عالؔی نے سردار پٹیل، مالوی جی، ٹیگور، بابوراجن، سبھاش چندر بوش، گھوش، سروجنی نائیڈو، آزاد کو بھی ملک کی عظمت وترقی کی معماروں میں شامل کیا ہے۔ اور ان کی خصوصیت اور جدوجہد آزادی میں ان کے کارناموں کو اجاگر کیا ہے۔

اور سردار جی پٹیل بھی ہیں
نت نئے کھیلتے یہ کھیل بھی ہیں
ہے سیاست انھیں کھلونا سی
فرد نایاب آج ہیں یہ بھی

ان میں طاقت ہے اور عزم و جلال
ملک کی لاج کا انہیں ہے خیال
بابوراجن ہیں اور سکھہ سینا
فخر کایستھ ہیں سدا رہنا
ہند کے لاجواب یہ فرزند
ان کو ایشور رکھے سدا خورسند
مالوی جی تھے اور تھے ٹیگور
علم و فن میں جو تھے بہت مشہور
بوس اور گھوش بھی یہیں پر تھے
شیر پنجاب کے رہے چرچے
موتی لال اور پوجیہ داس بھی تھے
ساتھ لاکھوں ہزاروں پاس بھی تھے
مسز نائیڈو کی خاص عزت تھی
ان کی دنیا میں ایک شہرت تھی
بلبل ہند فخر و ناز دکن
جن کو روتا ہے آج سارا وطن
شیر کشمیر سرحدی گاندھی
اور آزاد باکمال سبھی

۱۹

راجہ نرسنگھ راج عالی نے جدوجہد آزادی کے رہنما اور تمام مذاہب کے پیشواؤں کے خدمات کا جائزہ لینے کے بعد نظم میں ملک کے جغرافیائی حالات اور قدرتی مناظر کی بھی دلکش عکاسی کی ہے ہندوستان ایک ہمہ جہتی و ثقافتی ملک ہونے کے ساتھ ساتھ اعظیم و وسیع ملک ہے یہاں مختلف ریاستیں کئی منفرد خصوصیات کی حامل ہیں انہیں خصوصیات کی بنا پر ہندوستان وسیع ہونے کے باوجود ساری دنیا میں ثقافت، کلچر اور رنگارنگی کے لیے مشہور رہے۔ یہاں گنگا، جمنا، کاشی جیسی مقدس ندیاں ہمیشہ رواں رہتی ہے۔ مختلف تاریخی

عمارتیں اپنے اندر ہزاروں سال کی تاریخ لئے خاموش کھڑے ہیں جس کو دیکھنے کے لیے سیاح ہزاروں میل سفر کر کے آتے ہیں اجنتا کے غار، تاج محل، مختلف مندریں، مساجد و خانقاہیں ساری دنیا کے سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہیں، یہاں کی کاری گری پوری دنیا میں مشہور ہے مختلف لوگ اس فن کو آزمانے کی کوشش کر چکے ہیں لیکن ان کی رسائی ہندوستانی عمارتوں کے فن تک نہیں ہوسکی۔ عالؔی نے ہندوستان کی جغرافیائی اور ثقافتی اہمیت کو اپنی نظم ہندنامہ میں سادہ سلیس اور مترنم لہجے میں پیش کیا ہے اس سلسلے کے چند اشعار لاحظہ ہو۔

ہند تیرا یہ کارنامہ ہے
تو بڑا ہے ترا زمانہ ہے
تیری کرنی سے تیرا اوج ہوا
گنگا جمنا کا تجھ میں زوج ہوا
یاں مقدس ندی ہے نالے ہیں
تیری آغوش کے یہ پالے ہیں
تجھ میں ہیماچل اور وندھیاچل
تجھ میں کاشی بھی اور گنگاجل
تجھ میں مندر ہیں اور شوالے ہیں
تجھ میں مشہور پاٹھ شالے ہیں
مسجد و خانقاہ و گنبد بھی
تجھ میں ہیں نیک لوگ بھی بد بھی
تیرے ہی ہیں ایجنٹا ایلورا
ساری دنیا میں جن کا ہے چرچا
یاں کے کاریگروں کی صنعت پر
لوگ دنیا کے دھنتے ہیں اب سر
سارے سیاح جو کہ آتے ہیں
اس کی تعریف کرکے جاتے ہیں
گو ہزاروں برس کی شان ہے یہ

واقعی صنعتوں کی جاں ہے یہ
جن کا پتھر میں یہ کرشما تھا
ان کی نظروں میں زر بھی ادنی تھا
تاج کو آج مغتنم سمجھو
ایسی صناعی اب ہے کم سمجھو
شان اس کی کوئی نہیں پاتا
کون سے دل کو یہ نہیں بھاتا

۲۰

نظم کے آخری حصہ میں عالؔی نے ہندوستان کی عظمت شان وشوکت، یکجہتی، بھائی چارگی، مساوات جیسی خصوصیات کو اجاگر کرتے ہوئے ملک کے حق میں دعا کی ہے کہ اگر یہاں کے لوگ ایسے ہی مل جھل کر رہیں گے تو جلد ہی ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا ساری دنیا میں ہمارا ملک اور ہماری قوم یعنی ہندوستانیوں کا بول بالا ہوگا ہندو مسلم سکھ عیسائی سب مل کر رہیں گے تو دشمنوں سے تن کر بہادری سے مقابلہ کرسکیں گے۔ اگر ہمارا ملک پھلے پھولے گا، ترقی کرے گا تو ہم تمام ہندوستانی بھی ترقی کرسکیں گے اگر ملک میں امن وامان برقار رہے گا تب ہی ہماری عوام بھی خوشحال زندگی گذار سکے گی۔ نظم کا آخری حصہ ملاحظہ ہو۔

ہند کب تک ترا بیان کریں
خیر مقدم ترا جوان کریں
تیرا اجلال اور جمال ہے یہ
تجھ پہ مرتے ہیں سب کمال ہے یہ
دونوں قوموں کی تو ہی مادر ہے
سب پجاری ہے تو ہی مندر ہے
نظر بد کہیں لگے نہ تجھے
دشمنوں کی یہ دسترس سے بچے
ساری دنیا میں بول بالا ہو
ہر طرف روشنی اجالا ہو
تو ممالک کا رہنما ہوجائے

کشتی والوں کا ناخدا ہوجائے
نام پہ تیرے ہم جیں بھی مریں
کام جتنے ہیں تیرے مل کر کریں
ایک ہی تیرا لخلخہ رہ جائے
ہندو مسلم یہاں کا سب کو بھائے
تو پھلے پھولے تیرا نام رہے
تیرے بچوں کو تیرا کام رہے
رہیں سب کے یہ رہنما بن کر
دشمنوں سے ملیں سدا تن کر
ان کے اخلاق سب پہ حاوی ہوں
دیکھنے والے اس کے راوی ہوں
دل سے دیتا ہے یہ دعا عالؔی
اور ہو تیرا مرتبہ عالؔی

۲۱

غرض یہ کہ عالؔی کی نظموں میں حب الوطنی کے موضوعات سادگی و پرکاری میں ملتے ہیں ان کی نظموں کو پڑھ کر وطن سے ان کی محبت وعقیدت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ زیرنظر نظم ''ہند نامہ'' میں انھوں نے ہندوستان کی تاریخ کو شعری قالب میں پیش روانی کے ساتھ خوبصورت الفاظ میں پیش کیا ہے کہ نظم کو پڑھنے والے کی آنکھوں میں تمام ہندوستان کی تاریخ گھومتی نظر آئے گی۔ انھوں نے پوری نظم میں سلیس ورواں زبان کا استعمال کیا ہے ثقیل اور کرخت الفاظ سے پرہیز کیا اس نظم اور بھی پراثر اور پُرلطف بنادیا ہے۔

جذبہ حب الوطنی کے علاوہ راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے یہاں انسانی عظمت ومحبت، بھائی چارگی، ملنساری، امن وامان، عدل وانصاف وغیرہ جیسے موضوعات بھی ملتے ہیں۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اپنی نظموں میں اصلاحی موضوعات کو جگہ دے کر اپنی شاعری کو اور بھی پراثر بنایا ہے۔ ان کے نزدیک دنیا میں جینے اور پر

سکون زندگی گذارنے کے لیے انسان کے دل میں محبت، رحم اور خوف خدا ہونا چاہیے اور جو انسان عقل مند ہوتا ہے وہ دنیا کی حقیقت کو سمجھ کر یہاں لوگوں کے ساتھ صلاح رحمی کا معاملہ کرے۔ دوسروں کے درد کو اپنے سینے میں محسوس کر کے ہی انسان انسانیت کی معراج حاصل کر سکتا ہے۔ اور ایسے انسان کی تعریف لفظوں میں بیاں نہیں ہو سکتی کیوں اس کے اوصاف دنیا میں سب سے اعلیٰ ہوں گے جو انسانیت کا پاس اپنے سینے میں رکھتا ہے۔ انسان اگر چاہے تو دنیا کی تمام خوشیوں اور منازل کو با آسانی پا سکتا ہے اگر اس کے حوصلے بلند اور ارادے نیک ہو۔ عالؔی نے اپنی نظموں میں رہنماؤں کے اوصاف کی بھی ترجمانی کی ہے کہ رہنما بننا کوئی کھیل نہیں ہے اگر رہنما سچا اور وفا شعار نہ ہو تو ملک اور قوم تباہ و برباد ہو جاتی ہے اسی لیے انسان رہنما بن کر ملک و قوم کے لیے صحیح فیصلہ اور صحیح رہبری کرنی چاہیے۔ ان کی ایک نظم کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو۔

وقت نازک جہاں میں آتا ہے
ٹھوکریں آدمی ہی کھاتا ہے
جو سمجھدار اور ہیں ذی فہم
کرتے ہیں جاندار پر وہ رحم
درد کہتے ہیں نوح انسان کا
ان والوں کا اور بے جان کا
حوصلے ان کے ہیں بہت عالی
آسمان پر نگاہ ہے ان کی
ان کی تعریف ہو نہیں سکتی
ان کی توصیف ہو نہیں سکتی
رہنما بننا کوئی کھیل نہیں
ان کا عیش و طرب سے میل نہیں
ناز ہے ملک کو سپوتوں پر
جن کے دم سے ہے سب میں اونچا سر

۲۲

ازل ہی سے ہندوستان بھائی چارگی، یکتا اور یکجہتی کا مرکز رہا ہے۔ یہاں کے رہنے والے خواہ کسی بھی مذہب کے ہوان کے دل میں اپنے مذہب کے علاوہ قومیت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ایک دوسرے کے ساتھ صلاح رحمی کرنا، آپس میں محبت اور خلوص سے ملنا، ضرورت پڑنے پر دوسروں کے لیے اپنی خوشیوں کو قربان کرنا یہی سچے ہندوستانیوں کا خاص وصف رہا ہے اپنی اوصاف کی وجہ سے ہندوستانی سارے جگ میں شہرت رکھتے ہیں۔لیکن انگریز حکراں نے ہندوستان میں پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کے نظریہ کو اپنا کر یہاں کا امن وامان کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی یہ خوشحال ملک انگریزوں کی چال سے دوٹکڑوں میں بٹ گیا اور ملک کے سینے پر تقسیم کا داغ لگا دیا۔انگریزوں کی سازش کے تحت ہندو مسلم آپس میں لڑنے لگے اپنی قدیم روایت کو بھول کر تعصب اور تنگ نظری کا شکار ہو گئے۔نرسنگھ راج عالؔی نے اس حقیقت کو اپنی نظم میں سادہ اور پرکشش لب ولہجہ میں پیش کیا ہے۔

ہندو مسلم ہمیشہ بھائی رہے
دونوں یک دل رہے فدائی رہے
ان میں تھی پھوٹ اور نہ کچھ تفریق
زندگی میں کبھی نہ تھی کچھ ضیق
یہ بہادر تھے اہل درد بھی تھے
اور سارے جہاں میں فرد بھی تھے
بھائی چارہ ان کی شہرت تھی
زندگی کیا تھی ایک جنت تھی
روز بد آیا چھاگئی غفلت
عقل کی غیر ہوگئی حالت
سب روایات اپنے بھول گئے
سب حکایات اپنے بھول گئے

۲۳

تقسیم کے بعد ہندوستان اور پاکستان دونوں ہی ملکوں میں قتل وغارت گری، تباہی و بربادی سے

شدید نقصان ہوا۔سب سے زیادہ زیاں انسانیت کا ہوا۔ایسے حالات میں ہندوستان میں پنڈت جواہر لال نہرو نے حکومت سنبھالی اور ایک ناخدا کی طرح ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دیا۔ سچے محبّ وطن و رہنما کی طرح پنڈت جواہر لال نہرو نے انسانیت بھائی چارہ، یکجہتی کا نعرہ دیا۔قومیت کا پرچار کیا تا کہ ملک میں دوبارہ امن وامان قائم ہوسکے۔نہرو اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ ہندوستان کی ترقی یکجہتی اور مساوات میں ہے جب تک ملک میں امن وامان نہ ہوگا تب تک ملک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتا۔راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اپنی نظم میں نہرو کے عزم اور حوصلہ کی ستائش کی ہے اور ان کو ایک سچے رہنما اور قابلِ فکر رہبر قرار دیا ہے۔

نہرو جی نے کیا جو عہد صمیم
وہ لیاقت نے کرلیا تسلیم
یہ نہیں نام کے ہیں شیدائی
یہ فقط کام کے ہیں شیدائی
اپنے کردار کا خیال کرو
جینا دشمن کا تم محال کرو
دیکھتا ہے زمانہ سب تم کو
رہنما مانتا ہے اب تم کو
عین آفت میں رہنما بن کر
تھاما کشتی کو ناخدا بن کر
ہندو مسلم سبھی کی جان بچی
عہد یہ وہ تھا جس کی دھوم مچی
سب کو لازم ہے ان کا ہاتھ بٹائیں
ان کی کوشش کو اور بام پر لائیں
اس میں سب کی بھلائی پنہاں ہے
یعنی ہر درد کا یہ درماں ہے
گربہی خواہِ ملک و قوم ہوں گے ہم
ہونے دیں گے نہ ملک کو برہم

سب کی خدمت کریں سبھوں کو بچائیں
رہنماؤں کی خواہشیں برلائیں
۲۴

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے ملک کی قیادت اور رہنماؤں کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے نظم کے آخری حصے میں ہندوستانیوں کے اخلاق و آداب کو بھی اجاگر کیا ہے ساتھ ہی ساتھ اس حقیقت کی بھی ترجمانی کی ہے کہ ملک کی شان اور عظمت دولت نہیں ہے بلکہ ہماری یکجہتی ہے۔ اگر ہم تعصب اور منافقت کو ترک کر دیں اور یکجہتی کو اپنا شیوہ بنائیں تو وہ دن دور نہیں جب پوری دنیا میں ہندوستانیوں کا نام ہوگا دنیا کی سب بڑی طاقت ہندوستان بن کر ابھرے گی اگر یہاں کے شہری آپس میں یکتا اور یکجہتی کو برقرار رکھیں۔ عالی نظم کے آخر میں رام سے دعا گو ہے کہ ہمارے ملک میں امن و امان برقرار رہیں، یہاں تعصب اور تنگ نظری ختم ہو جائے اور تمام ہندوستان پرسکون فضاء میں اپنی زندگی بسر کر سکے نظم کا آخری حصہ ملاحظہ ہو

ملک بھی ہو خدا بھی ہو راضی
سچی الفت میں کیا کرے قاضی
شان اصلی نہیں ہے دولت میں
سچی عظمت ہے سب کی خدمت میں
کام اچھے برے نہیں ہوتے
جو برے ہیں بھلے نہیں ہوتے
سچ تو یہ ہے کہ حکم رب مانیں
دور حاضر کو متنعم جانیں
سب ملیں مل کے اپنا کام کریں
جان سب کی بچائیں نام کریں
چھوڑ دیں ہم منافقت ساری
ایک ہی رنگ سب پہ ہو طاری

عالؔی اپنی دعا ہے صبح و شام
عاقبت میں ہر اک کو رکھے رام
۲۵

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو اعلیٰ حضرت عثمان علی بادشاہ سے خاص عقیدت وانسیت تھی انہوں نے اپنے قصیدوں، غزلوں میں بھی اس محبت کی ترجمانی کی ہے اس کے علاوہ ایک نظم میں بھی انہوں نے اعلیٰ حضرت کی کرم فرمائیوں اور محبتوں کا بیان کیا ہے یہ نظم انہوں نے اعلیٰ حضرت کو بطور شکریہ جواب میں لکھی تھی نظم کے حاشیہ میں اس بات کی وضاحت موجود ہے:

''اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی نے راجہ صاحب کی شاعری کی نسبت
ارشادات خاص اظہار کئے تھے ان کے شکریہ کے جواب میں عالؔی
صاحب نے یہ غزل ۱۸/جون ۱۹۵۶ء میں قلمبند کی۔'' ۲۶

زیرِ نظر نظم کو حاشیہ میں غزل کہا گیا ہے لیکن اس کو نظم کہنا ہی بہتر ہوگا کیوں کہ غزل کا ہر شعر ایک ہی ردیف کے تحت ہوتا ہے یہ نظم مختلف ردیف میں ہے۔ جس کی وجہ سے ہم اس کو نظم کے زمرے میں رکھ سکتے ہیں۔ نظم میں عالؔی نے اعلیٰ حضرت کے مرتبے اور رتبہ کو سراہا ہے اور ان سے اپنی عقیدت واحترام کا مترنم لہجہ میں اظہار کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے بلند مقام ومرتبہ کے آگے ان کا سر خود بخود جھکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے اخلاق وآداب ہی اتنے بلند واعلیٰ ہے کہ ہر کوئی ان پر اپنی جانثار کرنے تیار ہے جس طرح پروانے شمع کی روشنی میں جلتے ہیں اسی طرح لوگ اعلیٰ حضرت کی محبت میں مٹنے کو اپنا نصیب سمجھتے ہیں اس سلسلے کے چند شعر ملاحظہ ہو۔

شاہ ذی جاہ کی عقیدت میں
سر تسلیم خم ہے خدمت میں
جو کرم تونے ہے کیا شاہا
نہیں پہلے کبھی ہوا شاہا
مثل پروانہ ہورہے ہیں نثار
جو سمجھتے ہیں شاہ کا عز و وقار
۲۷

راجہ نرسنگھ راج عالؔی پر اعلیٰ حضرت کی خاص نوازش رہی ہے عالؔی جب کبھی بیمار ہو کے اعلیٰ حضرت ان کی مزاج پرسی کرتے ان کی پریشانیوں میں ان کو مشورہ دیتے۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی شاعری پر بھی خاص توجہ فرماتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے اسی وجہ سے عالؔی نے ان کی جانب سے کی گئی تعریف کو بہار سے تعبیر کیا ہے کہ جس طرح خزاں میں بہار کے آنے سے سارے منظر کھل اٹھتے ہیں اسی طرح اعلیٰ حضرت کی تعریف سے ان کی زندگی میں بھی بہار آئی ہے۔ عالؔی نظم کے آخر میں اعلیٰ حضرت کے حق میں دعا کرتے ہیں اور قصیدہ کا سا انداز اختیار کرتے ہوئے ان کی حکومت اور سلطنت کی برقراری کی دلی تمنا کا بھی اظہار کرتے ہیں۔

میں ہوں بیمار ناتوانی سے
دل ہے بیزار زندگانی سے
یہ جو تعریف شہ نے فرمائی
زندگی میں نئی بہار آئی
میں ہوں عالی قدیم وابستہ
اس سے مضبوط کو نسا رشتہ
صبر اور شکر کا رہا عادی
لطف شہ کی رہی فراوانی
جتنی تعریف شہ کی کی جائے
کم ہے وہ جو زباں پر آئے
پو چھنے والا میرا پوجا جائے
ہر ارادہ میں کامیابی پائے
نہیں طاقت ہے وصف کی عالؔی
تاقیامت رہے میرا والی

۲۸

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو سالار جنگ سے بھی مخصوص عقیدت تھی ان کی موت پر انھوں نے ایک نظم

لکھی جس میں انھوں نے سالار جنگ سے اپنے رشتے اور سالار جنگ کی عظمت کا بیان کیا ہے یہ نظم رسالہ سب رس کے سالار جنگ نمبر میں اپریل ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی۔نظم دس شعروں پر مشتمل ہے پوری نظم میں عالؔی نے سالار جنگ کی موت سے ہر دل اداس ہے ہر آنکھ نمناک ہے کیوں کہ سالار جنگ پر ایک ساتھ صلح رحمی کرتے تھے ہر بے کسی و مجبور کی مدد کرتے۔ ہمیشہ ملک وقوم کی خدمت کے لیے تیار رہتے تھے اب اچانک ان کی موت سے ہر طرف مایوسی اور غم کی فضا چھا گئی ہے۔نرسنگھ راج عالؔی نے ان کی موت کے غم کو نہایت ہی درد بھرے لہجہ میں پیش کیا ہے۔

دیگئے ہیں آپ غم سالار جنگ
ایسے ہیں افراد کم سالار جنگ
آپ کے ماتم کناں سارے امیر
کھارہے ہیں پیچ و خم سالار جنگ
فضل حق تھا آپ پر لیل و نہار
آپ کرتے تھے کرم سالار جنگ
آپ شائق تھے قدیم آثار کے
معترف اس کے ہیں ہم سالار جنگ
کس قدر ساماں جمع کرگئے
کیا تھا وہ جاہ و حشم سالار جنگ
کس قدر تیزی سے رخصت ہوگئے
چلدئے سوئے عدم سالار جنگ
مٹ گئی ہے شان روسائے دکن
سب کی اب آنکھیں ہیں غم سالارجنگ
دیکھتی کیا وہ سماں آنکھ آپ کی
جسکہ جاگیریں ہوں ضم سالارجنگ
دیکھتی کیا وہ سماں آنکھ آپ کی
جسکے جاگیریں ہوں ضم سالارجنگ

دیکھتی کیا وہ سماں آنکھ آپ کی
جسکے جاگیریں ہوں ضم سالارجنگ
آپ کے گھر سے ہزاروں گھر پلے
ڈھاگئے مرکر ستم سالارجنگ
رورہا ہے اک زمانہ آپ کو
ہیں نہیں کچھ ایک ہم سالارجنگ
۲۹

غرض یہ کہ زیرنظرنظم میں عالؔی نے سالار جنگ کی موت کے غم کونہایت ہی دردبھرے پراثر لہجہ میں بیان کیا ہےاوراس حقیقت کا بھی اظہار کیا ہے کہ سالار جنگ کی موت سے نہ صرف عالؔی دکھی وغم زدہ ہے بلکہ سارادکن ان کی موت کا سوگ منارہا ہے کیوں کہ سالار جنگ صرف امراءوجاگیرداروں کے دلدادہ نہیں تھے بلکہ کئی غریبوں،مسکینوں، بےبسوں وبےکسوں کے پالن ہار بھی تھے یہی وجہ ہے کہ ان کی ایک کی سے کئی گھر اجڑ گئے ہیں۔

غرض یہ کہ نرسنگھ راج عالؔی نے اپنی نظموں میں اپنے عہد کوسمویا ہے انھوں نے روایت کی پاس داری کرتے ہوئے اپنی شاعر بالخصوص نظموں میں اصلاحی موضوعات کو جگہ دی۔شراب کے مضراثرات، شراب سے انسان کی تباہی، حب الوطنی، وطن کی خدمت شاہ وحکمراں سے وفاداری، انسانی عظمت وغیرہ جیسے موضوعات کوانھوں نے مترنم لہجے میں پیش کیا ہے عالؔی کے نظموں میں کڑوے سیلے، تلخ الفاظ نہیں ملتے اور نہ ہی یہ بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے قائل ہیں بلکہ یہ نرم اور ملائم الفاظ کے استعمال پر قدرت رکھتے ہیں روانی وسادگی ان کی نظموں کی خاص خوبی ہے۔لہذا عالؔی نہ صرف ایک اعلیٰ پایہ کے غزل گوشاعر ہیں بلکہ نظم نگار کی حیثیت سے اعلیٰ اور بلند پایہ منصب بھی رکھتے ہیں۔

حواشی

۱ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، حیدرآباد، ۲۰۰۸، ص:۱۷۲

۲ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۷۲

۳ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۷۳ تا ۱۷۴

۴ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۷۴

۵ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۷۵

۶ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۷۵ تا ۱۷۶

۷ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۷۶

۸ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۷۷

۹ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۷۸

۱۰ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۷۸

۱۱ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۷۸ تا ۱۷۹

۱۲ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۷۹

۱۳ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۷۹

۱۴ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۷۹

۱۵ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۷۹ تا ۱۸۰

۱۶ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۸۰

۱۷ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۸۰

۱۸ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۸۰

۱۹ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۸۰ تا ۱۸۱

۲۰ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۸۱

۲۱ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۸۱

۲۲ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۸۲

۲۳ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۸۳

۲۴ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۸۲تا۱۸۳

۲۵ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۸۳

۲۶ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالیؔ، حیدرآباد۲۰۰۸، ص:۱۸۴

۲۷ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۸۴

۲۸ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، ص:۱۸۴

۲۹ سب راس، سالار جنگ نمبر، اپریل۱۹۴۹

☆☆☆

باب ششم

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے دیگر اصنافِ سخن

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی رباعی گوئی:

رباعی اردو شاعری کی ایک اہم صنف ہے جس کے چار مصرعوں میں خیال کو مکمل ادا کیا جاتا ہے رباعی کا وزن دوسرے اصناف سے مختلف ہے۔ کیوں کہ رباعی کے اوزان مخصوص ہیں اور انہیں بحروں میں رباعی کہی جاتی ہے۔ رباعی کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ یہ چار مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں اور رباعی کا تیسرا مصرع میں قافیہ و ردیف نہیں ہوتا۔ رباعی کا آخری مصرع پورے مضمون کا نچوڑ ہوتا ہے۔

رباعی کے لئے بحر ہزج کو مخصوص قرار دیا گیا ہے اس سے متعلق ڈاکٹر سیدہ جعفر اپنی کتاب ''دکنی رباعیات'' میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''علم عروض کے ماہروں نے بحر ہزج سالم سے جو مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن ہے دس ارکان نکالے ہیں اور انھیں رُباعی کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ ان میں ایک رکن سالم آتا ہے اور باقی نو زحافات کے ساتھ۔'' [1]

رباعی اردو شاعری میں دوسرے اصناف کی طرح عربی سے ہوتے ہوئے فارسی، فارسی سے اردو میں آئی ہے۔ فارسی کے معتبر رباعی گو رودکی (۹۴۰ء) کو رباعی کا موجد تسلیم کیا جاتا رہا۔ لیکن مختلف محققین نے رباعی کے ابتداء سے متعلق مختلف آراء پیش کئے ہیں۔ فارسی کے رباعی گو شعرا میں رودکی، فریدالدین عطار، مولانا روم، خیام، سعدی، جامی، حافظ وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہندوستان میں بھی کئی اردو شعرا ایسے ہیں جو فارسی زبان میں عبور رکھتے تھے شروع شروع میں رباعیات کے موضوع میں تصوف غالب تھا مگر بعد میں غزل کی طرح اس صنف نے بھی اتنا فروغ پالیا کہ تمام موضوعات پر اپنے خیالات کو قلم بند کرنے لگے جو اردو کے ساتھ ساتھ فارسی میں بھی اپنی شاعری کئے ہیں۔ ان میں سے ایک خواجہ میر دردؔ ہیں جنہوں نے اردو سے زیادہ فارسی میں رباعیاں کہی ہیں۔ اردو میں دردؔ کے بتیس یا پینتیس رباعیات ہونگی لیکن ان کے ایک سو سے بھی زیادہ رباعیات فارسی میں موجود ہیں۔ اور ان کی فارسی رباعیاں بھی اردو کی طرح

تصوف پر مبنی ہیں ان کی رباعیات میں عشق مجازی سے زیادہ عشق حقیقی پر زور دیا گیا ہے۔

یوں تو اردو ادب میں ہر چھوٹا بڑا شاعر اپنے مجموعے یا کلیات میں چند رباعیات ہی سہی مگر رباعیوں پر ضرور طبع آزمائی کرتا ہے۔ اس فن پر بہت سے شعرا کو عبور حاصل ہے یہ الگ سی بات ہے کہ ان کی پہچان ان کے رباعیوں سے نہیں بلکہ ان کے دیگر اصناف سے ہوتی ہے جیسے میر تقی میرؔ، سوداؔ، میر حسنؔ، آتشؔ، ناسخؔ، انشاءؔ، انیسؔ، دبیرؔ، غالبؔ، مومن، فراقؔ وغیرہ۔ ان میں سے بہت سے شعرا نے ضمنی طور پہ رباعیات کہے تھے۔

انیسؔ و دبیرؔ نے مرثیہ کے ساتھ ساتھ رباعیات کی طرف بھی توجہ دی انیس نے تقریباً ۵۵۰ اور دبیر نے ۲۰۰ تک رباعیات کہی ہیں یہ لوگ اپنے مرثیوں کو دربار میں پیش کرنے سے قبل سامعین کو اپنی طرف متوجہ کروانے کے لئے چند رباعیوں کے ذریعہ اپنے مرثیہ کا آغاز کرتے ہیں ان کے رباعیاں سلاست و روانی کے اعتبار سے معمور ہیں۔

پہونچا جو کمال کو وطن سے نکلا
قطرہ جو گہر بنا عدن سے نکلا
تکمیلِ کمال کی غریبی ہے دلیل
پختہ جو ثمر ہوا چمن سے نکلا

(دبیرؔ)

دل کو آرام نے قراری سے ملا
سینہ کو سرور آہ وزاری سے ملا
گلزارِ جہاں میں سرفرازی پائی
یہ پھل مجھے نخلِ خاکساری سے ملا

(انیسؔ)

دکنی شعرا نے جہاں اردو شاعری کے تمام اصناف کو فروغ دیا بلکہ اردو شاعری میں متعارف کروانے کا سہرا دکنی شعرا کو جاتا ہے۔ قلی قطب شاہ کے دیوان میں بہت سی رباعیاں ملتی ہیں مگر قطب شاہ کی

رباعیوں میں شگفتگی اور تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ کیوں کہ قلی قطب شاہ بنیادی طور پہ ایک عیش وحسن پرست شاعر تھا اس لئے اس کی تمام شاعری میں شگفتگی پائی جاتی ہے۔ جو دکنی زبان میں ہے:

کہیا ترے لب کیا ہیں، کہی آب حیات
کہیا کہ تیری لبدا، کہی جب نبات
کہیا کہ بچن تیری، کہی قطب کی بات
اس میٹھی لطافت پہ سدا ہے صلوات

اپ دوست تھے مل نیہ کے میں جام منگوں
اس ہونٹ شکر ایسے تھے میں کام منگوں
آرام دل آرام تھے ہے دل کوں سدا
میں اپنے دل آرام تھے آرام منگوں

تجھ حسن تھے تازہ ہے سدا حسن و جمال
تجھ یار کی بستی رہے عاشق کوں حال
تو ایک ہے تجھ سا نہیں دوجا کوی
کبوں پاوے جگت صفحے میں کوئی تیری مثال

(محمد قلی قطب شاہ)

دکن میں قلی قطب شاہ کے بعد ملا وجہی کے پاس ہمیں رباعیات ملتی ہیں اس نے راست طور پہ رباعیات نہیں لکھیں لیکن اس کی مشہور مثنوی قطب مشتری میں ہم کو نو (۹) رباعیاں ملتی ہیں اور ایک رباعی ''سب رس'' میں ملتی ہے۔ جو عشقیہ جذبات کو موضوع بنا کر لکھی گئی ہے۔

دنیا کے سو لوگاں میں وفا دستانیں
دھند دیکھے جفا باز جفا دستا نیں
بے مہریِ آدم ہے اسن سوں اس کی
دل باندنے میں کچھ وغاد ستانیں

تج یاد بنا ہور منجے کام نہیں
نس جاگتے جاتی ہے، دن آرام نہیں
میں تو تجے منگتی ہوں ادک جیوولے
توں کیوں منجے لگتا ہے سو کچھ فام نہیں
(ملاّ وجہی)

عادل شاہی عہد کا ملک الشعراء نصرتی نے بھی دکنی ادب میں اپنی تصانیف گلشنِ عشق، علی نامہ اور تاریخ اسکندری کے باعث ادبی دنیا میں مشہور ہے اس کے پاس بھی ہم کو رباعیاں ملتی ہیں جو عشقیہ جذبات کے ساتھ ساتھ اخلاقی موضوعات پر مبنی ہیں۔ اس کی مثال حسب ذیل ہے۔

بد گوہر ناداں سو نصیحت کے بچن بول نکو
پانی منے کھارے توں شکر گھول نکو
کیا قدر گہر کی بوجے گا
دھنگر کے انگے مانک کا گھر مول نکو
(نصرتی)

دکن کے دیگر رباعی گو شعرا میں ولی اورنگ آبادی اور سراج اورنگ آبادی کا شمار ہوتا ہے یہ غزلوں

کے ساتھ ساتھ رباعیات میں بھی اپنی تخلیقی صلاحیت کو پیش کئے ہیں۔سراجؔ کے کلیات میں چھ فارسی کی اور نو اردو کی رباعیات موجود ہیں۔سراج اورنگ آبادی کے رباعیات ان کے مجموعہ کلام کی طرح صاف سلیس اورر واں ہیں عشقیہ جذبات کوانہوں نے اپنے رباعیات میں پیش کیا ہے۔

ہر آن ترے خیال میں ہوں مشغول
یک بار نگاہ مہربانی سیں نہ بھول
بندہ ہوں ترا ہمیشہ جان و دل سیں
اے قادرِ بے نیاز کر مج کو قبول

اس شامِ جدائی میں مجھے آدیکھو
انصاف و کرم کو کار فرما دیکھو
خورشید ڈُبا شفق کے لوہو میں تمام
ٹک اپنے شہید کا تماشا دیکھو

(سراجؔ اورنگ آبادی)

سراجؔ اورنگ آبادی کی طرح ولیؔ دکنی نے بھی اپنے دیوان میں غزلوں کے ساتھ ساتھ رباعیات کو قلم بند کیا ہے۔ دیوانِ ولیؔ مرتبہ حیدر ابراہیم شایانی کے مطابق ولی کے دیوان میں کل چھ رباعیات موجود ہیں ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی کے مرتب کردہ کلیاتِ ولی کے مطابق ان کے پاس ۲۶ رباعیات موجود ہیں۔اوران رباعیات میں وہی جمال پرستی،محبوب کا سراپا نگاری کی ترجمانی ملتی ہے۔

تجھ مکھ کا یہ پھول ہے چمن کی زینت

تجھ شمع کا شعلہ ہے اگن کی زینت

فردوس میں نرگس نے اشارے سوں کہا

یہ نور ہے عالم کے نیں کی زینت

(ولی دکنی)

دکنی شاعری کو ترقی و ترویج کے راستے میں گامزن کرنے میں جس طرح مسلمان شعراء نے اپنی شاعری سے گامزن کیا ہے اسی طرح ہندو کائستھ گھرانے سے تعلق رکھنے والے شعرا نے بھی اپنی شاعری میں طبع آزمائی کی ہے جیسے مہاراجہ کشن پرشاد شاد ہیں ان کے پاس رباعیوں کے تین مجموعہ ملتے ہیں ان کی ایک اہم رباعی یہ ہے

اپنوں کی بھی غیروں کی بھی حالت دیکھی

شاہوں کی فقیروں کی بھی صحبت دیکھی

پرسان نہیں کوئی کسی کا بھی اے شاد

دنیا میں عجب ہم نے قیامت دیکھی

(مہاراجہ کشن پرشاد شاد)

راجہ نرسنگ راج عالی کے دیگر ادبی خدمات میں ایک اہم مسودہ ''درد باقی و درد ساقی'' کے نام سے ۱۳۴۲ھ ۱۹۲۳ء میں سردار پریس حویلی قدیم حیدرآباد سے منظر عام پر آیا۔ ''درد باقی و درد ساقی'' راجہ نرسنگ راج عالی کی مرتبہ ایک اہم تصنیف ہے۔ جس میں اردو کے مشہور شاعر خواجہ میر درد کے فارسی رباعیات موجود ہیں۔ جس کو راجہ نرسنگ راج عالی کے والد راجہ گردھاری پرشاد باقی نے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ انہیں رباعیات کو راجہ نرسنگ راج عالی نے ضائع ہونے سے بچالیا اور اس کو اردو کا سرمایہ سمجھ کے کتابی شکل دی ہے۔

دردؔ کے فارسی رباعیات اردو میں تعارف کروانے والوں میں نواب گردھاری پرشاد باقیؔ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ باقیؔ کو فارسی زبان پر عبور ہونے کی وجہ سے اور شاعر ہونے کے ناطے باقیؔ نے فارسی میں تقریباً ایک سو باکمال رباعیات تخلیق کی ہیں جب کہ ان کی اردو میں پچاس کے آس پاس رباعیاں دستیاب ہیں۔ گردھاری پرشاد باقیؔ نے خواجہ میر دردؔ کے فارسی رباعیوں کو اردو میں ترجمہ کیا۔ دردؔ کو ایک صوفیانہ شاعر کہا گیا۔ درد ایک صوفی شاعر تھے دنیا سے بے نیاز ان کی زندگی رہی دردؔ کے رسالے ''واردات'' میں دوسو سے زیادہ فارسی رباعیات ہیں اور اردو دیوان میں ۲۳ رباعیاں موجود ہیں۔ ان میں سے چند رباعیاں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

جب سے توحید کا سبق پڑھتا ہوں
ہر حرف میں کتنے ہی ورق پڑھتا ہوں
اس علم کی انتہا سمجھنا آگے
اے درد ابھی تو نامِ حق پڑھتا ہوں

آرام نہ دن کو بے قراری کے سبب
نے رات کو چین آہ وزاری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھی
یہ کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے اپنے مضمون ''اردو رباعی کا فنی و تاریخی ارتقاء'' میں دردؔ کی شاعری کے موضوعات سے متعلق یوں بیان کرتے ہیں۔

''دردؔ کی رباعیاں اگر چہ تعداد میں بتیس تینتیس ہوں گی مگر تمام کی تمام منتخب ہیں۔ جس طرح ان کی غزل میں مشکل سے کوئی شعر بھرتی

کا ملے گا۔ بالکل اسی طرح ان کی رباعیوں میں بھی رطب و یابس نظر نہیں آتا۔ کوئی چیز بیکار یا بے لطف نہ ملے گی یوں تو دردؔ صوفی منش آدمی تھے لیکن ان کی طبیعت نے اس موضوع میں بھی دلکشی اور چارشنی پیدا کردی ہے۔ ان کی رباعیاں اگر چہ تعداد میں کم ہیں لیکن بقول مولوی عبدالباری آسیؔ ''ان میں غزلوں سے زیادہ سوز وساز ہے۔'' ۲

گردھاری پرشاد باقی نے حضرت محمد علی صاحب عاشق سے فارسی تعلیم پائی تھی یہ بہت ہی صوفی پرست آدمی تھے فارسی شاعری میں حضرت عاشق صاحب سے اصلاح لیا کرتے تھے اور اردو میں حضرت فیض صاحب سے۔ انہوں نے اپنے استاد کی تعریف اپنی رباعی میں اس طرح کی ہے۔

''عاشق استاد کامل باقی شد
زان مایۂ عشق حاصل باقی شد
از مصقلہ ذکرد زتربیت فکر
آئینہ معرفت دل باقی شد''

۳

''درد باقی ودردساقی'' کو راجہ نرسنگ راج عالیؔ نے مرتب کیا اور سردار پریش حویلی قدیم حیدرآباد سے ۱۹۲۳ء میں شائع کیا۔ نرسنگ راج عالی اس کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا۔ پہلا باب تمہید، دوسرا باب سوانح عمری راجہ گردھاری پرشاد محبوب نواز ونت باقیؔ، تیسرا باب کلام عالیجناب باقی بیکنٹھ باشی نظم ونثر در معرفت، چوتھا باب رباعیات خواجہ میر درد علیہ الترجمہ معہ ترجمہ منظومہ حضرت باقی مرحوم، پانچواں باب رباعیات مصنفہ راجہ باقی بیکنٹھ باشی کے عنوان سے ہے۔

راجہ نرسنگ راج عالیؔ نے درد کے ان فارسی رباعیوں کی تشریح اپنے تمہیدی مضمون میں اس طرح کی ہے۔

''موت اورزیست کا سوال نہایت نازک اوراہم ہے۔اس کے سمجھنے سے اپنی ذات کی خبر ملتی ہے۔ اور اس خوشخبری کے حصول سے خیالات کی حالت بدلجاتی ہے۔انسان کا دل ایک ایسا پلٹا کھا تا ہے کہ جس کے بعد پہر کوئی سوال حل طلب نہیں رہتا۔اس مسلہ کی لاپروائی دنیا و مافیہا سے بیخبر رکہتی ہے۔اور عذاب وثواب خوف و خطراداٸی فرائض کی کوتاہی اسیکی نافہمی کا موجب ہے۔البتہ اس کے متعلق وہ دوسری روحانی حالت ضرورقابل تعظیم ہے جوانتہائی معراج کہی جاسکتی ہے اور جوشاذ دلدادگانِ خدا کونصیب ہوا کرتی ہے۔ ایک مرتبہ مہاراجہ یدہشٹر سے جن کا نام و ہرم راج بہی تہا اور جن کا ذکرخیر مہابھارت میں جابجاملتاہے یہ پوچھا گیا تھا کہ کونسی چیز دنیامیں عجیب وغریب ہےتو اس یکتائے زمانہ مہاراجہ نے یہ جواب دیا کہ انسان موت کے متعدد سانحات دیکہتا ہےاور متاثر ہوکر بہی فراموش ہوجاتا ہے۔ یہی ایک عجیب بات ہے۔اس سے بڑھکر کوئی عجوبہ نہیں'' مگرایسے شخص کی جس نے دنیااوراوس کے میدان کارزار میں قدم رکھا ہے بغیراس سوال کے سوچے سمجھے آنکہین نہین کھلتین کیا دنیوی امور کی ادائی اور کیا دینی فرائض کی سربراہی بجز اس نازک مسلہ کی معلومات کے ناممکن ہے انسان چاہے لاکھ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ وہ اس دریا کا تیراک ہےاور ہزارطرح سےاپنی تحریر وتقریر یا جدوجہد ظاہری سے یہہ بتلائے کہ اس نے اس رمز کو پالیا ہے۔ جومنشاءزندگی ہے۔ ہرگزعرصۂ درازتک پردہ خفامین نہین رکہہ سکتا۔ ہرایسا کام جو دانائی راستی اور راست بازی وفراست سے مبراہونمایشی ہوگا ادہوراہوگا۔اور نام وشہرت کی خواہش روڑے اٹکائے گی۔اورآخرکاراس کا یہانجام ہوگا کہ سعی لاحاصل ثابت ہوگی

اورسب تدبیرین بےسودہم دیکھتے ہین کہ سیکڑوں کام آغاز ہوے اور
ہوتے رہتے ہیں اور شاندار طریق سے ان کا افتتاح ہوتا رہتا ہے۔
لیکن آج اکثر ان میں سے نابود ہیں نام ونشان تک نہیں ملتا۔ان کے
وجوہ نیتی کی تحقیقات کیجائے تو صرف اسی ایک نتیجہ پر پھونچ سکتے ہیں
کہ نامکمل زندگی خواہش نام وشہرت اور عدم موجودگی صداقت نے
ایسے کاموں کو ملیامیٹ کر دیا اور آج وہ جامۂ نیتی میں روپوش ہیں۔
امیر ہو یا غریب دانا ہو یا نادان جب تک اس بات کو اچھی طرح نہ
سمجھہ لے وہ کسی کام کے لایق نہیں رہتا نہ اس کا کوئی کام بارآور ہوسکتا
ہے۔صرف سمجھ لینا یا کسی چیز کا ظاہری علم رکھنا کافی نہیں ہے بلکہ عمل
کرنا ظاہر و باطن میں صفائی اور یکرنگی پیدا کرنا نہایت لازمی اور
ضروری ہے۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ پاک اور اعلیٰ زندگی ہی
دوسرونکی فلاح کرسکتی ہے اور ایک مقدس عملی زندگی ہزاروں زندگیوں
کو راہ راست پر لاسکتی ہے۔ظاہر ہے کہ جو خود نہ سنبھلے دوسروں کو کیا
سنبھالیگا۔ جو خود نہ عمل کرے کسی اور سے کیا عمل کی توقع رکھ سکتا ہے
جس دل میں خود درد نہ ہو وہ کسی اور کے درد کو کیا جانے۔'' [۴]

اس طرح سے راجہ نرسنگ راج عالؔی نے اپنی مرتب کردہ تصنیف میں خواجہ میر درد کے فارسی رباعیات کو اردو میں تشریح کی ہے۔

''درد باقی و درد ساقی'' کا دوسرا باب ''سوانح عمری راجہ گردہاری پرشاد محبوب نواز ونت باقؔی'' ہے یہ راجہ نرسنگ راج عالؔی کے والد ہیں اس میں گردھاری پرشاد باقی کے ابتدائی و خاندانی حالات کو پیش کیا گیا ہے۔ راجہ گردھاری پرشاد بنسی راجہ محبوب نواز ونت المتخلص بہ باقی ہے اور یہ بتاریخ غرۂ رجب ۱۲۴۴ھ ہجری بمقام حیدرآباد میں ان کی پیدائش ہوئی اور ان کے جد اعلیٰ رائے دولت رائے بیکنٹہ باشہ حضرت نواب آصفجاہ نظام الملک کے ہمراہ اورنگ آباد آئے اور جب آصفیہ حکومت کا صدر مقام حیدرآباد بنا تو یہ بھی

حیدرآباد تشریف لائے ہیں۔اسی طرح اس میں راجہ نرسنگ راج عالؔی نے گردھاری پرشاد باقؔی کا حالات تعلیم وخانہ آبادی، حالات ملازمت وترقی کے مدارج، تذکرہ تصانیف ومشاغل علمی، اشعار سفرااورنگ آباد، کلکتہ کے مشاعرے کے اشعار، ملاقات بزرگان دین، حالات سیاحت وزیارات، حالات وفات وغیرہ کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے

درد باقی ودردساقی کے تیسرے باب میں عالؔی نے باقؔی کے فارسی کلام کے نمونے پیش کئے ہیں جو غزلیں، نظمیں، رباعیات، نعتیہ اشعار، ترانوں پر مشتمل ہیں۔

غزل کے نمونے

درمیان لفظ زر پیوند نیست
زان رفاقت زرندادہ باکے

منحصر برزرہمہ کار جہا نست
تارک زر نیست درد نیا کے

دین نگرد و حاصل اوراز نیہار
ترک دنیا را نسازو تاکے

دین نماند باقؔی ارد نیا کنی
چون کند این ہر دور ایکجا کے

ان کے کلام کے دور باعیات مثال کے طور پر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

درد باقی کہ جرعہ ساقی است
مستی افزائے بزم عشاقی است
دردے کہ بہ میخانہ درد و رواست
باقی از بہر فرحت باقی است

این درد کہ باقی ست درد و ساقیست
مستی افزای بزم عشاقی ست
درد یست زیخانہ درد آن درد
باقی از بہر انتشاطِ باقیست

ترانہ کے چندنمونے پیش ہیں۔

دل داد تادانی تادانی تادانی
تن داد تادانی تادانی تادانی
تن درچہ تن واری تن درچہ تن واری
تن منست تاچند نادانی نادانی

نعتیہ کلام کے چند اشعار مثال کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں:

ترااول بہا خفا آفریدند
ازان پس دین ودنیا آفریدند
پس از ذاتِ خدااوّل خدارا
جمالت ای خود آرا آفریدند
نخشین شان وقدرت عرصہ دادند

ازآن عرش معلیٰ آفریدند
ظہور عالمِ بالا ز پس گشت

نخست آن قد بالا آفریدند
وجودت پیش آدم بود موجود
تنت را پیش حوا آفریدند
زعکس خندہ دندان نمایت
بہم عقد ثریا آفریدند
خدایت رحمتہ العالمین گفت
برکس رحم فرما افریدند
سراپائے ترا مدحت چہ سازم
کہ از نورت سراپا آفریدند

یہ چند اشعار باقی کے فارسی کلام کے ہیں جو درد باقی و درد ساقی کے تیسرے باب میں شامل ہیں۔

درد باقی و درد ساقی کے چوتھا باب میں درد کے فارسی رباعیات کو باقی نے اردو میں ترجمہ کیا تھا کیوں کہ حضرت درد سے یہ متاثر تھے اس لئے انہوں نے ان کی فارسی رباعیات کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ان کے ترجمہ کو پڑھنے سے اصل کی لطافت حاصل ہوتی ہے۔ باقی کے ترجمہ کے متعلق ڈاکٹر پون کماری یوں کہتی ہیں:

''باقی نے خواجہ میر دردؔ کی رباعیوں کا ترجمہ اس خوبی سے کیا ہے کہ اصل کی لطافت ترجمہ میں بعینہ موجود رہی اور اردو کی خصوصیات، طرزِ ادا کی خوبی اور بندش کی چستی کا بھی خیال رکھا گیا ہے''[۵]

باقی کے چند ترجمہ کئے ہوئے رباعیات کے اشعار ملاحظہ ہو

خواہی کہ ہمہ راز آلہی فہمی
چیزے کہ بُرون نہ فہم خواہی فہمی
اے بے خبر از خویشچہ امکان واری
اسرار آلہی تو کہا ہی فہمی

خواہان ہے کہ اسرار آلہی سمجھے
آوے نہ سمجھ میں خواہ نخواہی سمجھے
اپنے ہی کو سمجھا نہیں کیا امکان ہے
اسرارِ آلہی کو کماہی سمجھے [۶]

ہر چند کند زمانہ کار خودرا
از دست مدہ تو اعتبار خودرا
از پائے فنادہ ایم چون سایہ ولے
ہر کس نہ فگندہ ایم بار خودرا

ہر چند کریں اہل جہاں کار اپنا
کہو تا نہیں اعتبار اے یار اپنا
سایہ کی طرح گری ہوی ہیں لیکن
ڈالا نہ کسی پہ ہم نے یہ بار اپنا
[۷]

اس اقتباس سے ہم باقی کے ترجمہ کے فن کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کس طرح اچھے مترجم تھے
پانچویں باب میں باقی کے دردؔ کے مضمون پر فارسی کے چند رباعیات ہیں۔

ہم نالہ گہ عذاب میگرد و درد
ہم شعلہ ز التہاب میگرد و درد
برحالت خود بلا تغیر با قیست
زان درد نہ خویش ناز میکر د و درد

واللہ عجب مرد خدا بود آن مرد
درد ھدت نیست مچل اوجامع فرد
ازقطع تعلقش پرس اے باقیؔ
بنگر کہ جدا جدا ست ہر حرف درد

۸

اس کے ساتھ ساتھ اس میں باقی کے چند اردو رباعیات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

ہوگا نہ کوئی موحد ایسا
عرفان میں ہے درد فارباقی
یکتا ہے وہ قلب میں ہمیشہ
ہے درد کا قلب درد باقی

اس کو نہ جدا سمجھ خدا سے
ہے مرد خدا یہ مرد باقی
وحدت کی صفا کی کیا خبر ہو
دل میں ہے دوئی کی گرد باقی

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے بھی باقؔی کی طرح فارسی کے رباعیوں کو اردو میں ترجمہ کیا ہے۔انہوں نے فارسی کے مشہور شاعر عمر خیّام کے رباعیات کو اردو میں ترجمہ کیا۔لیکن راقم الحروف کو ان کی ترجمہ کی ہوئی رباعیاں دستیاب نہ ہوسکیں اس تعلق سے سید مظفر الدین لکھتے ہیں۔

''آپ راجہ گردھاری پرشاد محبوب نواز ونت باقؔی کے پانچویں فرزند تھے۔ یہ عمر قیام کی رباعیات کے مترجم ہیں۔ عالؔی کو راجہ بہادر کا خطاب ۱۲۱۴ھ میں سرکار آصف جاہ سادس کی سلور جوبلی کے موقع پر عطا ہوا تھا۔'' ۹

عالؔی کی رباعیات:

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کا شمار سلطنت آصفیہ کے نامور شعرا میں ہوتا ہے انھوں نے کلاسیکی شاعری کے فروغ میں اہم رول ادا کیا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جہان ملک کے سیاسی حالات کے ساتھ ساتھ شعر و ادب میں بھی موضوعاتی اعتبار سے بڑی تبدیلی رونما ہو رہی تھی شعرا اور ادبا نئے موضوعات اور نئی تکنیک کے زیر اثر شاعری کر رہے تھے ترقی پسند تحریک کو عروجِ کمال حاصل ہو رہا تھا غزل سے زیادہ نظم گوئی پر توجہ دی جا رہی تھی ایسے حالات میں بھی راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے روایتی شاعری کو پوری جدت اور ندرت سے نہ صرف اپنایا بلکہ تمام شعری اصناف میں طبع آزمائی کر کے کلاسیکی شاعری کو جلا بخشی۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے صنف رباعی میں تمام کلاسیکی موضوعات کو نئے لب و لہجہ میں پیش کیا ہے انھوں نے نہ صرف سماجی اور اصلاحی موضوعات کو اپنی رباعیات میں جگہ دی بلکہ مختلف شخصیات کے اخلاق و

آداب کو بھی رباعیات میں اجاگر کیا ہے ساتھ ہی ساتھ کائیستھ طبقہ کی عظمت واہمیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

کائیستھ طبقہ عرصہ دراز تک آصفیہ حکمرانوں کا خدمت گذار رہا ہے دکن میں اس طبقہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔عثمان علی بادشاہ کے دربار میں بھی کئی کایستھ اشخاص اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے کایستھ طبقہ کے افراد نہ صرف محنتی تھے بلکہ جذبۂ وفا ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا اپنی وفاداری کے لیے اس طبقے کے افراد کافی مشہور تھے کائیستھ طبقہ کی اسی وفاداری،عظمت اور شان وشوکت کا بیان عالؔی نے اپنی رباعیات میں رواں اور سلیس زبان میں کیا ہے۔

کایستھ جو سب آج یہاں ہیں یکجا
رتبہ ہو ہم سب کا بلند اور اعلیٰ
ہم قوم کے ہیں اور قوم ہماری عالؔی
ہم اس کے ہیں خادم وہ ہے ملجا ماویٰ

کایستھ ہے مفخر دکن پر اپنے
کیوں مرنہ مٹے اسی وطن پر اپنے
آسائش و عزت ہے میسر عالؔی
صد ناز ہے اس شاہ دکن پر اپنے
[۱۰]

غرض یہ کہ عرصہ دراز تک کایستھ طبقہ نے آصفیہ حکمرانوں کی خدمات انجام دیں اپنی صاف گوئی اور ایمانداری کی وجہ سے اس طبقے کے لوگ اعلیٰ حضرت عثمان علی بادشاہ کے بھی عزیز ہوا کرتے تھے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو عثمان علی بادشاہ سے خاص عقیدت اور اُنسیت تھی نرسنگھ راج عالؔی اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ اگر عثمان علی بادشاہ اپنے خدمت گذاروں اور غلاموں پر نظر عنایت نہیں کرینگے تو تمام

غلام اور خدمت گذار سکون اور آرام کی زندگی بسر کرنے سے قاصر رہیں گے ساتھ ہی ساتھ ان کے افراد خاندان بھی تکلیف اور مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ اس لیے عالی عثمان علی بادشاہ سے رحم اور کرم کی گذارش کرتے ہیں ساتھ ہی اپنے عہدے کی بحالی کی بھی فریاد کرتے ہیں انھوں نے اپنی رباعیات میں بار بار اپنے عہدے کی بحالی کی گذارش کی ہے اور عثمان علی بادشاہ کے وقار اور مرتبہ کی بھی ستائش کی ہے۔ اس ضمن کے چند رباعیات ملاحظہ ہو۔

شاہا ترے قدموں کے پرستار ہیں ہم
پشتینی غلام اور نمک خوار ہیں ہم
چھن جائیں گے گر سر رشتہ ہم سے آقا
بچے روئیں گے پھر بہت خوار ہیں ہم

ص ۱۸۶

دن میں ہے ہمیں چین نہ ہے راتوں میں
تحریر میں کچھ لطف نہ ہے باتوں میں
کیا عرض کریں ضبطِ سر رشتہ کا مآل سے
ہے مرگ و حیات اپنی تیرے ہاتھوں میں

کس در پہ کریں سوال در ایک ہی ہے
ہم کس سے کہیں یہ حال در ایک ہی ہے
آقا کرو اب رحم ہے حالت نازک
بچوں کا رہے خیال در ایک ہی ہے

مالک شہَ عثمان ہیں ہمیں کیا ڈر ہے
ہم جسم ہیں یہ جان ہیں ہمیں کیا ڈر ہے
جائیں گے سر رشتے ان کے ہوتے کیوں کر
للہ اپنے نگہبان ہیں ہمیں کیا ڈر ہے

اس دور میں ہر پیر جوان ہوتا ہے
الطاف شمسی سے یہ عیان ہوتا ہے
ہم ہیں شہ عثمان کے ثنا خواں عالؔی
جو دل میں ہے وہ دردِ زبان ہوتا ہے

حشمت بڑھے شہرت بڑھے اقبال بڑھے
ہمت بڑھے شوکت بڑھے اجلال بڑھے
عالؔی کی دعا ہے کہ یہ بڑھتی دولت
ہر دم بڑھے ہر دن بڑھے ہر سال بڑھے

[11]

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو عثمان علی بادشاہ کے علاوہ مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ سے بھی بڑا لگاؤ تھا۔ مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ ایک نیک دل، ملنسار، اور خوش مزاج انسان تھے وہ ہمیشہ اپنے دوستوں اور ہم عصروں سے خندہ پیشانی سے ملا کرتے۔ اگر کوئی بات ناگوار گذرتی وہ اس کا ذکر کہنے والے سے اکیلے میں کرتے محفل

میں کسی کو ٹوکنا، بے عزت کرنا اور ذلیل کرنا مہاراجہ کا شیوہ نہ تھا۔ مہاراجہ کے اخلاق عمدہ اور صفت اعلیٰ تھی۔ نرسنگھ راج عالؔی سے مہاراجہ کشن پرشاد شاد کے گہرے مراسم تھے ان کے خاص دوستوں اور چاہنے والوں میں عالؔی کا نام نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔ عالؔی مہاراجہ شاد کو نوجوان نسل کے لیے ایک مثلِ راہ قرار دیتے ہیں ان کی نظر میں اگر لوگ مہاراجہ کے اخلاق و آداب کو اپنا لے تو انسانیت کو فروغ ہوگا ہر سمت دکن کا بول بالا ہوگا۔ مہاراجہ کشن پرشاد شاد کی موت سے عالؔی بہت غمگین رہنے لگے تھے۔ ان کی موت سے نہ صرف ان کے افراد خاندان بلکہ سارے دکن میں غم کی لہر دوڑ گئی تھی کیوں شاؔد دکن کے ہر دل میں اپنی مخصوص جگہ رکھتے تھے ان کے انتقال سے ہر امیر و غریب ہر بوڑھا و جوان غمگسار تھا۔ عالؔی نے اپنے جذبات و مہاراجہ سے عقیدت و احترام کا بیان اپنی رباعیات میں بڑے لطیف پیرائے میں کیا ہے۔ اس سلسلہ کی چند رباعیات ملاحظہ ہو۔

کون ہے وہ جو آج نالاں نہیں
دل ہیں مرجھائے ہوئے خنداں نہیں
کیا کہیں ہم اپنا عالؔی حال دل
شاد بھی باقی نہیں شاداں نہیں

ہوگئے نظروں سے غائب اور نہاں
یاد کرتا ہے تمہیں سارا جہاں
آتا ہے رہ رہ کے عالؔی کو خیال
تم کو اب پائیں مہاراجہ کہاں

آیا ہے پسند اس لئے جانا تم کو
جنت میں ملا ہوگا ٹھکانا تم کو
چھوٹے ہوئے ہو گئے دوسال اے شآد
اب بھی روتا ہے اک زمانہ تم کو

بندش میں قیود میں بھی آزاد تھے تم
ہر بھولے مسافر کی فقط یاد تھے تم
عآلی نے تمہیں دیکھا ہے ہر حالت میں
ناشادی و شادی میں یونہی شاد تھے تم

دل صاف تھا طینت کے بڑے پاک تھے تم
بحرِ کرم وجو کے پیراک تھے تم
عآلی ہی نہیں کہتے ہیں سب اہل وطن
باوضع امیروں تھے بے باک تھے تم

ناشر تھے ادیب تھے سخنور تھے
دل والے سخی دانا مخیّر تم تھے
کیا اور کہے عآلی خستہ تم کو
بے چارہ و بے کس کے مقدر تم تھے

پچھلی الفت تو اک کہانی ہے
بے عمل بات سب زبانی ہے
چاہتے ہو اگر نمونۂ خلق
شآد کی دیکھو زندگانی ہے

اخلاص وفا کے خضرِ راہ بنو
خلقت کے لئے یاد سحر گاہ بنو
سکھلایا سبق شاد نے عآلی سب کو
ملک و مالک کے یوں بہی خواہ بنو

مرنا اچھا ہے مرنے والوں کے لئے
پتھر نیکی کا دہرنے والوں کے لئے
عآلی دنیا میں شاد زندہ ہی ہیں
ہے زندگی کام کرنے والوں کے لئے

دورساقی ہیں مست جام رہیں
دشمن پامال اور بد نام رہیں
عآلی کی دعا دلی یہی ہے یارب
مہاراج ہیں شاد شاد کام رہیں

شوکت رہتی ہے اور نہ ثروت رہتی
منصب رہتا ہے اور نہ خدمت رہتی
عالؔی رہتا ہے نیک نام انسان
جو نیک عمل ہیں ان کی شہرت رہتی

اعلیٰ ہے وہی جس کی صفت ہو اعلیٰ
نیکی سے پڑا ہو سابقہ اور بالا
عالؔی ہے یہ اقوال بزرگان قطعی
اولاد سے بڑھ کر ہے عمل کا درجہ

ص۱۹۰

آج رونا ہے اپنی پستی پر
دل کی اجڑی ہوئی سی بستی پر
سینکڑوں کیا ہزاروں اے عالؔی
روتے ہیں شاد جیسی ہستی پر

کیوں آج مکدریہ زمانہ کی فضا ہے
کیوں بدلی ہوئی گلشن عالم کی ہوا ہے
کیا خلق و مروت بھی مرخص ہوئے عالؔی
مہراج کا ماتم جو ہر اک گھر میں بسپا ہے

سچ ہے جہاں میں شادمانی کب تک
سچ ہے جہاں میں زندگانی کب تک
سونی محفل ہے عالؔی ایک شاد بغیر
بے صاحب خانہ مہمانی کب تک

ہو کام کی گر تو زندگانی اچھی
غیروں کی خوشی میں شادمانی اچھی
یہ شاد نے دنیا کو سبق آکے دیا
بد زیست سے مرگ جاودانی اچھی

بیکار جو ہیں ان کا یہاں کام نہیں
ایسوں کے لئے صبح نہیں شام نہیں
تھے اپنے وطن میں عالؔی ایک فرد عجیب
کس منہ پہ زباں پہ شاد کا نام نہیں

اخلاق وکرم آپ کا دنیا میں نہیں
ڈھونڈھے سے نظیر اس کی ملے گی نہ کہیں
خوش خلق سخی شاد سا داتا عالؔی
بالائے فلک نہ سرِ فرش زمیں

دیتے ہوئے خیرات ہی شرماتے تھے
بے موقع و بے محل نہ گرماتے تھے
عالؔی کس سے کہے وہ دل کی باتیں
ہر لحظہ و ہر لمحہ جو فرماتے تھے

۱۲؎

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو فصاحت جنگ جلیل سے تلمذ حاصل رہا۔ فصاحت جنگ جلیل مانکپوری کا شمار اردو ادب کے نامور اساتذہ سخن شعرا میں ہوتا ہے۔ فصاحت جنگ جلیل امیر مینائی کے ہمراہ دکن آئے تھے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے تھے اپنے علم و ہنر سے نہ صرف دکن کی عوام بلکہ آصفیہ دربار میں بھی خاص مقام حاصل کر لیا تھا۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی بھی اپنے کلام پر فصاحت جنگ جلیل سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ عالؔی کی نظر میں فصاحت جنگ جلیل علم و فن کے دلدادہ تھے۔ عظیم استاد اور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک نیک دل انسان بھی تھے۔ اپنے شاگردوں سے انھیں بے لوث محبت تھی۔ انھیں زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی مشکل سے مشکل ردیف بھی بڑی روانی سے شعر کہتے تھے۔ اپنے شاگردوں سے ہمیشہ نیک دلی اور خوش مزاجی سے ملا کرتے ان کے کلام پر اصلاح کر کے ضروری مشورے بھی دیا کرتے تھے۔ عالؔی کی نظر میں ان کے جیسا استاد سارے جہاں میں کہیں اور نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ان کی طرح زبان و بیان پر قدرت رکھنے والا جلیل القدر استاد اس عہد میں موجود تھا۔ عالؔی اپنے استاد فصاحت جنگ جلیل مانکپوری کے مقام و مرتبہ اور ان سے محبت اور عقیدت کا اظہار اپنی رباعیات میں سادہ اور دلکش لہجہ میں کیا ہے۔ اس ضمن کی چند رباعیات پیش ہیں۔

طُرہ افتخار شاہ دکن
جن سے قائم ہے نظم ملک سخن
ان کے شاہانہ فیض سے عالی
آج استاد ہیں امام الفن

ہیں سخن کے آسماں بھی شاعری کے بدر بھی
شاہ کے استاد بھی ہیں فاضلوں کے صدر بھی
اس خطاب شاہ سے ہم سب ہیں عالؔی مفخر
ہیں امام الفن بھی حضرت اور جلیل القدر بھی

لاکھوں آجاتے ہیں مرجاتے ہیں
ہاں کارِ نمایاں کوئی کرجاتے ہیں
کہلاتے ہیں کامل وہی مانند جلیل
جو ساتھ تقدس کے گزر جاتے ہیں

دنیا میں رہے ہو کے کنارے بے شک
تھے چشم سخن کے وہ ستارے بے شک
اس دہر میں عالی ہے تقدس افضل
بے لوث تھے استاد ہمارے بے شک

مٹا شعر و سخن کا خوشنما فلم
نہیں استاد سا اب صاحب حلم
کہی برجستہ عالؔی نے یہ تاریخ
فصاحت جنگ تھے اک قبلۂ علم

قادر تو فصاحت میں بیاں میں نہیں ہوتا
کامل کوئی ایسا بھی زباں میں نہیں ہوتا
یہ کہہ کے شب و روز تڑپ اٹھتے ہیں عالؔی
آپ سا استاد جہان میں نہیں ہوتا

فن میں کامل بھی تھے ذی تدبیر تھے
خوش رقم تھے صاحب تقدیر تھے
کیسے تھے استاد عالؔی کیا کہیں
انتہائے خلق کی تصویر تھے

[۱۳]

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کا یستھ طبقہ سے تعلق رکھنے کے باوجود دوسرے مذاہب کی اہمیت کو تسلیم کرتے تھے ان کے نزدیک ہندوستان میں موجود تمام مذاہب عظیم اور بلند افکار کے حامل ہیں۔ نرسنگھ راج عالؔی کو سکھ طبقہ کے پیشوا گرونانک سے بھی غیر معمولی عقیدت تھی۔ عالؔی گرونانک کو خدا کے نائب مانتے ہیں اور ان کے اعمال کو تمام انسانون کے لیے مثل راہ قرار دیتے ہیں۔ گرونانک پوری دنیا میں اپنے نیک اور صلح اعمال کی وجہ سے مشہور ہیں اسی وجہ سے انھیں پنجاب کا شیر کہا جاتا ہے۔ عالؔی ان کی صاف گوئی، صلح رحمی، ہمدردی اور صداقت کو دیکھ کر حیران ہیں اور ان کو سچا موحد قرار دیتے ہیں۔ عالؔی نے اپنی رباعیات میں گرونانک کی عظمت اور عقیدت کا بیان خوبصورت اور دلکش پیرائے میں کیا ہے چند رباعیات ملاحظہ ہو۔

تھا رحمت باری گرونانک کا وجود
ملتا رہا ان سے سب کو بود و بہبود

اب تک عمل و قول پہ ان کے عالؔی
ہر چند وہ صدیوں سے نہیں موجود

تم رحم کے دریا تھے سمندر تم تھے
تم نجت کے دارا تھے سکندر تم تھے
عالؔی تو سمجھتا ہے کہ اک دور یہ تھا
پنجاب، دکن، ہند میں گھر گھر تم تھے

پنچاب کے شیر تھے دلاور تھے تم
ایمان کے دریا کے شناور تھے تم
کہتے ہیں عالؔی یہ گرونانک جی سے
بگڑی ہوئی قوم کے مقدر تھے تم

نانک سا موحد تو نہ ہوگا کوئی
سچا بھی ہو دین دار ہو اچھا کوئی
ہونے کو ہوئے ہنود میں بہتیرے
مشکل سے نظر آئے گا ایسا کوئی

حیران ہیں کسی نے تمہیں جانا کیسے
دنیائے صداقت ہے مانا کیسے
عالؔی گرونانک نے کئے ہیں وہ کام
بھولے گا کبھی ان کو زمانہ کیسے

[۱۴]

ماں دنیا کی سب سے عظیم اور مقدس ہستی ہے۔ دنیا میں ہر رشتہ سے بلند اور بالاتر مان کا رشتہ ہوتا ہے۔ ماں ہی وہ ہستی ہے جو اولاد کے ہر غم ہر عیب کو اپنے سینے میں دفن کر کے مسکراتی ہے۔ اپنی اولاد کو دنیا کے ہر غم دکھ درد، مصیبت اور پریشانی سے محفوظ رکھتی ہے۔ اولاد کی خوشی اور سکون کے لیے وہ دنیا کا ہر غم برداشت کرتی ہے لیکن اپنی اولاد کے آگے ہمیشہ مسکراتی ہے تا کہ اس کے حوصلہ بلند اور عظیم ہو۔ ماں کے دل کو خدا نے پرنور بنایا ہے۔ عالؔی اپنی رباعیات میں ماں کی عظمت کا اعتراف بڑے ہی دلنشیں انداز میں کیا ہے انھوں نے اپنی رباعیات میں بارہا اپنی والدہ اور والد کو یاد کیا ہے ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کی ہے کہ جو والدین کا دل دکھائے گا وہ کبھی خوش نہیں رہ پائے گا اسی لیے ہر انسان کو چاہیے کہ اپنے والدین سے محبت اور نرمی سے پیش آئے ان کے ساتھ نیک اور حسن سلوک کرے۔ ان کی خدمت کرے اور خدا سے ان کی سلامتی طلب کرے۔ اس ضمن کی چند رباعیات ملاحظہ ہو۔

دنیا کو بہت دیکھا ہے چھانا
دیکھا ہے برا اور زمانہ اچھا
الفت مادر کی ہم نے دیکھی عالؔی
تسکین قلوب کا ٹھکانہ اچھا

بے کینہ ہی انسان کا سینہ اچھا
جو خلق کے کام آئے دفینہ اچھا

عالؔی کمسن تھا تونے کھویا والد
سمجھا تھا کہ بس ماں کا ہی جینا اچھا

جو اہل عمل ہیں ان سے حکمت سیکھو
گر شوق سعادت ہے تو خدمت سیکھو
طاقت قدرت نے دی ہے اپنی سب کچھ
عالؔی دنیا میں ماں سے الفت سیکھو

انسان بزرگ اپنا سبھی کو سمجھے
دنیا کی بھلی اور بری کو سمجھے
سمجھے گا خدا ان سے ہمیشہ عالؔی
ماں باپ سے بڑھ کر جو کسی کو سمجھے

۱۵

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو دنیا کی بے ثباتی کا بھرپور علم تھا اسی لیے وہ عشق حقیقی میں مشغول رہتے اور ہمیشہ خدائے پاک سے رحم وکرم کی التجا کرتے ہیں۔نرسنگھ راج عالؔی کی رباعیات میں عشق حقیقی کا بیان شدت سے ملتا ہے۔عالؔی کے مطابق خدا کی ذات ہی عبادت کے لائق ہے دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا علم خدائے پاک کو ہے اور خدا کی مرضی سے ہی تمام کائنات کا نظام چل رہا ہے۔عالؔی کہتے ہیں کہ اگر ان پر خدائے پاک کی نظر عنایت ہو جائے تو ان کی بگڑی سنور جائے گی تمام کام بن جائیں گے اور وہ دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو جائیں گے۔عالؔی کہتے ہیں کہ ایک دن یہ دنیا چھوڑ کر ہم سب کو خدا کے حضور میں جانا ہے۔اور جب ہمارا آب ودانہ اس دنیا سے اٹھ جائے گا تب ہم سب خدا کے حضور میں جمع ہو جائیں گے تب خدا کے سوا ہماری

بخشش کوئی نہیں کر پائے گا اسی لیے عالؔی ذات حقیقی کو ہی تسکین اور سکون کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ان کے یہاں خدا اور بندے کے رشتے کی حقیقت اور خدا کی حکمت اور بڑائی کا بیان بڑے ہی لطیف انداز میں ملتا ہے۔چند مثالیں پیش ہیں۔

بندہ ترا مشہور ہوں آواروں میں
کس منہ سے کہوں رہ کے خطاواروں میں
یارب تو رحیم ہے جو ہو چشم کرم
پاجاؤں نجات میں گنہگاروں میں

جنگل سارے ہرے بھرے تیرے ہیں
موتی جھوٹے بھی اور کھرے تیرے ہیں
غفار ہے تو رحیم ہے تو یارب
سچ تو یہ ہے بھلے برے تیرے ہیں

کیوں آتی بلا ہے آزمانے یارب
اب مجھ کو لگادے تو ٹھکانے یارب
عالؔی ہے گنہگاروں میں سب سے اول
دے اس کو نجات اس بہانے یا رب

اٹھ جائے گا جب کہ آب و دانہ اپنا
دے گا نہ کبھی ساتھ زمانہ اپنا

اس وقت بھی جب کہ ہم نہ ہوں گے عالؔی
رہ جائے گا دنیا میں فسانہ اپنا

گر مجھ پہ نگاہ مہربانی ہوجائے
کچھ کام کی میری زندگانی ہوجائے
دے میرے گناہوں کا صلہ یارب
ہو جائے نجات جاودانی ہو جائے

کس منہ سے کروں حمد الٰہی تیری
دیتا ہے ہر ایک ذرہ گواہی تیری
بے مانگے دیا کرتا ہے تو بندوں کو
رحمت ہے عجب نامتناہی تیری

ہر وقت خدا یاد صبح شام رہے
اس کام سے بڑھ کر نہ کوئی کام رہے
عالؔی نہیں دنیا میں کوئی اور دو
ہر درد کو اس ایک سے آرام رہے

۱۶

غرض یہ کہ عالؔی نے عشق حقیقی کا بیان اپنی رباعیات میں سادہ اور سلیس لیکن اثر آفریں لب ولہجہ

میں کیا ہے۔عشق حقیقی کے علاوہ عالؔی نے عشق مجازی کا بھی اپنی رباعیات کا موضوع بنایا ہے۔عالؔی کا محبوب خیالی نہیں وہ جیتے جاگتے اور اپنے ساتھ زندگی گذارنے والے محبوب کے متمنی ہے۔عالؔی عشق کی کیفیت سے بھرپور واقف ہے کہ اگر محبوب سے ملاقات نہ ہوتو دل کو ایک پل بھی آرام نہیں ملتا اور اگر کبھی وہ خواب میں نظر آجاتا ہے تو پھر اس کو بھلانے میں اور بھی تکلیف ہوتی ہے۔ان کا محبوب وفا شعار ہے اسی لیے انھیں اپنے محبوب کو بدنام کرتا اور اس پر تہمت لگانا گوارا نہیں۔مثلاً

وہ کون تھا مطلوب جو پایا نہ گیا
جس کا تھا خیال وہ جو آیا نہ گیا
عالؔی کس کی لگن لگی تھی دل میں
وہ کون تھا سپنے میں جو بھلایا نہ گیا

حاضر ہے جو ہر وقت وہ پایا نہ گیا
دل میں نظروں میں حیف لایا نہ گیا
عالؔی کس طرح میں لگاؤں تہمت
جب مجھ سے ہی اپنے میں سمایا نہ گیا

۱۷

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو اپنے وطن سے غیر معمولی محبت تھی عالؔی نے ملک کی تقسیم اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی ساتھ ہی دربار کا خاتمہ، انگریز سامراج کا ظلم بھی انھوں نے دیکھا تھا اسی لیے وہ تقسیم کے کرب اور فسادات سے بخوبی واقف تھے۔ ہندوستان جو کہ امن کا پیکر تھا، محبت اور قومیت کا گہوارہ تھا تقسیم کے بعد مذہب وقوم کے نام پر یہاں جھگڑے ہونے لگے۔ ہندو مسلم جو آپس میں بھائی بھائی تھے۔ایک دوسرے کے سکھ دکھ میں ساتھ دیتے تھے ہمیشہ ایک دوسرے کے کام آتے تھے انگریزوں کی چال کا شکار ہو گئے اور

آپس میں جھگڑنے لگے ان فسادات اور جھگڑوں کی وجہ سے ملک کا امن وامان جاتا رہا۔ قتل گری، تباہی، خوں ریزی عام ہوگی۔ انسانیت کا خاتمہ ہوا۔ عآلی نے اپنی رباعیات میں قومیت، یکجہتی اور آپسی بھائی چارگی کو بھی موضوع بنایا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ اگر ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی تمام ہندوستانی آپس میں متحد ہو جائیں تو ہمارا ملک ترقی کی نئی منازل طئے کرسکتا ہے اور ساری دنیا میں بلند اور اعلیٰ مقام ومرتبہ حاصل کرسکتا ہے اسی لیے عآلی اپنی رباعیات میں تمام ہندوستانیوں کو متحد رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ عآلی کہتے ہیں کہ آپس میں جھگڑنے، لڑنے سے ہمارے مسائل حل نہیں ہوں گے اور نہ ہی ملک جو ابھی ابھی آزاد ہوا ہے ترقی کر پائے گا۔ اسی لیے ہم آپس میں جھگڑنے کے بجائے بردباری سے کام لیں۔ کیوں ملک نہ صرف ہندوؤں کا ہے اور نہ ہی صرف مسلمانوں کا بلکہ ملک ہندوستان ہم سب کا ہے اسی لیے ہم سب کو اس کی فلاح و بہبودی کا کام کرنا چاہیے ایک جٹ ہوکر اس کے مسائل کو حل کرنا چاہیے۔ ہتھیاروں کے بل بوتے پر ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کے بجائے آپسی صلح سے کام لینا چاہیے۔ مذہب کے نام پر جھگڑے نے کے بجائے یکجہتی اور قومیت کا پرچم بلند کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

جو کام ہیں کرنے کے وہ کرنا اچھا
اپنی خاص کو آپ بھرنا اچھا
ہاں جینا ہے عآلی تو جیو اس دہن میں
ملک و مالک پہ اپنے مرنا اچھا

زہریلا ہے کیا نام خدا خیر کرے
ہر لمحہ ہے ہر خطر خدا خیر کرے
تھا خواب و خیال بھی نہ عآلی اس کا
نہ ہو ملک دکن میں شر خدا خیر کرے

ہم سے چھوٹا ہے بندگی کا سبق
اب ہے حامل درندگی کا سبق
ملک والو اٹھو سنو لے لو
اپنے ایمان سے زندگی کا سبق

دل دکھا نے میں کیا بھلائی ہے
جب ہر انسان اپنا بھائی ہے
رورہا ہوں میں سن کے یہ عالؔی
ہندو مسلم میں اب جدائی ہے

اسلاف پہ الزام نہ دھرنا ہرگز
ان کے نہ رویے سے مکرنا ہرگز
جوہر یہ بہادری کے گھر میں کیسے
ہندو مسلم نہ جنگ کرنا ہرگز

ہتھیار لگاکے اب اکڑنا چھوڑو
بھائی بھائی سے یوں بگڑنا چھوڑو
ماروگے کسے مار کے کیا پھل پاؤ گے
للہ تم آپس کا جھگڑنا چھوڑو

آتی نہیں ہمیں کچھ بات سمجھ میں واللہ
بیجا ہوا کیسا یہ تصادم نا گاہ
اک ملک میں رہتے ہوئے آپس میں لڑیں
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اہل دنیا بگڑتے جاتے ہیں
ہندو مسلم کے گہرے ناتے ہیں
سب برادر ہیں عآلی غیر کون
یہ بزرگوں سے سنتے آتے ہیں

حق والو بتاؤ حرم و دیر کہاں
جب ایک وطن میں ہوتو پھر بیر کہاں
خالق دونوں کا جب نہیں دو عآلی
ہندو مسلم ہیں ایک غیر کہاں

۱۸

آپس کی نزاعات میں دعویٰ کیسا
اپنوں سے پرایوں کا سا شکوا کیسا
بھائی بھائی جو عآلی کہلاتے ہیں
ہندو مسلم میں ہائے جھگڑا کیسا

۱۹

ہندو مسلم کے نام کی لاج رکھو
مرجاو مگر بیرنہ آپس میں رکھو
بدنامی سے جینا بھی کوئی جینا ہے
جیتے ہو تو الفت سے جیو ورنہ مرو

ایک آقا کو جاننے والے
ہیں مذاہب کے چاہنے والے
عالؔی دنیا کی وہ نہیں سنتے
جو ہیں ایشور کے جاننے والے

۲۰

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اپنی رباعیات میں تمام مسائل اور تصوف کا بیان بڑی عمدگی سے کیا ہے ان کے یہاں عشق مجازی سے لے کر عشق حقیقی تک کا والہانہ اظہار ملتا ہے۔ انھوں نے قومیت اور بھائی چارگی (یکجہتی) جیسے اہم موضوع کو بھی اپنی رباعیات میں جگہ دی ہے۔ عالؔی نے اپنے چاہنے والوں اور حاکم وقت عثمان علی بادشاہ اور مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کو بھی اپنی رباعیات کے ذریعہ خراج پیش کیا ہے۔ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ عالؔی کے یہاں فن رباعی گوئی اپنے عروج پر نظر آتی ہے اور اگر عالؔی صرف رباعیات بھی لکھتے تو اتنے ہی مشہور ہوتے جتنے کہ آج ہیں۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی قطعہ نگاری

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اُردو ادب کی تقریباً تمام شعری اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے یہاں قطعات بھی بڑی تعداد میں ملتے ہیں انھوں نے مختلف موضوعات کے تحت قطعات لکھے ہیں قطعہ کے موضوعات محدود اور متعین نہیں، کسی بھی موضوع پر قطعہ کہا جاسکتا ہے۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے حاکم وقت

عثمان علی بادشاہ، مہاراجہ کشن پرشاد شاؔد، اپنی ماں، ماں کی رحلت، قومی یکجہتی، آزادی، جمہوریت، انسان دوستی، ہمدردی، سماجی برائیوں کے خلاف جدوجہد، جوّے کی لت، جب الوطنی وغیرہ جیسے موضوعات پر قطعات لکھے ہیں۔ دیوان عالؔی میں کل اکتیس قطعات ملتے ہیں۔ جن میں بیشتر عثمان علی بادشاہ کے مقام و مرتبہ اور مہاراجہ کشن پرشاد شاؔد کی انسان دوستی اور ہمدردی سے متعلق ہے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو آصف سابع عثمان علی بادشاہ سے بڑی عقیدت تھی وہ ان کا دل سے احترام کرتے تھے ان کے حکم کو خدا کا حکم سمجھتے اور فوری ان کے حکم کی تکمیل کرتے۔ چوں کہ عثمان علی بادشاہ بھی نرسنگھ راج کو بہت پسند کرتے تھے ان کی خاص محفلوں اور مہمانوں کے قیام کا انتظام ہمیشہ عالؔی کے سپرد کرتے تھے جب کبھی عالؔی دربار نہیں آتے وہ اپنے غلاموں کو بھیج کر عالؔی کو بلاتے اور ان کے نہ آنے کا سبب دریافت کرتے، عثمان علی بادشاہ ہمیشہ نیک دلی اور صمیم قلب سے نرسنگھ راج عالؔی سے ملتے، ان کے اخلاق اور ہمدردی کے پیش نظر عالؔی ہمیشہ ان کی عزت کرتے۔ یہ نرسنگھ راج عالؔی کی عالیٰ ظرفی ہے کہ انھوں نے غزل ہو کہ رباعی یا پھر قطعہ عثمان علی بادشاہ کا ذکر بڑے احترام اور عقیدت سے کیا ہے ساتھ ہی ساتھ ان کے حق میں دعا بھی کی ہے کہ عثمان علی بادشاہ جیسا نیک دل اور رحم دل بادشاہ سارے ہندوستان میں نہیں ہے اسی لیے خدا کرے ان کی حکومت سارے زمانے پر ہوجائے۔ عالؔی کی نظر میں عثمان علی بادشاہ ایک ایسے حاکم ہیں جو اپنی رعایا کا ہر حال میں خیال کرتے ہیں ہر ایک کے ساتھ صلح رحمی کرتے ہیں ان کی فضیلت اور عظمت کا بیان الفاظ میں نہیں کیا جاسکتا یہ دکن کی عوام ہی جانتی ہے کہ عثمان علی بادشاہ جیسا نیک اور اعلیٰ ظرف والا بادشاہ ساری دنیا میں کوئی نہیں ہوسکتا۔ عثمان علی بادشاہ کے عظیم کارناموں کو نہ ہی کبھی فراموش کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کوئی ان کی برابری کرسکتا ہے عالؔی کے ان قطعات سے عثمان علی بادشاہ کے مقام و مرتبہ، عظمت و فضیلت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

اے شاہ دکن فرد ہے شوکت تیری
ہر دل میں مکیں آج ہے عظمت تیری
عالؔی یہ دعا شام و سحر کرتا ہے
ہوجائے زمانے پر حکومت تیری

شہہ عثمان دنیا میں نیک نام رہیں
منبع فیض خاص و عام رہیں
ہے دعائے دلی یہ عالؔی کی
شادؔ آباد و شاد کام رہیں

کیوں سرا ہیں نہ حکمرانی کو
کار فرما کی کار دانی کو
عالؔی ایک کیا دعائیں ہیں لاکھوں
شاہ عثمان کی زندگانی کو

کس طرح گنائے کوئی سب کام تمہارے
سہرا ہے فضیلت کا فقط نام تمہارے
دینے کو دعائیں ائے آصف سابع
ہیں جمع یہ سب بندے بے دام تمہارے

[۲۱]

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے جہاں عثمان علی بادشاہ کے مقام و مرتبہ، عظمت و فضیلت شان و شوکت کو موضوع بنایا ہے وہیں مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کے اوصاف، کارناموں کو بھی اپنے قطعات میں سادگی اور نغمگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ سے بھی عالؔی کو قلبی وابستگی تھی چوں کہ مہاراجہ کشن پرشاد سے ان کے خاص مراسم تھے۔ مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ ایک انسان دوست، اعلیٰ ظرف، بلند اخلاق و ہمدرد انسان تھے وہ جس کسی سے بھی ملتے خندہ پیشانی اور کھلے دل سے ملتے تھے۔ دردمندوں کی ہمیشہ مدد کرتے اور حاسدوں کو ہمیشہ زیر و زبر کرتے تھے، مروت اور ہمدردی ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی خدا نے انھیں اعلیٰ اوصاف اور اخلاق سے نوازا تھا وہ اپنے حاکم ہونے کا کبھی گھمنڈ نہیں کرتے اور نہ ہی کسی سے تکبر اور عناد سے ملتے تھے بلکہ وہ ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرتے اور غریبوں، محتاجوں، یتیموں کی مرادیں بر لاتے تھے۔

مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کے ان تمام اوصاف کو عالیؔ نے اپنے قطعات میں پر لطف اور اثر آفرین لہجہ میں بیان کیا ہے۔

سر فراز اور سر بلند ہیں یہ
حاسدوں کے لئے پسند ہیں یہ
شاد کا ہم پتہ یہ دیتے ہیں
درد مندوں کے درد مند ہیں یہ

موہ لینا یہ دلربائی تھی
اور مروت بھی انتہائی تھی
خلق و احسان کی سیرت عالیؔ
شاد تم نے کہاں سے پائی تھی

۲۲

رنگ بوئے گل گلزار ہیں یہ
سب انھیں یاد سب کی یاد ہیں یہ
کوئی پوچھے تو کہہ دو تم عالی
دیکھو بیٹھے ہیں شاد شاد ہیں یہ

۲۳

غرض یہ کہ راجہ نرسنگھ راج عالیؔ کو مہاراجہ کشن پرشاد سے بڑی انسیت اور عقیدت تھی مہاراجہ کی موت پر جہاں عالیؔ نے مرثیہ ''غم احباب شاد'' لکھ کر اپنے غم کو بیان کیا ہے وہیں قطعات میں بھی انھوں نے ان کی موت پر غم کا اظہار کیا ہے۔ چوں کہ مہاراجہ کشن پرشاد شاد دکن کے بلند و عظیم وزیر اعظم تھے اور حیدرآباد کے تمام نظم و نسق کو سنبھالتے تھے، حیدرآباد کی رعایا کا خاص خیال رکھتے تھے ان کی اچانک موت نے عوام کو بے یار و مددگار کر دیا، عالیؔ نے بھی ایک مخلص اور اعلیٰ ظرف دوست کھو دیا جس کی تلافی دنیا کی کوئی شئے نہیں کر سکتی ہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد کی موت سے سب کی زبان پر نالے ہیں ہر آنکھ نم ہے منظر سارے اداس ہیں۔

ہزاروں لوگ ان کی موت پر آنسوں بہا رہے ہیں ہر دل میں ان کی موت کا غم ہے۔مہاراجہ کشن پرشاد شاد کے انتقال عوام کے جذبات اور ان کے غم کو عالؔی نے بڑے درد بھرے لب و لہجہ میں پیش کیا ہے قطعات ملاحظہ ہو۔

یوں مروت کو چھوڑ کر جانا
منہ محبت سے موڑ کر جانا
حضرت شاد یہ نہ تھا اچھا
سارے رشتوں کو توڑ کر جانا

دل میں ہیں داغ لب پہ ہیں نالے
زخم اب تک جگر کے ہیں آلے
شاد سے عالؔی اب کہاں پائے
ایک زمانے کو پوچھنے والے

آج رونا ہے اپنی پستی پر
دل کی اجڑی ہوئی سی بستی پر
سینکڑوں کیا ہزاروں ائے عالؔی
روتے ہیں شاد جیسی ہستی پر

[۲۴]

غرض یہ کہ راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے مہاراجہ کشن پرشاد شاؔد سے اپنی عقیدت، محبت اور خلوص کو بڑے ہی لطیف پیراہن میں پیش کیا ہے ان کے قطعات کو پڑھ کر مہاراجہ کشن پرشاد شاد سے ان کے مراسم کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو اپنی ماں سے بہت محبت تھی ان کے یہاں ماں دنیا کی سب سے عظیم اور اعلیٰ اقدار والی ہستی ہے عالی اس حقیقت کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ دنیا میں سب سے مقدس رشتہ ماں اور اس کے بچوں کا

ہوتا ہے، ماں ہی وہ ہستی اور وہ شخصیت ہے جو اپنی اولاد کا ہر عیب اپنے سینے میں چھپا لیتی ہے خود بھوکی رہ کر اپنے بچوں کو شکم سیر کھلاتی ہے دکھ درد میں اپنے بچوں کے کام آتی ہے اولاد کی خوشی اور سکون کے لیے وہ ساری دنیا سے تنہا ہی لڑتی ہے۔ اپنی نیندوں کو قربان کر کے اپنے بچوں کو میٹھی لوری گا کر سلاتی ہے۔ اسی لیے عالؔی ماں اور بیٹے کے رشتے کو دنیا کا سب سے پاکیزہ رشتہ قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک ماں دنیا کی بیش قیمتی نعمت ہے یہ قدرت کے انمول تحفوں میں سے ایک ہے دنیا میں ہر رشتہ محض مطلب کے لیے نبھایا جاتا ہے لیکن ماں اپنی اولاد سے بنا کسی غرض اور لالچ کے رشتہ نبھاتی ہے کوئی بھی رشتہ ماں کے رشتے سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔ عالؔی نے اپنے قطعات میں ماں کی عظمت اور اہمیت کا بیان بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے یہ قطعات ملاحظہ ہو۔

مانا ہیں بہت بات بنانے والے
آرام کے اسباب دلانے والے
عالی دنیا میں وہ کہاں ملتے ہیں
جو ماں کی طرح ہیں کام آنے والے

اتنی شفقت کوئی کہاں سے لائے
دل لائے کہ یا زباں سے لائے
عالؔی بیٹے کے واسطے نعمت ہے
ماں ممتا اپنی دل سے جاں سے لائے

کام ہر ایک اسی سے ممکن ہے
موت اور زیست جس سے ممکن ہے
رشتے عالؔی بہت ہیں دنیا میں
مادری مہر کس سے ممکن ہے

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے یہاں ماں سے عقیدت اور محبت کا اظہار مختلف انداز میں ملتا ہے ماں کی موت کو یہ اپنی زندگی سب سے بڑا سانحہ قرار دیتے ہیں لیکن قسمت کے آگے ہر انسان مجبور اور بے بس ہوتا ہے ہر شئے کو موت کا مزہ چکھنا ہے عالؔی اپنی ماں کی رحلت پر اپنے درد کا بیان اس طرح کرتے ہیں۔

اشکوں سے تو غبار دل دھوتا ہے
جو کچھ قسمت میں ہے وہی ہوتا ہے
عالؔی کو ملا یہ سالِ رحلت کیا خوب
لایق کا چراغ گلبدن گل ہوتا ہے

۲۶

عالؔی زندگی اور موت کی حقیقت سے بخوبی واقف تھے ان کے احباب، بھائی اور والدہ کی موت نے ان کے دل پر گہری چوٹ پہنچائی تھی، اسی لیے یہ زندگی کو ایک امتحان سمجھتے ہیں جہاں روز روز نئے سبق سیکھنے کو ملتے ہیں۔ عالؔی کو اپنے احباب سے دلی وابستگی تھی ان کی موت سے عالؔی بہت رنجور اور غمزدہ رہنے لگے تھے انھوں نے اپنے قطعات میں احباب کی موت پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ اس سلسلے کے چند قطعات ملاحظہ ہو۔

سمجھتے نہیں زندگی کو کھو رہے ہیں
غضب ہے کہ غفلت میں ہم سو رہے ہیں
نہ پوچھو کہ عالؔی ہیں کیوں دل شکستہ
عزیز دکن کے لئے رو رہے ہیں

ہو معافی کام میں کچھ دوش ہے
خلق و ابد ہی تو پردہ پوش ہے
ہم کو ہے سنتوش عالؔی اس لیے
نہ ہم میں اب مہراجہ سنتوش ہے

خدا کے لیے رحم خود پر کئے جا
سبق نت نیا زندگی سے لیے جا
عزیز دکن چھٹ گئے تجھ سے عالؔی
شکیبائی کے جام پیہم پیئے جا

گئے کتنے احباب آنکھوں کے آگے
مگر حیف سب ہوگئے اب فراموش
یہ نکلا ہے کیا بے بدل سال آج عالؔی
عزیز دکن بھی ہیں افسوس خاموش
[۲۷]

لہذا عالؔی نے زندگی اور موت کے رشتے کو اپنے قطعات کا موضوع بنایا ہے کہ کس طرح زندگی بے وفا ہے اور دنیا ایک سرائے گاہ ہے جہاں لوگ آتے ہیں اور اپنے اپنے طرح سے زندگی گذار کر تمام رشتوں سے منہ موڑ کر چلے جاتے ہیں۔ عالؔی اپنے احباب اور اہل دکن کی موت پر بھی افسوس کرتے ہیں کہ ایک کے بعد ایک تمام اچھے دوست موت کی نذر ہو گئے اور عالؔی تنہا رہ گئے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی ایک سچے محبّ وطن تھے ان کے دل میں وطن سے محبت خدا نے کوٹ کوٹ کر بھری تھی وہ نہ صرف اپنے احباب اور ہم ذات لوگوں کو خوش دیکھنا چاہتے تھے بلکہ ہندوستان کے ہر مذہب کے لوگوں کو خوش اور پرسکون حالت میں دیکھنے کے خواہ تھے وہ قومی یکجہتی کے علمبردار تھے ہمیشہ قومیت کا درس دیتے اور آپسی اتحاد اور یکجہتی کو ملک کی ترقی کی ضامن قرار دیتے ان کے نزدیک ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، سبھی ایک سمان تھے عالؔی ہر ہندوستانی خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اپنا ہم وطن اپنا بھائی تسلیم کرتے تھے، عالؔی کا کہنا ہے کہ ہم سب ہندوستانی ہے اور ہم سب کو ملکر اپنے وطن اور دیش کی خدمت کرنا ہے اس کے امان اور پرچم کی حفاظت پر ہندوستانی کا فرض ہے۔ عالؔی اپنے قطعات میں قومیت کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ہم تمام ہندوستانی ایک ہو جائیں تو ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا۔

ساری قوموں کی ٹیک ہیں دونوں
سچ جو پوچھو تو نیک ہیں دونوں

ہندو مسلم میں کیا دوئی عالؔی
جب یہ ٹھہرا کہ ایک ہیں دونوں

ہندو مسلم آؤ دونوں زباں دو مل کر
ملک کو اب امان دو مل کر
خیر خواہی کا گر ہے عالؔی جوش
حکم بھارت پہ جان دو مل کر

۲۸

عالؔی ملک کو آزاد اور خوشحال دیکھنے کے متمنی تھے برسوں سے چلی آرہی بادشاہت کے خاتمہ کے بعد ملک آزاد ہوا اور جمہوری طرز حکومت کی راہیں ہموار ہوئیں جس سے دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح ترقی کی جانب گامزن ہوا۔ عالؔی جمہوریت کی اہمیت کو خوب سمجھتے تھے ان کو اس بات کی خوشی بھی تھی کہ ملک غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہوا اور اسی آزادی کے سبب ہر ہندوستانی کی آنکھ مستقبل کا سنہرا خواب بن رہی ہے۔ جمہوریت کو عالؔی ایک نیک فعال اور خوشی کا شگون مانتے ہیں ان کے مطابق جمہوریت کے آنے سے تمام ہندوستانیوں کی مصیبتوں کا خاتمہ ہوا اور ہر طرف خوشی و مسرت کے دیپ جلنے لگے۔ عالؔی ہندوستان کو ایک عظیم اور مایہ ناز ملک مانتے ہیں اسی لیے اس کی عظمت اور خوش حالی کے لیے آپسی محبت اور قومی یکجہتی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اس ضمن کے چند قطعات پیش ہیں۔

اب نہیں ہے کوئی غلام و تاج
ملک آزاد اہل ملک کا راج
ہر طرف ہیں خوشی کے یہ نعرے
یوم جمہوریہ ہے ہند کا آج

یہ شگون خوب نیک فال ہوا
درد کا رنج و غم کا کال ہوا
ہم ہیں جمہوریت پہ خوش عالؔی
اس مسرت کو ایک سال ہوا

اٹھ کہ اب وقت انتظار نہیں
جذبہ دل پہ اختیار نہیں
جشن جمہوریہ ہے آج کہ دن
عید ہوتی یہ بار بار نہیں

فکر دشمن کی سب اکارت ہے
ایسی کوشش فضول و غارت ہے
سارے ملکوں میں سر فراز و بلند
مایہ ناز اپنا بھارت ہے
۲۹

غرض یہ کہ عالؔی قومی یکجہتی اور حب الوطنی کے قائل تھے۔ان کے نزدیک قومیت، وطن سے محبت، آپسی اتحاد ملک کی ترقی اور اس کی حفاظت کے لیے لازمی عناصر ہیں۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے جہاں اپنی نظمون میں شراب کے مضر اثرات کو موضوع بنایا وہیں انھوں نے اپنے قطعات میں جوے جیسی سماجی برائی کے مضر اثرات کو پیش کیا ہے۔جوّا ایک ایسی لت ہے جو کسی انسان کو لگ جائے تو وہ اپنا گھر بار اور دولت وعصمت سب کچھ ہار جاتا ہے۔جوّے کی لت میں گرفتار انسان جیتنے کی لالچ میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے اور اس کا دیوالا نکل جاتا ہے۔عالؔی نے اپنے قطعات کے ذریعہ جوّے کو ترک کر کے خوش حال زندگی گزارنے کا پیغام دیا ہے ان کے مطابق جو انسان جوے کی لت سے دور رہے گا وہ انسان اپنے گھر اور اہل خاندان کو تمام خوشیاں دے پائے گا۔اگر انسان جوّے کی لت میں گرفتار رہے گا تو اس کی زندگی سے چین اور سکون جاتا رہے گا۔تاریخ شاہد ہے جو انسان جوّا کھیلنے کی غرض سے جاتا ہے وہ جاتے وقت ہنستا ہے خوش رہتا ہے اور دل میں جذبہ رہتا ہے کہ وہ ضرور جیت کر لوٹے گا لیکن ایسا نہیں ہوتا وہ اپنا سب کچھ جوے میں ہار کر خالی ہاتھ روتے ہوئے لوٹتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی مذہب جوے کی اجازت نہیں دیتا۔ہر مذہب میں جوا ممنوع ہے۔حتی کہ سماج میں بھی جوا کھیلنا ایک گناہ تصور کیا جاتا ہے۔عالؔی نے جوّے کے تمام مضر اثرات کو اثر آفرین لہجہ میں خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔اس ضمن کے یہ قطعات ملاحظہ ہو۔

کر دو گے جوا جو باہر اپنے گھر سے
محفوظ رہو گے ہر بدی سے شر سے
انسان وہی ہے سچے کامل عالی
جو پھینکیں جوا اتار اپنے سر سے

ہم نے دیکھا ایسا زمانہ
جس کا نہیں کچھ ٹھور ٹھکانہ
جوئے کی دھن میں جانے والو
ہنستے جانا روتے آنا

جو جائز کمائی کماتے رہو گے
دیوالی پر دولت بڑھاتے رہو گے
جوے سے بچوگے تو محفوظ ہوگئے
و گرنہ بہت زک اٹھاتے رہو گے

جوئے میں ہے قتل اور لڑنا زیادہ
سنبھالتا ہے کم اور اجڑنا زیادہ
کہیں اور کیا عالی ہم مختصر ہے یہ حال
کہ بننا ہے کم اور بگڑنا زیادہ

ہر اک گھر میں ہوتا شوالا نہیں ہے
اندھیرے میں ہر گز اجالا نہیں ہے
نہ کھیلے جوا کوئی کہے ہے حکم مذہب
دیوالی ہے یہ کچھ دیوالا نہیں ہے۔

غرض یہ کہ راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے جو اجیسی مضر سماجی برائی کے خلاف آواز اٹھائی ہے انھون نے نہ صرف جوّے سے ہونے والی خرابیوں کا ذکر کیا ہے بلکہ جوئے سے بچنے اور اس سے دور رہنے کی تلقین بھی کی ہے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے قطعات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ عالؔی نہ صرف بہترین غزل گو اور نظم گو ہیں بلکہ وہ ایک بہترین قطعہ گو شاعر بھی ہیں ان کے قطعات ہئیت اور تکنیک کے اعتبار سے مکمل اور پر اثر ہیں۔انھوں نے مختلف موضوعات کو اپنے قطعات میں جگہ دے کر قطعہ نگاری کے فن کو جلا بخشی ہے۔

تاریخ گوئی

عربی میں حروف تہجی کی قیمت کو ہندسوں میں مقرر کیا گیا ہے اور اس کی مدد سے ہندسوں کے ذریعہ حروف کی تقطیع کی جاتی ہے اس علم کو علم جمل یا علم الاعداد کہا جاتا ہے۔حروفوں کی مقررہ قیمت کے ذریعہ کسی کی تاریخ پیدائش یا تاریخ وفات یا پھر نکاح وغیرہ کی تاریخ نکالی جاتی ہے۔ یہ تاریخ مصرعوں یا پھر شعر کی شکل میں بھی ہوتی ہے اردو شاعری میں اس فن کو تاریخ گوئی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اردو ادب کی دیگر شعری اصناف کے ساتھ ساتھ فن تاریخ گوئی کی جانب بھی توجہ کی ہے انھوں نے اپنے بھائی محبوب راج محبوب کی وفات، نواب سرور ملک بہادر، اپنی والدہ محترمہ اور مہاراجہ کشن پرشاد شاد، علامہ اقبالؔ وغیرہ کی تاریخ وفات نکالی ہے اور اس کو شعری پیراہن پیش کیا ہے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو اپنے بھائی محبوب راج محبوب سے دلی محبت تھی وہ اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے بیٹے سے بڑھ کر سمجھتے تھے۔ان کی اچانک موت نے عالؔی کو نہایت ہی غمگین کر دیا تھا۔ان کی موت کے غم اور اپنے جذبات کا بیان عالؔی کو نہایت ہی غمگین کر دیا تھا۔ان کی موت کے غم اور اپنے جذبات کا بیان عالؔی نے اپنی ''تاریخ'' میں اس طرح کیا ہے۔محبوب راج محبوب کی وفات کی نکالی گئی تاریخ ملاحظہ ہو:

قضا نے کیا تم کو اپنا نشانا
جہاں میں پنپنے نہ تم پائے محبوب

گدا اور سلطاں گئے جس ڈگر پر
اسی پر ہے نقشِ کفِ پائے محبوب
نہ تھا وہم تک کہ آجائے گی موت
قضا لے گئی تجھ کو ادائے محبوب
نہ حسرت نہ ارماں کوئی دل کا نکلا
ابھی تو سفر کی نہ تھی رائے محبوب
یہ حسرت بھری نکلی تاریخ عالؔی
تمنا نہ نکلی ترئی ہائے محبوب

۱۹۳۰ء، ۳۱

عالؔی نے سرورالملک بہادر کی وفات پر بھی تاریخ نکالی ہے۔اس تاریخ میں انھوں نے نواب سرور الملک کے مقام ومرتبہ کو بھی اجاگر کیا ہے چوں کہ نواب صاحب ان کے والد کے ہم عصر تھے اور ان سے ہمیشہ محبت اور حسن سلوک کیا کرتے تھے۔ان کے اوصاف حمیدہ کا بیان عالؔی نے بڑے ہی دلکش اسلوب میں کیا ہے۔عالؔی نے ان کے علم وہنر اور کارناموں پر بھی روشنی ڈالی ہے اور ان کو ایک جید عالم اور مخلص ومہرباں جیسے القاب سے نوازا ہے۔تاریخ کچھ اس طرح ہے۔

عجب ہے فضا اور عجب ہے سماں
نہ قائم زمیں ہے نہ قائم زماں
وہ کل تک ہے زندہ نہیں ہیں وہ آج
انہی کی عزاداری کا ہے بیاں
کہیں کیا کہ وہ کون تھے کیسے تھے
انہیں جانتا ہی ہے سارا جہاں

وہ عالم تھے جید بھی اور نکتہ رس
وہ مشہور و ممتاز تھے نکتہ داں
حکومت کے اک رکن اعلیٰ تھے وہ
بہت خوبیان تھیں کریں کیا بیاں
وہ تھے راجہ باقی کے ہم عصر نیک
وہ تھے ان کے اک مخلص و مہرباں
یہ دونوں بھی باقی نہیں آج حیف
مگر خوبیاں ان کی باقی ہیں ہاں
جو رکھتی ہیں اخلاق و اوصاف نیک
مٹا سکتا ہے کوئی ان کو کہاں
اسی سے ہے عزت بلا امتیاز
اسی سے ہی ملتے ہیں دونوں جہاں
خدا صبر دے تم کو ذوالقدر جنگ
کہ والد کا غم تم پہ ہے بیکراں
خدا سب اعزا کو توفیق دے
کہیں صبر اور شکر کو حرز جاں
ہے عالی کی تاریخ بیساختہ
گئے سرور الملک دستور داں

۱۹۳۱ء، ۳۲

عالؔی کو اپنی والدہ محترمہ سے غیر معمولی محبت تھی ان کی رحلت عالؔی کے لئے بہت تکلیف دہ تھی۔ان کی نظر میں والدہ (ماں) دنیا کی سب سے عظیم اور اعلیٰ ہستی ہے اس کی طرح محبت کی پیکر اور پر خلوص شخصیت پوری دنیا میں کوئی نہیں۔عالؔی کا کہنا ہے کہ ان کی والدہ کا سایہ اٹھنے سے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ساری دنیا کا غم خدا نے ان کے حصہ میں ہی لکھ دیا ہے۔کیوں کہ پہلے ان کے بھائی محبوب راج محبوب اس دار فانی سے کوچ کر گئے ان کے غم میں ان کی والدہ بھی انھیں داغ فرقت دے گی۔عالؔی نے اپنے جذبات واحساسات کا بیان اپنی والدہ کی وفات پر نکالی گئی تاریخ میں اس طرح کیا ہے۔

رحلت والدہ سے خون ہے جگر
کیا کہیں ہم کہ کیا ہوا ہے اثر
والدہ بھی شفیق سر تا پا
کوئی ان سا نہیں ہے اب سر پر
یہ مجسم خلوص و خلق و کرم
میں گنہگار ان کا سر تا سر
شان باقی تھی ان سے باقی کی
اب فنا ہی فنا ہے پیش نظر
آج یہ سایہ کیا اٹھا سر سے
میں یہ سمجھا کہ ہوگیا بے سر
ان کے آگے سبھی تھے ہیچ مجھے
تھی نہ پروائے مل و سیم و زر
غمِ محبوب نے انہیں کھایا

مجھ کو غمگین کیا یہ دکھلا کر
جب دوانے دعا پہ چھوڑ دیا
ہوا بیچارہ حیف چارہ گر
مرتے دم تک خدا کا نام سنا
رحمت کرد گار تھا ان پر
جس قدر ان کو روئیں ہم کم ہیں
ان کے احسان ہزاروں تھے ہم پر
سر ادب کا جھکا کے عالی سال
عرض کر دائی غم مادر

۱۹۳۹ء، ۳۳

عالی کو مہاراجہ کشن پرشاد شاد سے بے حد محبت تھی ان کی موت نے عالی کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، دکن میں مہاراجہ کشن پرشاد شاد جیسا عظیم المرتبہ نیک سیرت حکمراں (وزیر اعظم) نہیں تھا۔ شاد ہمیشہ دوسروں کے غم میں شریک رہتے تھے غریبوں، محتاجوں، بے کسوں کی مدد کرتے۔ ملک میں امن و امان قائم رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے بہترین نظم و نسق کے ذریعہ ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے کوشاں رہتے تھے۔ ہمیشہ عثمان علی بادشاہ کی تائید کرتے ان کا حکم بجالاتے۔ عالی بھی مہاراجہ سے بہت قریب تھے اپنی محفلوں میں ہمیشہ عالی کا مدعو کرتے ان کی عزت کرتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ غرض یہ کہ مہاراجہ کشن پرشاد شاد عالی کے بہت ہی قریب اور ہمنوا تھے۔ عالی کو ان سے بے انتہا محبت تھی ان کی موت سے عالی اکثر غمگین رہنے لگے تھے ان کی وفات پر لکھی گئی اس تاریخ میں عالی نے مہاراجہ کے گذر جانے کے غم کو نہایت ہی اثر آفرین لہجہ میں پیش کیا ہے۔ تاریخ ملاحظہ ہو۔

دکن میں مہاراج تھے مثل جمشید
کہ ان کے یہاں ہوتی تھی روز و شب عید

امیروں میں ذی مرتبہ و ذی حشم تھے
ہر اک کی انہی سے بر آتی تھی امید
یہ مالک کے اپنے بھی خواہ سچے
رہی شاہ عثمان کی ہر وقت تائید
وہ شاعر سخنور ہنرور تھے کامل
وہ ہر شئے کی کرتے تھے معقول تنقید
بہت خوبیاں تھیں کہاں تک گنائیں
کہ دشمن بھی ان کا نہیں کرتا تردید
نہیں حضرت شاد کی اب وہ محفل
ترستی ہیں آنکھیں میسر کہاں دید
لکھو خون دل سے یہ تاریخ عالی
دیا آہ مہراج نے داغ جاوید
۱۳۵۹ہجری، ۱۹۴۰ء، ۳۴

راجہ نرسنگھ راج عالی نے اردو اور فارسی کے مشہور شاعر علامہ اقبال کے انتقال پر تاریخیں لکھی تھیں جو ماہ نامہ سب رس کے اقبال نمبر میں درج ہیں۔

بے تابیِ دل سے ہائے سوئیں کیونکر
غم اشکِ رواں سے اپنے دھوئیں کیونکر
عالی شعرا بہت ہیں، اچھے کم ہیں

اقبالؔ کو ہم کھو کے نہ روئیں کیونکر
کیا موت نے ڈھونڈا ہے بہانہ اقبالؔ
کیونکر تجھے بھولے گا زمانہ اقبالؔ
عالؔی کو تو رہ رہ کے خیال آتا ہے
اب کون سنائے گا ترانہ اقبالؔ

۳۶

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے تاریخ گوئی کے فن کو بخوبی برتا ہے۔ انھوں نے اپنے جذبات و احساسات کو دلکش اور شگفتہ اسلوب میں اپنی تاریخوں میں پیش کیا ہے۔

نرسنگھ راج عالؔی کی بھجن گوئی:

نرسنگھ راج عالؔی نے اردو میں ایک بھجن کا مجموعہ چھوڑا ہے جس کو ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ، ڈاکٹر نارائن راج نے مرتب کیا۔ اس مجموعے میں عالؔی نے مختلف بھگوان یا اوتاروں کی تعریف کی ہے عالؔی نے رام، کرشنا، شیرڈی سائی بابا، اُپاسنی بابا، ایکادشی کا مہیما، شیوراتری، دیوالی، سکروار، کرشن کنھیا وغیرہ پر بھجن لکھے ہیں۔

بھجن اصلاً ہندی زبان کا لفظ ہے اور اپنی اصلی حالت اور اصلی معنی میں ہی اردو میں مستعمل ہے۔ اس میں دیوی، دیوتا، بھگوان، یا بھگوان کے اوتار کو تعریف کے ذریعے خوش کیا جاتا ہے۔ تاکہ اپنی تمنا پوری ہو سکے۔ یہ بھگوان کے بادشاہ نما تصور پر مبنی ہے۔ کیونکہ بادشاہ بھی اپنی تعریف میں قصیدہ سن کر شاعر کو مالا مال کرتا ہے۔ لیکن یہاں پہ بھگوان اس طرح مالا مال نہیں کرتے اس لئے اس کے اجر میں ''ثواب'' کا مطلب رائج کیا گیا۔ ہندی لفظ بھجن کو اردو میں ''حمد، نعت، مناجات، منقبت بھی کہتے ہیں۔

بھجن کی نوعیت یہ ہے کہ اس کو سُر اور تال میں گا کر دیوتاؤں کو خوش کیا جاتا ہے۔ پوجا کے وقت

دیوتاؤں کو مندروں میں پیتل کے پنچ شاخ کی ساری بتیاں روشن کر کے دیوتا کی مورت کے سر کے گرد پھراتا ہے باجے اور گھڑیال کی گونج میں پجاری اور حاضرین بھجن گاتے جاتے ہیں۔ جس کے ذریعہ آرتی اور پوجا پاٹھ کا اہتمام ہوتا ہے۔ اور اسی طرح شادی میں بھی دلہا کے گرد اور محبت یا عقیدت میں محبوب یا کسی مقدس ہستی یا محترم چیز کے چاروں طرف چراغوں کی تھالی نچھاور یا پھراتے ہوئے بھجن گاتے ہیں۔

بھجن ہندوستان کے ہر زبان میں لکھے گئے ہیں۔ بھجن کسی مخصوص زبان کی صنف یا ہئیت نہیں ہے بلکہ جہاں پر بھی بھگوان کی آرتی کی جاتی ہے جیسے کرشن بھگتی اور رام بھگتی وغیرہ دیوتاؤں کو پوجا کی جاتی ہے وہاں پہ بھجن کو گایا جاتا ہے۔ ہندوستان کے کسی بھی بولی یا زبان کیوں نہ ہو جس میں بھجن پائے جاتے ہیں۔ گوپی چند نارنگ بھجن سے متعلق یوں فرماتے ہیں:

> بھجن وارفتگی کے باعث آزاد ہے، البتہ دوہے کی طرح بھجن کا گھر بھی ہندی اور دوسری ہندستانی زبانیں اور بولیاں ٹھولیاں ہیں۔ بھجن ان تمام ہندوستانی زبانوں میں ملتا ہے جہاں جہاں بھگتی کا اثر ہے۔''
>
> ۳۶

غزل، مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، رباعی وغیرہ کی طرح بھجن صنفی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ اس کو کسی بھی ہئیت میں لکھا جا سکتا ہے۔ اس کو لکھنے کے لئے معنی بھجن کے ہونا چاہیے، جو کسی دیوی دیوتا کا حسن بیان کیا گیا ہو، روحانی عقیدت سے اس کے معنی جڑے ہوتے ہیں۔ جو عقیدت و محبت سے لکھی جانے والی شاعری ہی بھجن ہے گوپی چند نارنگ بھجن کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

> ''غزل یا مثنوی کی طرح بھجن صنف اور ہئیت دونوں نہیں، فقط صنف ہے اور صنفوں کی صنف کہ گیت یا نظم کی طرح کسی بھی ہئیت میں ممکن ہے بس تھیم یا معنیاتی فضا بھجن کی ہونا چاہیے۔'' ۳۷

اس اقتباس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بھجن کی ہئیت متعین نہیں ہے۔ اور اس کی کوئی صنفی پہچان بھی نہیں، بھجن وارفتگی کے باعث آزاد ہے۔ اس کے لفظیات بڑی حد تک بھجن کی لفظیات ہے، یہ رہے تو بھجن

ہے اگر نہیں ہوتو بھجن نہیں۔ بھجن کی خاص امیج ہوتی ہے جو بھجن کو بھجن کہلاتی ہے۔اس میں الگ ذہنی فضا ہونی چاہئے۔بھجن لَے اور تال کے ساتھ سنگیت میں رہ کر ایک معنوی فضا پیدا کرتے ہیں:

> ''بھجن کیرتن، کی ترکیب ہی سے ظاہر ہے کہ جہاں اس کا ایک سرا روحانی عقیدت سے جُڑا ہوا ہے، دوسرا سِرا سنگیت سے بھی جُڑا ہوا ہے۔یعنی مندروں یا عبادت گاہوں کی فضا سے جہاں انسانی روح آلائشوں سے پاک ہوکر الوہی تصوّر میں ڈوبنے کا جتن کرتی ہے۔ عبادت گاہوں کے تصور سے یا بھجن کے عبادت گاہوں سے وابستہ ہونے کے تصور سے بھجن سے ایک خاص طرح کی توقعات وابستہ ہوجاتی ہیں اور معنی کی ترسیل سے پہلے معنی کی پرچھائیں قاری کے ذہن وشعور کا حصّہ بننے لگتی ہے جو عبارت ہے عقیدت ومحبت سے، یا سرشاری وسرمستی سے یا پریم رس کی فضا سے۔'' ۳۸

بھجن کا نام سنتے ہیں اپنے ذہن میں سُر و لے کے گیتوں کے ساتھ ساتھ مشہور بھجن گو شعرا کا تصور بھی اپنے ذہن میں آتا ہے جنہوں نے بھجن لکھ کر بھکتوں کے دل ودماغ کو سکون فراہم کیا اور ساتھ ہی ساتھ ان کے بھجن آج بھی گائے جاتے ہیں جن میں سے مخصوص یہ ہیں نانک، ہری داس، کبیر، میرا، ناروتا مادا سا، سورداس اور تلسی داس وغیرہ نے بے شمار بھجن لکھے ہیں جو آج بھی مقبول ہیں

اردو میں بھجن بہت کم لکھے گئے ہیں لیکن جو بھی لکھے گئے وہ مقبول ہوئے ہیں۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے بہت سارے بھجن لکھے ہیں جو مختلف موقعوں پر انہوں نے قلم بند کیا۔جیسا کے ایکا دشی کو موضوع بنا کر بھجن لکھتے ہیں۔ایکادسی ہندو مذہب میں ایک مقدس دن ہے جو قمری مہینہ کا گیارواں دن ایکادسی کا دن کہلاتا ہے۔ اس دن راپواس رکھا جاتا ہے اور بینس اور اناج کو اس دن غذا کے طور پر نہیں لیا جاتا کیوں کہ یہ گناہ سے آلودہ ہونے کا یقین ہے۔صرف اس دن پھل، سبزیاں اور دودھ کی مصنوعات کو غذا کے طور پر لیتے ہیں یہ مدت طلوع آفتاب ایکادسی سے لیکر دوسرے دن صبح طلوع آفتاب تک اس کی مدت ہوتی ہے۔اس مقدس دن پر راجہ نرسنگھ راج عالؔی کا بھجن ملاحظہ ہو:

سُن لو ایکا دشی کی مہیما
دس اِندری اور من کو روکو
یہی بَرت ہیواپنا

بَرت وَرتھ نہیں جو تم سونچو
سب پٹھوں نے مانا
بَرت کرو اور مون دھارو
یہ سَادھن ہے اونچا
نرسنگھ بَرت کی اونچی کوٹی
اس کی ہے نہیں اُپما

۳۹

اس بھجن میں عالؔی نے ایکادشی کے دن روزہ رکھ کر بھگوان کی پوجا کرنے سے ہونے والے فوائد کا ذکر اس بھجن میں کیا ہے۔

شیوراتری اور مہا شیوراتری کے موضوع پر نرسنگھ راج عالؔی کے بھجن ملتے ہیں جو ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ اور ڈاکٹر نارائن راج کی مرتبہ کردہ ''راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے اردو بھجن'' میں شامل ہیں۔

شیوراتری یہ ایک ہندو دھرم کا مقدس دن ہے اور یہ سال میں بارہ مرتبہ آتا ہے لیکن ان میں مہا شیوراتری ایک بہت ہی مقدس مانی جاتی ہے اس دن کی خاصیت اس لئے بھی ہے کہ اسی دن شیوا اور پاروتی کا بیاہ ہوا تھا اور اس کو تہوار کے طور پر بنایا جاتا ہے۔ اسی لئے بارہ شیوراتریوں میں سے اس کو تہوار کے روپ میں سال میں ایک مرتبہ بنایا جاتا ہے۔ یہ تہوار انگریزی کیلنڈر کے مطابق فروری اور مارچ کے مہینہ میں آتا ہے یہ مہینہ ہندوں مذہب کا phalguna میں پایا جاتا ہے۔

یہ دن شیو بھکتوں کے لئے بہت ہی مقدس دن ہے۔ اس دن شیوا کے بھکت صبح صبح اٹھ کر، پانی نہا

کر بھگوان شیو کی پوجا کرتے ہیں اور روزہ رکھ کر رات تمام جاگتے ہیں۔ اور دوسرے دن کھاتے ہیں۔ رات تمام شیو کو پوجا، شیو کے بھجن، قصّہ، کہانیاں سنتے ہیں۔ ہر شیو مندر میں اس کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس رات تمام شیوا کے بھکت ''Om Nama Sivaya'' کا منتر پڑھتے ہیں۔

ہر ہر ہر ہر چینا بھائی
شیو ہیں تارک منتر کے داتا
اَنت سَمئے کے یہہ ہیں انتر جاتا
سب جگ اُن کو سیس نی واتا
اَن مون سے جگ پاتا
شمشان کے باسی یہہ ہیں
شبہہ کاشی کے ہیں یہ نواسی
اجر اَمر ابی ناشی یہہ ہیں
کیلاش ان کو بَھاتا
اُتّم ہے مہا شوراتری
اُسکی مہیما دیون گاتا
نرسنگھ کہے بھولا ناتھ سہائے
دھیان اُن ہی کا دھرتا'' [۴۰]

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے اس بھجن میں بھگوان شیوا کے خصوصیات اور ان کے دھیان کرنے کی جگہ کیلاش یہ ایک اونچی چوٹی کا نام ہے جو تبت چین میں واقع ہے۔ یہ مقام ہندو، بدھ، جین عقیدت مندوں کے لئے بہت ہی مقدس پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ کے برف سے سندھ، ستلیج، برہم پترا، کارنالی جیسے عظیم دریا شروع ہوتے ہیں۔ بھگوان شیوا اسی کیلاش پہاڑ میں اپنی اہلیہ پاروتی کے ساتھ عبادت میں بیٹھے رہنے کا ذکر

ملتا ہے۔ عآلی کا دوسرا بھجن ملاحظہ ہو:

بروز شیوراتری:

''کاشی ناتھ بشیشر اب موپ کرو کرپا

تم بن کون ہمارا سوامی۔ تم ہی ہو پربھو انتریامی

نام رہے نہ رہے کوئی تامی تم بن کون ترد

تم ہورُنڈ منڈ مالا میں بھسم رمیا مرگ چھیا میں

مگن ہوشری دُرگا بالا میں کام ہی تم سے جرو

سیس چنڈ جٹا میں گنگا، پاپ ناشی ہے رکشا کرو

بھگت تم رے سنگا تم ہی پار کرو

نرسنگ کے تم ہو سرتاج مہادیو، دیون کے راجا

سکل امنگل تُمرا سا جا سب بھگتیں کے کشٹ ہرو'' [۴۱]

اس بھجن میں عآلی نے بھگوان شوا سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کر رہے ہیں کیوں کہ بھگوان شیو صرف سونامی، زلزلے وغیرہ پیدا کرتا ہے اور غلط چلنے والے افراد کے کاموں کو ناراض ہو کر کائنات کو ختم کر دیتا ہے۔ اسی ضمن میں عآلی نے اپنے بندوں کو محفوظ کرنے کی تمنا کی ہے۔

سیوراتری:

اُتّم یہ شیوراتر ہے

بہیل نے پایا مرم دھام کا

یہہ کرنی کی بات ہے

بھجن کرو بس ویشوایشور کا

یہی دھورو ہر سات ہے

شیو ہیں تارن ہار جگت کے

یہ ہی اَنت سمئے کے سات ہے

نرسنگھ سمجھو ہے دی و یہ چیتنا

آیو بیتی جات ہے'' ۴۲

اس میں عالؔی نے شیوراتری کی مقبولیت کا ذکر کیا ہے اور اس مبارک دن بھجن کیا جائے کیوں کہ شیو ہی قیامت کے وقت ساتھ دین گے اسی لئے اپنی عمر ختم ہوتی جارہی ہے اس لئے پہلے ہی ہم شیو کی پوجا کریں اور اپنے گناہوں کی معافی کی طلب کریں۔

عالی کے پاس شیو کے علاوہ بھگوان کرشن جی پر بھی بھجن ملتے ہیں جس میں انہوں نے اپنی رومانی، حسن کاری، عشق ومحبت کے پہلو کو پیش کیا ہے۔ ہندومت میں وشنو کا آٹھواں اوتار کرشن کا ہے ان کے مختلف القاب ہیں جیسے گووند، گوپال، کرشن، کنہیا، ہری اور جگن ناتھ سے بھی یاد کرتے ہیں۔ ''بھگوت گیتا'' میں کرشن اور ارجن کے درمیان میں ہوئی گفتگو پائی گئی ہے۔ کرشن کا یوم ولادت جنم اشٹمی کو بڑی عقیدت سے ہر سال منایا جاتا ہے۔ کرشن جی پر بھجن ملاحظہ ہو

جگ ڈوبت ہے ترشنا کارن

کا کروں ہائے اَے دیا

ماکھن دودھ کا ہے مانگت ناہیں

کا ہو نہیں بھارت کیا

بانسری میں سب رمت ہیں

گوپن گوپال اور گیا

نرسنگؔ تو کو بات ایک کہیں

کوئی نہیں اپنا ماتَ پِتا اور بھَیّا'' ۴۳

''ہمارے مَن بس گئے کرشن کنھیا

سوانس سوانس میں بانسری باجے

اب نہیں اپنی کٹھیا

ماکھن کھا کر اپنا کنھیا

گوال پال اور گیّا

سِری بھگوان بنا اس جگ میں

اپنا کو ہے سُنتا

نرسنگھ جانت تم کو کہیو یا

پارا اُتارو نیّا'' ۴۴

ان دو بھجنوں میں عالؔی نے کرشن جی پر ان کی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ اور اس میں انہوں نے کرشن جی کے مختلف ناموں کا ذکر کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ کرشن جی کا بچپن میں مکھن کھانے کا اور بانسری بجا کر گوپیوں کو خوش کرنے کا ذکر اس میں ملتا ہے۔

رام بھگتی پر بھی عالؔی نے بھجن لکھے ہیں ہندو مذہب میں وشنو کا ساتواں اوتار رام ہے۔ ہندو مذہب کی مقدس کتاب ''رامائن'' کے مطابق رام کی پیدائشی مقام ایودھیا ہے اس شہر پر سورج بنسی خاندان کا ایک کھتری راجا دسرتھ راج کرتا تھا۔ اس کی تین بیویاں تھیں اور چار بیٹے ان میں سے رام، لکشمن، شترو گھن اور بھرت تھے ان تمام بھائیوں میں رام بہت ہی باہمت اور نیک دل تھے اس لیے عوام میں سب سے زیادہ ہر دل عزیز تھے راجا دسرتھ نے رام کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا لیکن کیکیئی (راجا دسرتھ کی چھوٹی رانی) راجا دسرتھ کا ایک وعدہ کو تکمیل کرنے کی خواہش میں وہ راجا سے اپنے چھوٹا لڑکا بھرت کو اپنا ولی عہد نامزد کرنے کی خواہش کرتی ہے۔ راجا نے مجبوراً اپنا دیا ہوا وعدہ پورا کرتا ہے اس وعدہ کے مطابق بھرت کو جانشین مقرر کیا جاتا ہے اور رام جی کو چودہ برس کا بن باس دے دیا جاتا ہے۔ اس وقت رام جی کے ساتھ اس کی بیوی سیتا اور

بھائی لکشمن نے اس کا ساتھ دیا۔ رام کی اس روایت میں ایثار وقربانی کے صفات نمایاں ہیں۔ رام پر عالؔی کا بھجن ملاحظہ ہو:

''رام ہی سے ہوئے ہیں سارے کام
رام کا سب سے اونچا دَھام

جگ میں رام نام جپنا
یا کو مَن سے جپنا

رام کرے گا بیڑا پار
کرے گا پاپ سمہار

نرسنگھ چھوڑ وتم اَپنا اور پَرایا
اَپنا ؤ پریم بھگتی کا گہنا، جو لوٹ، نہ سکت کوئی چور'' ۴۵

عالؔی کے مطابق رام ہی ہر کام بنانے والا ہے اور رام کا مقام سب سے اعلیٰ ہے دنیا میں رام کا نام دل سے جپنا چاہئے کیوں کہ ہر ایک کا بیڑا پار لگانے والا رام ہی ہے۔ اور ہر ایک کے گناہوں کو ختم کرنے والا رام ہی ہے۔ اور اپنا پرایا فرق نہ کرتے ہوئے ہر ایک کے ساتھ محبت سے پیش آنا چاہیے کیوں کہ محبت اور بھکتی ایک ایسی دولت ہے جس کو چور بھی نہیں لوٹ سکتا۔

''ایک سری رام دسرتھ کے نندن
وا کو کیسے بھُلا ون
دوسرے رام ھرام ہمارے

نس دن مہیما گاون

پرسپرام تھے دوے رام ایک

اُن کی کتھاسُناوں

وہی رام جوروم روم میں

نرسنگھ واکے بَل بَل جاؤں'' ۴۶

اس بھجن میں عالی نے رام کو دسرتھ کا بیٹا کہتے ہوئے رام کو کہتے ہیں کہ میں رام کو کیسے بھلاوں کہ اس جیسا کوئی ثانی نہیں۔ عالی اس بھجن میں پرسورام (وشنو کا چھٹوا اوتار) اور رام کی کہانیاں سنانے کی آرزو رکھتے ہیں۔

''ہری رام نام سب سے پیارا

اس سے ملا ہے ہم کو سنتوش کا سہارا

بھٹکیں کہان تک ہم یہی سمجھیں لے من سے

دُنیا میں دیکھا بھالا مِلتا نہیں سہارا

جینا اُسی کا اچھّا بھولے نہ جو ہری کو

بندہ نہیں غرض کا جسنے ہے من کو مارا

دنیا میں رہنے والو کب تک بسے رہو گے

یہ رات ہے اندھیری اسمیں نہیں اُجالا

دعویٰ ہے جن کو، پایا ہے وہ ہری کو

پایا ہے جس نے اسکو منھ پر پڑا ہے تالا

سمجھا ہے آتما کو جس نے جگت میں اپنا

سنسار کا وہ پیارا، سنسار اسکو پیارا

گیتا سُنانے والے بھارت کی سن لے بپتا

اب ناؤ ڈوبتی ہے ملتا نہیں سہارا

بھوکے مرر ہے ہیں، رکھشک نہیں ہے کوئی

اب بھی تو دے بہاری اک ذرا سہارا

جس کو ہے فکر سب کی تاریگا تجھکو عالؔی

وشواش مَن میں رکھکر تو چھوڑ جگ کا سَہارا'' ۴۷

اس بھجن میں عالؔی نے رام بھگتی کو پیش کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ رام نام جپنے سے لوگوں کے دل کو سکون ملتا ہے اور لوگوں کو سمجھنے والا اور ان کے دکھوں کو دور کرنے والا رام ہی ہے اسی سے دل لگا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہئے۔ جو اس دنیا میں بھوکے مرر ہے ہیں ان کا رکھشک بھی رام ہی ہے اس لئے ہر کوئی رام کی پوجا کرے۔

عالؔی نے سری اُپاسنی بابا مہاراج پہ بھی کئی بھجن لکھے ہیں۔ کیوں کہ عالؔی کو اپاسنی بابا سے بہت زیادہ عقیدت تھی اس کا ذکر انہوں نے کئی مرتبہ اپنے تحریروں میں کیا ہے۔ اپاسنی بابا ۱۸۷۰ء کو ضلع احمد نگر شیرڈی سے پانچ کلومیٹر دور ساکوری میں پیدا ہوئے ۔ یہ ہندو برہمن خاندان میں گووند شاستری اور رکمنی (Rukhmini) کے گھر پیدا ہوئے یہ ان کے پانچ بیٹوں میں سے دوسرے لڑکے ہیں۔ یہ ایک ایورویدک ڈاکٹر کے حیثیت سے اپنی زندگی کی شروعات کی انہوں نے اپنی زندگی میں تین شادیاں کیں لیکن تینوں کا انتقال ہوگیا۔ انہوں نے شرڈی سائی بابا کے پاس تعلیم حاصل کی

نرسنگھ راج عالؔی ہر سال اپاسنی بابا کے درشن کرتے تھے اور انھیں بابا سے بے حد عقیدت تھی جب بھی انھیں اپنے عزیزوں، کارکنوں سے تکلیف ہونے پر یہ اپاشنی بابا کو یاد کرتے ہیں عالؔی بابا سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ اس کا ذکر عالؔی نے اپنے ایک مضمون میں یوں کرتے ہیں:

''اپنے (عالؔی) دونوں بچے شیام راج، رام راج، ھمشیرہ اور ایک

ھمشیرہ زادی کے ساتھ ساکوری گیا اور سرِ مغرب وہاں پہونچ کر سری بابا مہاراج کے درشنوں کے لیے روانہ ہوئے جب میں جھونپڑی میں پہونچا تو سری بابا مہاراج کے پاس ڈاکٹر جہانگیر کھوالکر، ڈاکٹر کوٹھاری اور دوتین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے ساکوری پہنچنے سے قبل سری بابا مھاراج نے وہاں بیٹھے لوگوں کے روبرو یہہ ذکر فرمایا کہ حیدرآباد سے کچھ بھگت میرے لئے آرہے ہیں اس وقت تک ہم ساکوری میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ میرے جھونپڑی میں پہنچنے کے ساتھ ہی وہاں کے بیٹھے ہوئے لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ میں نے جواب میں کہا کہ حیدرآباد سے آرہا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ۔ ابھی آپ کا سری بابا مہاراج ذکر فرمارہے تھے کہ حیدرآباد سے ایک بھگت منڈلی میرے لئے آرہی ہے۔ اس سے میں متعجب ہوا۔ اور اس کے بعد سوال میرے دل میں اکثر اٹھا کرتا تھا، اسی کا ذکر فرمارہے تھے۔یعنی یہ کہ کامل فقیر میخ مارسکتا ہے۔ مجھے اس میں یہہ شک ہوتا تھا کہ جب تقدیر کو ایشور نے بنایا تو اس ریکھ پر فقیر کیسے میخ مارسکتا ہے۔ میں حیران سا رہ گیا کہ میری من کی شکار (شنکا) کا بابا مہاراج ذکر فرمارہے تھے اس سے مجھے اس بات کا پتہ چلا کہ یہہ ہر ایک کے من کو جانتے ہیں اور وہی سوال اٹھا کر اس کا جواب دیتے ہیں۔'' ۴۸

عالؔی نے اپنی مضمون میں لکھا ہے کہ'' اس طرح کے کئی واقعات کو دیکھ کر اور واقعہ سن کر حیران ہوئے اور اپسنی بابا مہاراج کی خدمت میں پہنچا اور ان کے درشن کر کے اس کو کامل جانا اور مانا''۔

ساکوری پہ بھی عالؔی نے بھجن لکھے ہیں جو ان کے بھگوان اپسنی مہاراج رہا کرتے تھے۔ بھجن ملاحظہ ہو۔

''ہمارا ایک ہی ہے بھگوان
جس کا ساکوری استھان
میرے من ہیں بھگتن کے پربھو
ہَر اوت ہے تیرا نام نشان
کہٹ گہت تیرا نام براجے
جانے کوئی ہے اَن جان
جگ تارن کارن پرگہٹے پر بھو اُپاسنی مَہان
نرسنگھ تو کو چھن چھن سمرت اور لگات و دھیان''

۴۹

اس میں عالی اپنا ایک ہی بھگوان اوراس کا رہنے کی جگہ ساکوری بتاتے ہوئے ان کے تن من میں کس طرح بابا کے عشق میں ڈوپ چکا ہے ہرسمت بابا ہی کا نام لیتے رہتے ہیں۔

''بابا کے گیان دِھیان میں آیوش بتائے جائیں گے
جب تک دم میں دم ہے پرتہا چلائے جائیں گے
جیتا ہے گر تو یوں جسمیں بھکتی بھجن کا رس ملے
بابا کے نام پہ مریں سُب کو بتلائے جائیں گے
سمجھو نہ سُب کو دوش کپٹ راون تھا سَادھو نہیں
سیتا ہرن تھا دُکھ مئے کیسے بہلا دے جائیں گے
کنیا کماری آشرم رس کے لیے کرو وِشرام
اس میں ہے مرن جنم اس میں بس جائیں گے

چنتا کو چھوڑ دو سدا چلتی ہے رات دِن چتا

آنند میں بتاؤں دِن غم رُکے جائیں گے

جس کو نہیں آس کچھ رکھتا نہیں وہ پاس کچھ

عالؔی ہے اپنا ایک پریم دُھن سُنائے جائیں گے‘‘

۵۰

عالؔی نے اس بھجن کوان کے گرو اوپاسنی بابا کے تعریف میں لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ بابا کے یاد میں ہم ساری عمر بتا دینگے جب تک دم میں دم ان کو یاد کرتے رہنگے ۔ ہماری زندگی میں بھکتی اور بھجن کا رس رہنا چاہیئے کہ ہم بابا کے نام پر مرے اوران کے بارے میں سب کو بتاتے جائیں ۔ بابا کا آشرم کنیا کماری میں سب بھکتوں کوآرام کرنے کو کہتے ہیں ۔ جوبھی پریشانی ہے اس کو یہاں آکر بھول نے کو کہہ رہے ہیں کیوں کہ یہاں آنے کے بعد ہر کوئی غم کو بھول کر خوش رہتا ہے ۔

’’ارے من تو اچھی طرح یہہ سمجھنا

نہ تُو ہے کسی کا نہ رہے کوئی اپنا

جگت سارا ہے ایک جھوٹا سپنا

سری بابا جپنا سری بابا جپنا

تیار رہے ہے ایک دن یہاں سے جانا

نہ معلوم کیسا ملے گا ٹھکانا

کرم کا دھرم کا آئے یہی ہے زمانہ

سری بابا جپنا، سری بابا جپنا

تو اے من بہت سو چکا جاگ آپ ہی

تو سب تیاگ دویش اور راگ ابھی

ملے ہیں گُرو ور کیا بہاگ آپ ہی'' ۵۱

اس بھجن میں اپنے دل کو سنبھال نے کی کوشش کرر ہے ہیں کہ اے دل تو اچھی طرح سے سمجھ لے نہ تو کسی کے لئے ہے اور نہ تو کسی کے لئے یہ دنیا جھوٹا سپنا ہے عالی کہتے ہیں کہ ایک دن سب کو اس جہاں سے جانا ہے اس لئے دنیا میں ہی انسان کو اپنے اعمال کے ذریعہ تن و من کو صاف رکھیں اور بھکتی کے ذریعہ ایک بہتر مستقل ٹھکانہ قائم کر لینے کی بات کہی ہے۔

اوپر کے بھجنوں میں عالی نے ساکوری اور اپاسنی بابا کو عقیدت کے ساتھ جاپنے کا ذکر ملتا ہے۔

دیوالی پہ نرسنگھ راج عالی کے بھجن

دیوالی ایک معروف ہندو تہوار ہے اسے ہر سال موسم بہار میں منایا جاتا ہے۔ اس تہوار کو ہندو کیلنڈر کا مہینہ کارتیک میں آنے والی اماواس کو منایا جاتا ہے۔ انگریزی کیلنڈر کے مطابق یہ تہوار وسط اکتوبر اور وسط نومبر میں واقع ہوتا ہے۔ دیوالی کے دن نئے کپڑے پہنتے ہیں، دیے جلاتے ہیں، مختلف شکلوں کے چراغ جلاتے ہیں۔ اور یہ دیے گھروں کے اندر اور باہر گلیوں میں بھی اس کو رکھا جاتا ہے۔ اور اس دن دولت کی دیوی لکشمی کی پوجا کی جاتی ہے۔ بچے بڑھے سب مل کر اس دن آتش بازی کرتے ہیں۔

''بھجن کا راکھو سانچا بَہاؤ

یا مارگ سے شانت ہووَے من

یا سے ٹلے جگ گھاؤ

یا سے پَرانی نِربھے ہووَے

چلے نہ کال کا داؤ

لکش ٹلے نہیں بھجن کا کبھوں

ایسا کرو اُپاؤ

جاگے سوتے چلتے پھرتے

سدا بھجن تم گاؤ
نرسنگھ بھجن کو بھولو نہ کبھوں
آؤ کہ جگ سے جاؤ'' ۵۲

''ہری بھروسے رہنا بھائی
اَوروں پر کیوں کر بھروسا
بپتا اپنی سہنا
جگ ہی جب سب ناشوان ہے
کیا جگ وستو چہنا
مُنھ دیکھی کے بات نہ سُتّنا
بات کھری تم کہنا
نرسنگھ کرم ہی شُو بھادِیوے
اور نہ چھِیئے گہنا'' ۵۳

عالی نے ماتا جی پر بھی بھجن لکھے ہیں ملاحظہ ہو:

''بندھو کا دکھ تھا اتی بہاری
یہ دکھ ہو گیا دونا جی
ماتا بنا
ان کے برہ میں جلتے جلتے
ہاڈ بھئی موری چونا جی

ماتا بنا

سب جانت ہیں ماٹی کا گھر

گرے ہوئے جب جونا جی

ماتا بنا

من مانت ناہیں بار بار کہے

نرسنگ گھل گھل تو نا جی

ماتا بنا'' ۵۴؎

اس بھجن میں عالؔی نے ماتا جی پر اپنی عقیدت کا اظہار یوں کیا ہے کہ ماتا کے بغیر اس کا وجود نہیں ہے اس کے زندگی کے ہر کام ماتا جی ہی کے بدولت ہو رہے ہیں اس کے بنا کام ادھورے اور دکھ دگنے ہو جانے کے اندیشے ہیں ماتا کے بغیر اپنے ناچاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

''آرتی

جے جے سکھدائی جے جے سری مائی

(تمہری استتی سوامنی) شیش شاردا گائی

تمھری مہما کا برنوں سری ماتا کا برنوں سری ماتا

تم ہتکارنی جگ میں بدت جنم کی داتا

جے جے سکھدائی جے جے سری مائی

سب دھن دھام ہے تورا توری یہ کایا توری یہ کایا

سب آدھین ہیں تورے توری سب مایا

جے جے سکھدائی جے جے سری مائی

ماتا بن کوؤاور دیونہیں دوجا اور دیونہیں دوجا

برھماوشنوشیونے ماتا کو پوجا

جے جے سکھدائی جے جے سری مائی

نرسنگ بالک تورا تو پہ بلہاری تو پہ بلہاری

تن من دھن سے تورے چرنن پہ واری

جے جے سکھدائی جے جے سری مائی'' ۵۵

اس بھجن میں ماتا کے مختلف صفات کا ذکر ملتا ہے کہ ماتا لوگوں کو راہ دینے والی ہے جس کے گن پورے لوگ مل کر گاتے ہیں اور وہ ایک اونچا مرتبہ رکھنے والی ہے اس کی عظمت کا بیان ہر بھگت کے لیے ضروری ہے اور وہ دنیا میں بہترین زندگی دینے والی ہے اسی کی تعریف پر اس بھجن میں زور دیا گیا ہے۔ سب کو دھن، دولت دینے والی ماتا ہی ہے اور سب اختیار ماتا ہی کے ہاتھ میں ہے اس کے بغیر کوئی کام ہو نہیں سکتا اور مختلف دیوتا نے اس کی پوجا کی ہے اور اس کو ماتا مانتے ہیں اتنی عظمت والی ماتا ہے کیوں نہ ہم اس کی تعریف کریں۔

حواشی

۱ سیدہ جعفر، ڈاکٹر، دکنی رباعیات، حیدرآباد، ۱۹۶۶، ص ۱۴

۲ اردو شاعری کا فنی ارتقاء، از ڈاکٹر فرمان فتحپوری، دہلی، ۲۰۰۸، ص ۳۱۲

۳ درد باقی و درد ساقی از راجہ نرسنگ راج عالی ص: ۱۳

۴ درد باقی و درد ساقی، از نرسنگ راج عالی ص: ۲، ۱

۵ پون کماری، ڈاکٹر، راجہ گردھاری پرشاد باقی، حیدرآباد، ص ۹۰

۶ درد باقی و درد ساقی، ص ۹۷

۷ درد باقی و درد ساقی، ص ۸۳

۸ درد باقی و درد ساقی، ص ۱۲۹

۹ جنوبی ہند میں رباعی گوئی، تذکرۂ شعراء، حیدرآباد، ۱۹۸۴

۱۰ دیوانِ عالی، ص ۱۸۶، ۱۸۷

۱۱ دیوانِ عالی، ص ۱۸۶، ۱۸۷

۱۲ دیوانِ عالی، ص ۱۹۱، ۱۹۲

۱۳ دیوانِ عالی، ص ۱۹۳، ۱۹۴

۱۴ دیوانِ عالی، ص ۲۰۰، ۲۰۱

۱۵ دیوانِ عالی، ص ۲۰۱، ۲۰۲

۱۶ دیوانِ عالی، ص ۱۹۸، ۱۹۹

۱۷ دیوانِ عالی، ص ۱۹۷

۱۸ دیوانِ عالی، ص ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶

۱۹ خواجہ حمید الدین شاہدؔ، حیدر آباد کے شاعر انتخاب کلام، آندھرا پردیش ساہتیہ اکادمی، ص ۱۸۸

۲۰ دیوانِ عالی، ص ۱۹۷

۲۱ دیوانِ عالیؔ، ص: ۲۰۴

۲۲ عالیؔ، نرسنگھ راج، غمِ احبابِ شادؔ، ص: ۴

۲۳ دیوانِ عالی، ص ۲۰۵

۲۴ عالیؔ، نرسنگھ راج، غم احبابِ شادؔ، ص ۴

۲۵ عالیؔ، نرسنگھ راج، جوشِ غم، ص ۱

۲۶ سب رس، سالار جنگ نمبر، حیدر آباد، اپریل ۱۹۴۹، ص ۴۸

۲۷ دیوانِ عالی، ص ۲۱۰، ۲۱۱

۲۸ دیوانِ عالی، ص ۲۰۷

۲۹ دیوانِ عالی، ص ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰

۳۰ دیوانِ عالی، ص ۲۰۸، ۲۰۹

۳۱ دیوانِ عالی، ص ۲۱۳

۳۲ دیوانِ عالی، ص ۲۱۴

۳۳ دیوانِ عالی، ص ۲۱۵

۳۴ دیوانِ عالی، ص ۲۱۶

۳۵ سب رس اقبال نمبر، حیدر آباد، ص ۱۲

۳۶ بھجن کی معنویت اور ساحرؔ، نیا دور لکھنو، فروری ۱۹۹۶ء، ص: ۹

۳۷ بھجن کی معنویت اور ساحرؔ، نیا دور لکھنو، فروری ۱۹۹۶ء، ص: ۹

۳۸ بھجن کی معنویت اور ساحرؔ، گوپی چند نارنگ، نیا دور، لکھنو، فروری ۱۹۹۶ء ص: ۹

۳۹؎ راجہ نرسنگھ راج عالی (نرسنگھ) کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ،ڈاکٹر نارائن راج،ص:۱

۴۰؎ راجہ نرسنگھ راج عالی (نرسنگھ) کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ،ڈاکٹر نارائن راج،ص:۲

۴۱؎ راجہ نرسنگھ راج عالی (نرسنگھ) کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ،ڈاکٹر نارائن راج،ص:۲۵

۴۲؎ راجہ نرسنگھ راج عالی (نرسنگھ) کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ،ڈاکٹر نارائن راج،ص:۲۶

۴۳؎ راجہ نرسنگھ راج عالی (نرسنگھ) کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ،ڈاکٹر نارائن راج،ص:۳۶

۴۴؎ راجہ نرسنگھ راج عالی (نرسنگھ) کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ،ڈاکٹر نارائن راج،ص:۲۷

۴۵؎ راجہ نرسنگھ راج عالی (نرسنگھ) کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ،ڈاکٹر نارائن راج،ص:۴۰

۴۶؎ راجہ نرسنگھ راج عالی (نرسنگھ) کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ،ڈاکٹر نارائن راج،ص:۳۵

۴۷؎ راجہ نرسنگھ راج عالی (نرسنگھ) کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ،ڈاکٹر نارائن راج،ص:۶

۴۸؎ سری اُپاسنی بابا مہاراج،از راجہ نرسنگھ راج عالی،ص:۳ تا ۴

۴۹؎ راجہ نرسنگھ راج عالی (نرسنگھ) کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ،ڈاکٹر نارائن

راج،ص:۴

۵۰ راجہ نرسنگھ راج عالؔی(نرسنگھؔ) کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ،ڈاکٹر نارائن راج،ص:۴۷

۵۱ راجہ نرسنگھ راج عالؔی(نرسنگھؔ) کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ،ڈاکٹر نارائن راج،ص:۵۱

۵۲ راجہ نرسنگھ راج عالؔی(نرسنگھؔ) کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ،ڈاکٹر نارائن راج،ص:۱۰

۵۳ راجہ نرسنگھ راج عالؔی(نرسنگھؔ) کے اردو بھجن، مرتبین ڈاکٹر بھاسکر راج سکسینہ،ڈاکٹر نارائن راج،ص:۱۱

۵۴ عالی،نرسنگھ راج، جوشِ غم،ص:۱۰

۵۵ عالی،نرسنگھ راج، جوشِ غم،ص:۱۱تا۱۲

☆☆☆

باب ہفتم

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی نثر نگاری

اردو ادب میں ایسی شخصیات کی تعداد کم نہیں ہے جن کی شہرت ادب میں ایک شاعر کی ہے لیکن ساتھ ہی وہ اچھے نثر نگار بھی ہیں۔ نثر اور شاعری میں بنیادی فرق یہی ہوتا ہے کہ شاعری میں بکھرے ہوئے الفاظ میں ایک مربوط خیال کو باندھا جاتا ہے۔ اور نثر میں خیال کے ساتھ جملے کی ساخت پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جتنے بھی بڑے شعرا پیدا ہوئے ہیں وہ کہیں نہ کہیں نثر میں بھی اپنی مثال چھوڑ گئے ہیں۔ میرؔ سے مرزاؔ تک اور غالبؔ سے اقبالؔ تک کوئی بھی ایسا شاعر نہیں گزرا جس کی نثری تصنیفات نے اردو ادب کے ذخیرے کو بقائے دوام نہ بخشا ہو۔

فضلیؔ سے بیس پچیس برس قبل اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ضلع کرنال کے ایک ہنسوڑ اور پھکڑ شاعر گزرے ہیں۔ اردو شاعری میں ان کی شہرت ہزل گوئی اور بذلہ سنجی کی وجہ سے ہے۔ قلمی نام جعفر زٹلی تھا۔ انہوں نے چند خاکے اردو نثر کے دکھائے ہیں جو دو چار سطر سے زیادہ نہیں۔ جعفر زٹلی کی نثر کو غیر معیاری تصور کر کے محققین نے اس کا تجزیہ کرنے سے پرہیز کیا۔ زٹلی کے نثر خواہ معیاری ہو یا غیر معیاری لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ نثر کے ارتقاء میں اہمیت کی حامل ہے۔

میر تقی میرؔ کو اردو کا خدائے سخن کہا جاتا ہے۔ شاعری کے میدان میں ان کے سات دیوان منظر عام پر آ چکے ہیں لیکن اس بات سے قطعی طور پر انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ شاعری کے ساتھ نثر نگاری کے فن سے بھی واقف تھے۔ ''ذکر میر'' اور ''فیض میر'' ان کی نثری معراج کی شاہد ہیں۔ علاوہ ازیں ''نکات الشعراء'' لکھ کر نثر میں تذکرہ نگاری کی بنیاد بھی ڈالی۔ مرزا محمد رفیع سوداؔ کی شناخت اردو میں ایک قصیدہ نگار کی ہے لیکن ان کے نثری دیباچہ کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے ''سبیلِ ہدایت'' کا دیباچہ فارسی کے بجائے اردو میں لکھا اس دیباچہ کی اپنی اہمیت مسلم ہے۔

امیر خسروؔ فارسی کے بڑے شاعر گزرے ہیں لیکن ساتھ ہی ان کا ہندوی کلام بھی اردو شاعری کے اولین نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ ہندوی میں ان کے گیت اور غزل کو اردو شاعری کا نمونۂ اول کہا

جائے تو بے جانا ہوگا۔ یہ بات شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہوں کہ وہ ایک صوفی شاعر ہونے کے ساتھ مؤرخ بھی تھے۔ اپنے زمانے میں انہوں نے تغلق سلطنت کی تاریخ تغلق نامہ (۱۳۲۰ء) کے عنوان سے لکھی جو ان کی نثری کاوش کا نتیجہ ہے۔

انشاء اللہ خاں انشاؔ کی حیثیت بھی ایک شاعر کی ہے۔ کلاسیکی ادب کے سرمایہ میں انشاؔ اور مصحفی کے معرکہ آرائی پر بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ جن کا سبب ان کی شاعری کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ لیکن نثر میں ''رانی کیتکی کی کہانی'' اور ''دریائے لطافت'' ان کی نثری معراج کی غماز ہیں۔

اردو ادب کا ایسا کوئی بھی محقق یا نقاد نہیں گزرا ہے جس نے غالبؔ کی عظمت کا اعتراف نہ کیا ہو۔ اردو سے لے کر فارسی تک اور ہندوستان سے ایران تک ان کی شان میں ہزار ہا قصیدے لکھے گئے۔ اردو کا یہ شاعر جس کو آزادؔ فارسی شاعر کا نام دے کر شاعری کے منصب پر اپنے استاد کو بٹھانا چاہتے تھے انھیں بھی اس بات کا اعتراف تھا کہ غالبؔ فارسی ہی نہیں اردو کا بھی بڑا شاعر ہے۔ شاعری کے علاوہ غالبؔ کی نثری تصنیفات میں مہر نیم روز، ماہ نیم روز، قاطع برہان اور برہان قاطع کا نام قابلِ ذکر ہے۔ اس کے علاوہ غالبؔ نے اردو نثر کی ایک ایسی مثال چھوڑی ہے جس کو جدید اردو نثر میں نمونے کی تشخیص حاصل ہے۔ غالبؔ نے اپنے خطوط کے ذریعہ لمبے چوڑے القاب و آداب کو ہذف کر کے بول چال کا انداز اختیار کیا۔ جس سے عوام کو بول چال کا ایک نیا انداز ملا اور ان کی روزمرہ کی نثر تکلفات سے پاک ہوگئی۔

الطاف حسین حالیؔ اگر شاعر نہ ہوتے تو ''مقدمہ شعر و شاعری'' وجود میں نہیں آتی۔ آخر مقدمہ ہے تو ان کے دیوان کا ہے۔ بھلے ہی انہیں اردو تنقید کے نقشِ اول کہا جائے لیکن اردو شاعری میں ان کا اپنا مقام ہے۔ اس دیوان کا مقدمہ لکھ کر انہوں نے اردو میں تنقید کی بنیاد ڈالی پروفیسر آل احمد سرور نے اسے اردو تنقید کا پہلا مینی فیسٹو کہا ہے۔

شبلیؔ فارسی کے شاعر تھے اور ساتھ ہی انہوں نے اردو میں کئی نظمیں لکھی ہیں۔ ان کی نظم عدلِ جہانگیری سے اردو کا ہر شخص واقف ہے لیکن سوانح مولانا روم اور شعرالعجم میں ان کے جوہر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر وہ نقاد ہیں۔

ہندوستان کی جنگ آزادی میں پیش پیش رہنے والا مجاہد جسے دنیا فضل الحسن کے نام سے جانتی ہے، اردو شاعری میں حسرتؔ موہانی کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ ان کے نثری کارناموں پر اب تک کئی مقالے منظر عام پر آ چکے ہیں خود دیوانِ غالب کی شرح لکھی ہے۔

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ کی شاعری کے چار مجموعے ہیں علاوہ ان کی پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری فلسفہ میں اور نثری کارناموں میں علم الاقتصاد کا نام قابلِ ذکر ہے۔

اس کے علاوہ مظہرؔ جانِ جاناں، حاتمؔ اور ناسخؔ کی اصلاحِ زبان کی تحریک، فراقؔ گورکھپوری کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ میزان، فیض احمد فیضؔ کی مراسلہ نگاری ''سلیبیں میرے دریچے میں'' اور علی سردار جعفری کا افسانوی مجموعہ ''منزل'' بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

ان تمام شاعروں کے نثری کارناموں پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کا مقصد صرف یہی تھا کہ اردو میں ایسی شخصیات کی نشاندہی کر دی جائے جو بنیادی طور پر شاعر ہیں لیکن اس کے ساتھ ان کی ادبی حیثیت مسلم ہے۔ان تمام شاعروں نے شاعری کے ساتھ نثر پر بھی نہ صرف توجہ دی بلکہ اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرتے ہوئے اپنی نثری جوہر دیکھائے۔

تیرھویں صدی عیسوی میں دکن جو کبھی کاکتیہ خاندان کے زیرِ اثر تھا مسلمان فاتحین کے قبضہ و تصرف میں آ گیا اور پھر نظام اسٹیٹ ایک خود مختار سلطنت میں تبدیل ہوگئی۔ جب ریاست حیدرآباد چھٹے حکمراں میر محبوب علی خاں کا ۱۹۱۱ء میں انتقال ہوا تو میر عثمان علی خاں کے حکمراں ہونے کا اعلان کیا گیا اور یکم ستمبر ۱۹۱۱ء کو ان کی تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی۔ یہ نظام الملک کے ساتویں خلیفہ تھے۔ وہ خود ایک بڑے ماہر لسانیات تھے اور چھے زبانوں پر دست رس رکھتے تھے اور سبھی زبانوں میں تیز رفتاری سے بات کرنے کی صلاحیت بھی تھی۔ان میں انگریزی، ترکی، عربی، فارسی، تلگو اور خاص طور سے اردو شامل تھی۔

میر عثمان علی خاں کے زمانے میں علم و ادب اور فنونِ لطیفہ کی طرف خاصی توجہ دی گئی۔ دنیا بھر میں علم و ادب کے ماہرین کو دربار میں بلایا گیا۔ان کے وظیفے مقرر کئے گئے اور ان کی پزیرائی کی گئی ڈاکٹر داؤد اشرف لکھتے ہیں:

''آصف سابع کے عہد میں علم وفن اور شعروادب کی سرپرستی کی قدیم آصف جاہی روایات نہ صرف جاری ہیں بلکہ اسی حکمراں کی علم وادب سے غیر معمولی دلچسپی کے باعث یہ روایات آگے بڑھی۔ آصف سابع نے اردو کے نامور عالموں دانشوروں ادیبوں اور شاعروں کی دل کھول کر سرپرستی اور قدردانی کی تھی۔ علمی و ادبی کاموں میں مشغول رہنے اور کتابیں تصنیف کرنے کے لئے وظیفے جاری کیے گئے تھے جن کی مقدار میں بعد میں اضافے بھی کیے گئے۔ اس کے علاوہ بیرون سے آنے والوں یا طلب کے جانے والے ارباب کمال کو اچھی خدمتوں پر فائز کیا گیا تھا۔

آصف سابع کو قدیم اور بیش قیمت مخطوطات کی خریدی اور تحفظ سے خصوصی دلچسپی تھی۔ اس بارے میں آندھراپردیش آرکائیوز میں آصف سابع کے فرامین محفوظ ہیں جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نایاب مخطوطات کی خریدی کے علاوہ انہیں یکجا کرنے اور ان کی بہتر نگہداشت اور تحفظ کے لئے کیا کیا اقدامات کیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ فارسی اور اردو لغتوں آصف اللغات فرہنگ نظام اور مولوی عبدالحق کی اردو لغت کی تیاری کے لئے اور علمی وشعری کارناموں مثلاً سیرۃ النبی اور شاہنامہ اسلام کی تکمیل واشاعت کے لئے بھی آصف سابع نے برس ہابرس مالی امداد منظور کی۔'' [1]

میر عثمان علی خاں نے بلاتفریق مذہب وملت کے تمام ادیبوں اور شاعروں کو اپنے دربار میں جگہ

دی اوران کواعلیٰ عہدوں سے سرفراز کیا۔اس زمانے میں حیدرآباد میں کائستھ برادری،جن کے آبا واجداد مدتوں سے نظام کے دور سے وابستہ تھےاوران کی خدمت کرتے آرہے تھے۔مہاراجہ کشن پرشادشآد کی میر عثمان علی سے جوقربت تھی اس کا ذکر یہاں بے جا معلوم ہوتا ہےالبتہ شاد کے قریبیوں میں ایک نام راجہ نرسنگھ راج عالؔی کا ہے۔ یہ میر عثمان علی خاں کے دربار کے شاعر ہیں اورنثر میں بھی ان کے چند مضامین مل جاتے ہیں۔شیلاراج نے اپنی کتابThe legacy of Nizamsمیں لکھا ہے۔

"Hindu poets also displayed the talent and skill in poetry there were many who had their diwan namely, Guru Saranbali, Azad Raja Rameshwar Rao Asghar, Dr. R, .R. Saksena Ilham, Lala Mukund Lal Jowhri, Girdhari Pershad, Mahabub Nawazwant Eaqi, Rai Bachulal Tamkeen, Raghavendra Rao Jazb, Balaji Trimbak Nath, Zerra, Behari lal Ramz, Chattulal Shadan, Maharaja Kishan Pershad and Raja Narsingh Raj Aali belonged to a family of Scholars. Raja Nassing raj's faher raja Girdhari pershad Mahbub Nawazwant Baqi alias Bansi Raja was in charge of the household affairs of the Nizam's palace, and was also a

renowned poet. Narsing Raj was well versed in Persian and Urdu languages, a poet of distinction and a prolific writer. He was a great confidant and friend of Maharaja Kishen Pershad."

۲

اس اقتباس سے یہ بات واضع ہوجاتی ہے کہ نرسنگھ راج عالؔی کے کشن پرشاد شادؔ سے گہرے مراسم تھے دونوں کی شناخت شاعر کی ہے۔ عالؔی کے تعلق سے ماقبلِ مضمون دفتر کے دفتر رقم کئے جا چکے ہیں۔ اور نا چیز نے بھی اس میں ایک ادنیٰ سا اضافہ کرنے کی جسارت کی ہے۔ شاعری کے میدان میں عالؔی کے چار مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کا کلیات بھی شائع ہو چکا ہے۔ عالؔی نے شاعری کے ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ غزل، قصیدہ، مرثیہ، نظم، رباعی، قطعہ اور بھجن وغیرہ ان کے قصر دیوان میں جواہرات کے مانند جڑے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا غیر مطبوعہ فارسی کلام بھی ہے لیکن نثر کے میدان میں کوئی خاص کارنامہ نہیں ملتا۔ چند ایک مضامین اور خطبے ہیں اور اس کے علاوہ سری اپاسنی بابا مہاراج کے نام سے ایک رپورٹ نما مضمون ہے۔ جس کو خاکہ اور سفر نامہ کے درمیانی کڑی کہا جاسکتا ہے۔ مضمون کی ابتداء میں اردو کے تمام بڑے شاعروں کے نثری کارناموں کو رقم کیا گیا جس کا مقصد صرف اور صرف نرسنگھ راج عالؔی کے کارناموں کو اجاگر کرنا تھا۔ ذیل میں ان کی نثری خدمات پر روشنی ڈالی جائے گی جس سے ان کے نثری کارناموں کو پردۂ خفا سے نکال کر منظر عام پر لایا جائے اور اس کے صحیح مقام کا تعین کیا جا سکے۔

نرسنگھ راج عالؔی کی نثری خدمات کی ذیل میں میں نے ان کی نثری تصنیفات کی تلاش و جستجو میں از حد توفیق رسائی کی لیکن اس کے باوجود ان کی نثر کے چار نمونے دستیاب ہو سکے۔ ممکن ہے کہ ان کے علاوہ ان کا اور بھی نثری کارنامہ ہو لیکن کسی بھی وسیلہ سے دوسرے نثری فن پاروں کی شہادت نہیں مل پاتی ہے۔ ان میں ایک خطبہ آل انڈیا کایستھ کانفرنس کے بیالیسویں اجلاس کے دوران بتاریخ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۸ء کو پڑھا گیا۔

دوسرا روداد جلسہ تہنیت جوبلی مبارک میں ان کی تقریر بابت جو تحریریں وجود میں آئیں۔ تیسرا بابا اپاسنی مہاراج کی عقیدت ومحبت کا نثری دریا روادواد یکھائی دیا۔ چوتھا اور آخری فن پارہ مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کے سانحۂ ارتحال پر (حضرتِ شاداب کہاں عالیؔ) کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔ عالیؔ کے ان نثری کارناموں کو ایک کے بعد دیگرے تنقیدی نظام پر پرکھ کر ادب میں اس کے مقام کا تعین کیا جائے گا۔

اول الذکر خطبہ صدر مجلس استقبالیہ جو آل انڈیا کایستھ کانفرنس کے بیالیسویں اجلاس کے موقعے پر دیا گیا نرسنگھ راج نے خطبہ پڑھا جس کی ابتداء ایک رباعی سے ہوتی ہے۔

''یارب جو کہوں منہ سے سخن تیرا ہے
سب جسم تیرا اور دہن تیرا ہے
اس دھر کے رنگ اور گلہائے عجیب
یارب تیرے ہیں سب چمن تیرا ہے''

۳

اس کے بعد تمام اربابِ قوم کی خدمت میں شکریہ کا نظرانہ پیش کرتے ہیں کہ جن کی محنت اور خلوص نے حیدرآباد کے اکابرین خطاب میں سے ان کا انتقاب کیا۔

اس خطبہ کا مجموعی طور سے مطالعہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کائستھ کانفرنس کی جانب سے پیش کیا گیا یہ خطبہ آصفیہ خاندان کے فنونِ لطیفہ، نظم وضبط اور رعایا کے لیے ان کے حسن سلوک کی روداد ہے۔ خطبہ کے ایک ایک سطر سے کائستھ برادری کی طرف سے نظام کے لیے وفاداری کا جذبہ ٹپکتا ہے۔ نظام الملک آصف جاہ اول کی دکن میں آمد اور ان کے ساتھ بزرگ کایستھ ہستیوں کا ذکر ہے۔ جنھوں نے ملک کی خدمت میں اپنی نسل کی نسل قربان کردی۔ یہی وجہ ہے کہ نظام کی نظر میں ان کے لیے ایک خاص جگہ پیدا ہوگئی۔ انھیں بڑے بڑے عہدوں پر فائض کیا گیا اور انعامات واکرامات سے سرفراز کیا گیا۔ عالیؔ کو اس بات کا فخر ہے کہ ان کے خاندان اور برادری کو آصف جاہی سلطنت میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ فرماتے ہیں۔

''شاہانِ آصفیہ کے اعتماد کا ان کو ہر دور میں شرف حاصل رہا اور ہر زمانہ میں انھوں نے اپنی برادری میں ایسے اکابر پیدا کئے جنکے کارنامے آج تک ملک و مالک کی نظروں میں مقام رکھتے ہیں۔ چنانچہ راجہ بھوانی پرشاد، راجہ میگھ راج، راجہ اودے چند، راجہ جسودھا نند، راجہ بچھرمل شمشیر بہادر، راجہ شیوراج دھرم ونت بہادر، راجہ مرلی منوھر آصف نواز ونت بہادر، راجہ ایسری پرشاد اور میرے والد محترم مرحوم راجہ گردھاری پرشاد محبوب نواز ونت باقی ، راجہ مرلیدھر فتح نواز ونت بہادر جیسی ہستیاں پیدا ہوئیں۔'' [۴]

عالی کے اس خطبہ کو پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ عالی نے اس میں دکن کی تاریخ رقم کی ہے۔ وہ تاریخ چاہے وہ آصف جاہ اول کی تخت نشینی کی ہو یا کائستھ قوم کے خدمت گزاروں کے تذکرے کی۔ وہ اس خطبہ کے ذریعہ ملک کے مالی حالات کو بہتر بنانے کی بات کرتے ہیں۔ اور اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ہر قوم کی ترقی و فلاح و بہبود کا راز تعلیم میں پنہاں ہے۔ چنانچہ دکن میں تعلیم کے پچھڑے پن کی وجہ اور اس کا حل پیش کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''قوم میں تعلیم مایل بہ تنزل ہوتی جارہی ہے۔ اس کی شاید ایک وجہ تو خود ہماری یہ کمزوری ہے کہ ہم اپنی اولاد کی ذمہ داریوں سے لاپرواہ بن گئے ہیں۔ تعلیم، شخصی کردار اور کیرکٹر کے بنانیکے لئے نہ صرف ضروری ہے بلکہ لازمی ہے۔ مزید براں بغیر تعلیم و ترتیب قومیں اپنی انفرادی خصوصیات بھولنے لگتی ہیں اور کچھ ہی سال میں ان کو تنزل و افلاس کا چہرۂ منحوس دیکھنا پڑتا ہے۔ خوش قسمتی سے آج سے پچیس سال پیشتر ہی ارباب قوم نے یہ ضرورت محسوس کی تھی اور اپنے نو نہالوں کی پرورش دماغی کیلئے ایک کایستھ پاٹھ شالہ قایم کیا تھا جو بفضلہٖ ابتک میرے غریب خانہ کے ایک حصہ میں قایم ہے یہاں نہ

صرف کایستھ بلکہ بلالحاظ مذہب وملت جملہ اقوام کووسطانیہ کے معیار
کی تعلیم دیجاتی ہےاورحکومت سرکار عالی سے اسکومعقول امداد بھی ملتی
ہے۔'' ۵

تعلیمی میدان میں وہ لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کو بھی تعلیم دلانے کے قائل ہیں اس سلسلے میں ان کا نظریہ تعلیم راجہ رام موہن رائے اور سرسید سے بہت قریب معلوم ہوتا ہے۔

''اب یہ امر متنازعہ نہیں رہا ہے کہ لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ
لڑکیاں بھی مناسب تعلیم اور موزوں تربیت حاصل کریں چنانچہ ہمیشہ
سے کایستھ عورتیں تعلیم یافتہ ہوتی آئی ہیں اور ہندی سنسکرت کے
ہمراہ جوان کی مذہبی زبانیں ہیں وہ اردو فارسی میں بھی اچھا دخل اور
مذاق رکھتی تھیں گو یہ صحیح ہے کہ یہ تعلیم انہیں کسی کالج یا مدرسہ میں نہیں
دیجاتی تھی۔ بلکہ گھر کی چار دیواری کے اندر وہ امور خانہ داری کے
ساتھ دیگر علوم کا بھی درس لیتی تھیں لیکن زمانہ بدل رہا ہے اور اسی
مناسب سے آج سے تقریباً بارہ سال پیشتر نیگ منس کایستھ یونین
کی سرپرستی میں ایک کنیا پاٹھ شالہ قایم ہے اور وہ پرماتما کی عنایت
سے آج تک خانگی امدادوں پر چلر ہاہے یہ مدرسہ کایستھوں کیساتھ
دیگر اقوام کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو ابتدائی گھریلو تعلیم سے بہرہ یاب
کرنیکی کامیاب کوشش کررہا ہے۔''۶

ان سطور سے راجہ نرسنگھ راج عالی کی بلند پایہ سوچ اور تعلیمی فکر کا بہترین اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کے بھی خواہاں تھے اور اس بات سے واقف تھے کہ زمانہ بدل رہا ہے اور گھر کی چار دیواری میں قیدرہ کر اور کلاسیکی تعلیمی رویہ کو برقرار رکھ کر ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا نہیں کرسکتیں۔

عالی کا یہ خطبہ بھلے ہی مختصر ہو لیکن ۱۲ صفحات پر مشتمل اس تحریری مضمون کو کسی انسائیکلو پیڈیا سے کمتر

نہیں کہا جاسکتا جس کی ابتداء آصف جاہی سلطنت کے اولین حکمراں کی تخت نشین سے ہوتی ہے اور ایک کے بعد دیگرے کائستھ طبقے کی تعلیم ،سوشل ریفارم اور اختلافِ قوم جیسے موضوع دیکھنے کو ملتے ہیں۔لہٰذا یہ کہنا بے جانا ہوگا کہ عالؔی نے اس مختصر تقریر کے ذریعہ سمندر کوکوزے میں بھرنے کی کوشش کی ہے۔

حیدرآباد میں کائستھ برادری کی سوشل ریفارمر انفرمیشن سے اندازہ ہوتا ہے کہ نرسنگھ راج عالؔی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک حساس دل بھی رکھتا تھا۔ وہ دل جس میں قوم کے لئے جذبہ ہو وہ دل جس میں ملک وریاست کا رخ بدل نے کا ولولہ ہو اور وہ دل جو مذہب وملت کے فرقہ وارانہ فسادات سے پاک ہو۔ چنانچہ حیدرآباد میں کائستھ برادری کی سوشل ریفارم کے بابت لکھتے ہیں۔

> ''حیدآباد کے کایستھ اپنے داخلی سوشیل ریفارم میں پیچھے نہیں ہیں چنانچہ عرصہ دراز سے ان کی کئی سوشیل اور تعلیمی انجمنیں قایم رہیں مثلاً دیگر فرقہ جات کی طرح فرقہ سکسینہ میں کایستھ سبھا ایک عرصۂ دراز تک قایم رہی اور اس نے ایک دستور العمل شادی بھی مرتب کیا۔ دیگر فرقوں کی انجمنیں برابر کام کررہی ہیں اور اپنی اپنی جماعت کے سوشیل سدھار میں کوشاں ہیں۔ فی الحال دارالخلافہ حیدرآباد میں ایک مرکزی انجمن کایستھ صدر سبھا قایم ہے اور اس میں جملہ کایستھ فرقہ جات سلطنت حیدرآباد کی نمایندگی ہے نیز اس کے تحت یہاں کی جملہ انجمنیں ہیں۔'' [۷]

اسے نرسنگھ راج عالؔی کی کمزوری کہیں یا ان کی فن کارانہ صلاحیت کا اظہار کہیں کہ وہ اپنی برادری اور مذہب کے بیان کولیکر جذباتی ہوجاتے ہیں۔ان کا شائستہ لہجہ جواب تک خالص اردو زبان میں بات کررہا تھا اچانک ہندی الفاظ کا جامع پہن لیتا اور یہاں وہ فرقہ پرستی کے سیلاب میں بہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

> ''مذہبی حیثیت سے بھی حیدرآباد کا کایستھ فرقہ کچھ پیچھے نہیں ہے۔ چنانچہ خود دارالسلطنت میں سری چترگپت جی مہاراج کا ایک بڑا اور وسیع مندر ہے جہاں روزانہ پُجا پاٹ کے علاوہ ہر اہم تقریب میں

کایستھ جمع ہوتے اور درشن وغیرہ سے لابھ اٹھاتے ہیں۔ نیز یم دوتیا
کے موقع پر تمام برادری کے صرفہ سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ سری
چتر گپت سوامی کی جاترا کیجاتی ہے۔'' ۸

عالؔی کے اس خطبے کو پڑھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ کہیں ان پر ترقی پسندوں کا سایہ نہیں پڑ گیا تھا۔ ہم نے خطبے کی ابتداء میں آصف جاہی سلطنت کی حمد وثنا کرتے دیکھا درمیان کے دس صفحات میں یہ بات بھول گئے کہ جن کے فضل وکرم سے کائستھ صوبے دکن میں اعلیٰ منصب سے فیض یاب ہوئے ان کے لیے بھی انھیں دو لفظ کہنا ہے۔ آخر عالؔی کو یہ بات یاد آئی، تب وہ بولے اور خوب بولے۔

''میں آخر میں اپنا سب سے خوشگوار اور اہم ترین فریضہ یہ سمجھتا ہوں
کہ اپنے آقائے ولی نعمت اعلیٰحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی
خسرو دکن شہزادہ برار وشہزادگانِ بلند اقبال وشہزادیان فرخندہ فال کی
ازدیاد عمر ودولت واقبال کیلئے بارگاہِ یزدی میں دست بدعا ہوں جنکے
سایۂ عاطفت میں ہم دن بہ دن زینہ بزینہ ترقی کے منازل طے
کررہے ہیں۔ میں اس رباعی پر ختم کرتا ہوں۔

رباعی

کایستھ ہیں مفتخر دکن پر اپنے
کیوں مرنہ مٹیں وہ پھر وطن پر اپنے
آسایش و عزّت ہے میسّر عالؔی
ہے ناز ہمیں شاہِ دکن پر اپنے''

۹

اس طرح کا رویہ ترقی پسند ادیب اور شعرا میں خوب دیکھنے میں ملتا ہے کہ ابتدا اور آخر میں مزدوروں کی حمایت میں نارہ بازی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن درمیان میں محبوب کی زلف وآبرو کی

سنبھال تے ہوئے مقصد کو فوت کر دیتے ہیں۔

اس باب کے آخری حصے میں نرسنگھ راج عالؔی کی نثر کے فن کارانہ پہلو پر مجموعی طور سے روشنی ڈالی جائے گی۔

نرسنگھ راج عالؔی کا دوسرا مذکورہ نثری مضمون رؤیداد جلسۂ تہنیت جوبلی مبارک'' ہے۔ یہ شری سناتن سبھا حیدرآباد کی جانب سے منعقد کیا گیا ہے۔ اس تقریر کا موضوع ''دورِ عثمان کے برکات'' ہے۔ آٹھ صفحات پر مشتمل اس مضمون میں عالؔی نے دلائل کے ذریعہ اپنی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے پچھلے مضمون کی طرح اس تقریر کی ابتداء بھی ایک رباعی سے ہوتی ہے۔

''کس طرح گِنائے کوئی سب کام تمہارے
خطبہ ہے فضیلت کا فقط نام تمہارے
دینے کو دعائیں تمہیں اے آصفِ سابع
ہیں جمع یہہ سب بندۂ بے دام تمہارے''

[۱۰]

اس سے قبل موضوع سے متعلق چند سطروں پر مشتمل ایک قلمی جسارت ہے۔ رباعی میں آصف سابع کا ذکر ہے جس سے میر عثمان علی خاں کی سلطنت کی جانب اشارہ واضع طور پر ملتا ہے۔ بادشاہ کی تعریف کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ تخت و تاج سے علم و فضل کا بادشاہ ہونا زیادہ مشکل ہے اور اس طرح کی صفات انھیں میر عثمان علی خاں میں نظر آئی جس نے عثمانیہ یونیورسٹی قائم کی نرسنگھ راج عالؔی نے آصفیہ حکومت کے عہد زریں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''کسی زمانہ میں فلک نما جہاں نما ہی ہمارے لئے دیدہ زیب اور نادر عمارتیں تھیں مگر آج آپ کس عالیشاں عمارت کو دورِ عثمانی کے شایانِ شاں نہیں پاتے۔ جس حیدرآباد کی تنگ سڑکیں گلی کوچوں کی غیر صاف حالت آپکو باہر کے دوسرے ملک سے آنیوالوں کے روبرو

شرمندہ کرتی تھیں آج ہم اسی حیدرآباد کے خوش نصیب باشندے
اپنے ملک کی اس غیر معمولی ترقی پر مبارکباد اور ثناو توصیف کی
صدائیں سنتے ہیں۔ مجھے میرے ایک معزز کرم فرمانے جو باہر سے
آئے ہوئے تھے۔اور میرے ساتھ شام کے وقت گھومنے نکلے شہر کی
برقی روشنی دیکھ کر دریافت فرمایا کہ آج کوئی خاص تقریب ہے جو ملک
کا ہر گوشہ گوشہ منور ہورہا ہے۔ میں نے سنکر کہا نہیں یہ ایک ایسے روشن
دل بادشاہ کی روشنی ہے جو ہر روز جلا کرتی ہے اور جس سے ملک کی
تاریکی ہمیشہ کیلئے دور ہوچکی ہے وہ حیران ہوئے اور مجھہ سے وسیع
سڑکوں اور دیگر انتظامات پر بہت دیر تک دلچسپ گفتگو کی۔ بہرصورت
ہندوستان کے مشہور شہنشاہ شاہِ جہاں مرحوم ومغفور کے زمانہ میں پیدا
نہونے سے ہم دلگیر اور رنجیدہ نہیں کہ ہمیں خدائے برتر نے ملک دکن
ہی میں اسکا نعم البدل دے دیا۔ ہم اس مبارک ہستی پر جسقدر ناز
کریں بجا ہے۔ جس نقطہ نظر کو آپ سامنے رکھیں۔ آپ کو معلوم
ہوجائیگا کہ اس مبارک دور عثمانی نے ہمیں اس سے مالا مال کردیا۔''[11]

اس اقتباس کے ذریعہ حیدرآباد کی شان وشوکت، یہاں کی نظم وضبط وآرائش وزیبائش کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ انسان کے آنکھوں کے سامنے پورا منظر دیکھائی دینے لگتا ہے۔

میر عثمان علی خاں کی رعایا میں نہ صرف مسلمان بلکہ کایستھ، ہندو اور سناتن دھرم کے لوگ بھی شامل تھے بادشاہ نے ہمیشہ ان کا خیال رکھا۔تہواروں اور شادیوں کے تقریب کے موقعے پر سب کی خصوصی مدد کی۔ایسے بادشاہ کی عظمت پر کوئی کیوں نہ نثار ہوجائے کہ جس نے اپنی ہندو رعایا کی آستھا کو ذہن میں رکھ کر گاؤکشی کو موقوف کردیا ہو اس بات کو لکھتے ہوئے ان کی نثر میں جذبات کی بہتات دیکھائی دیتی ہے۔

''یوں تو رعایاء کا ہر طبقہ ہمارے شاہ ذیجاہ سے خوش ہے۔ مگر
خصوصیت کیساتھ ہندو اور اسمیں سناتن دھرمیوں کو تو غیر معمولی

مسرّت ہے۔ان کے اکثر مندر اچھے ہیں۔ ہر مندر کے جاگیرات معمولات یومیہ جات برقرار ہیں یہ تہ دل سے اپنے مندروں میں اوقات مقررہ پر اور دل سے مندروں میں ہر وقت اپنے اسی محسن کی درازی عمر و اقبال کی دعا کرتے ہیں۔ان کے تہواروں دسہرہ وغیرہ میں جو ہر دلعزیز اور مقبول بادشاہ ہمیشہ اظہارِ مسّرت و شادمانی فرمائے۔وہاں کیوں نہ اسکی ایک کروڑ کئی لاکھ رعایا اس پر فدا ہونے کو تیار رہے۔ جہاں اپنی دیوڑھی مبارک میں گاؤکشی موقوف کر کے جس نے اپنی تمام ہندو رعایا کے دلوں کو عمر بھر کیلئے مسخّر کرلیا۔ وہاں کونسی ایسی طاقت ہے جو اس ہر دلعزیز مالک پر جاں نثار ہونے سے رُوک سکے۔''[۱۲]

ان کے تقریر کے پورے مضمون کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آصف جاہی سلطنت کا قصیدہ لکھ رہے ہوں لیکن اتنی سی بات کہہ کر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ہمیں ہر لمحہ اس موضوع کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اس کا عنوان ''دورِ عثمان کے برکات'' ہے۔تو وہ کیسے قصیدہ نہ پڑھے تقریر میں تو اس بات پر توجہ دی جاتی ہے موضوع سے موصوف کے مضمون کی مناسبت ہے یا نہیں اور اس میں نرسنگھ راج عالؔی کامیاب نظر آتے ہیں اس مضمون کے آخر میں بھی ایک رباعی رقم کی گئی ہے۔

''حشمت بڑھے، شہرت بڑھے، اقبال بڑھے
ہمت بڑھے، شوکت بڑھے، اجلال بڑھے
عالؔی کی دعا ہے کہ یہہ بڑھتی دولت
ہر دم بڑھے، ہر دن بڑھے، ہر سال بڑھے''

[۱۳]

نرسنگھ راج عالؔی کی نثری تصنیف کا مکمل نمونہ ''سری اپاسنی بابا مہاراج ساکن ساکوری۔اپاسنی نگر''

ہے اس میں عالؔی نے بابا کے اپنی عقیدت اور ان کے بے شمار چمتکاری مناظر کو پیش کیا ہے جن میں بابا سے لیکر نارد جی اور بھگوان تک کا ذکر ہے اپنے عقیدے کے مطابق عالؔی سال میں ایک ماہ کسی نہ کسی مہاتما کے یہاں گزارتے تھے۔ لیکن جب سے وہ اپاسنی بابا کے شرن میں گئے تو کہیں اور مڑ کر نہ دیکھا بابا کی تئیں اپنی اس اندھی عقیدت کو ثابت کرنے کے لیے عالؔی نے دیوتا (نارد جی) کو بھی نہیں بخشا ء اور بابا سے کم تر قرار دیا ہے۔ یہی نہیں اس کی دلیل میں اس نے کئی واقعات بیان کی ہے مضمون کی ابتداء خودنوشت کے انداز میں ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں

> ''میں (نرسنگھ راج عالؔی) ہمیشہ، ہر سال ایک مرتبہ سنتوں کے درشنوں کو نکلتا تھا اور یہہ عادت مجھے میری عمر کے ۲۲ سال سے پڑی ہوئی تھی۔ میں دنیا اور اس کی حقیقت سے اس وجہہ سے زیادہ واقف ہو گیا تھا کہ کم عمری میں میرے پتا راجہ گردھاری پرشاد بنسی راجہ بنکٹہ باشی ہو گئے۔ اور میرے سر پر صرف میری پوجیہ ماتا کا سایہ رہا۔ جن کو میرے چند عزیزوں اور کارکنوں سے سخت تکلیف پہنچی اور اس کی وجہہ سے میں بھی متاثر رہا اور یہہ اثر بڑھتے بڑھتے دنیا کے سب اندرونی حالات، روز روشن کی طرح عیاں ہو گئے۔ میں دنیا اور دنیا کے بندھنوں کو خوب جانا اور ان کے کرتوتوی کا پورا پری نام آنکھوں میں سما گیا، یہی وہ ویراگ تھا کہ جو میرے دل میں پورا اثر کیا اور میں نے دنیا، دنیا کے سنبندھوں کو توجہہ جانا اور یہہ مانا کہ جیون کا سار کچھ اور ہے اور سنتوں کے درشن اور سماگم بنا من کی ترپتی نہیں ہوتی۔ اس کیلئے میں ۱۹۱۰ء سے سنتوں کے سہواس کا دڑھ نشچے کرلیا۔ اور ایک مہینہ ہر سال گھر سے باہر جا کر اپنی ترپتی کرلیا کرتا۔''[۱۴]

عالؔی جب سائی بابا کے دربار میں شرڈی گیا تو اسے معلوم ہوا کی یہاں کوئی اپاسنی بابا مہاراج ہیں جن کی چمتکاروں کی دھوم اطراف میں پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن مصروفیت کے باعث چاہ کر بھی بابا کے اشتیاق

سے محروم رہا اور مایوس واپس آ گیا۔ اسی دوران ان کی بیوی کا انتقال ہوا اور مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ نے ایک تعزیتی خط ان کے پاس بھیجا اور تم نے ''غریبوں کا آسرا'' دیکھا ہے مزید ان کے پاس کتاب بھیجی جس کو پڑھ کر یہ بہت متاثر ہوئے اور بابا کے درشن کے لیے نکل پڑے۔ ان کے آشرم میں پہنچنے کے قبل ان کی آنے کی خبر وہاں بیٹھے لوگوں کو دے چکے تھے۔ چنانچہ اس اندھی عقیدت کو بڑی خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''میں اپنے دونوں بچے شیام راج، رام راج، ہمشیرہ اور ایک ہمشیرہ زادی کے ساتھ ساکوری گیا اور سرِ مغرب وہاں پہونچ کر سری بابا مہاراج کے درشنوں کے لیے روانہ ہوئے جب میں جھونپڑی میں پہونچا تو سری بابا مہاراج کے پاس ڈاکٹر جہانگیر کھوالکر، ڈاکٹر کوٹھاری اور دو تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے ساکوری پہنچنے سے قبل سری بابا مہاراج نے وہاں بیٹھے لوگوں کے روبرو یہہ ذکر فرمایا کہ حیدرآباد سے کچھ بھگت میرے لئے آرہے ہیں، اس وقت تک ہم ساکوری میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ میرے جھونپڑی میں پہنچنے کے ساتھ ہی وہاں کے بیٹھے ہوئے لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ میں نے جواب میں کہا کہ حیدرآباد سے آرہا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ ابھی آپ کا سری بابا مہاراج ذکر فرمارہے تھے کہ حیدرآباد سے ایک بھگت منڈلی میرے لئے آرہی ہے۔ اس سے میں متعجب ہوا۔'' ۱۵؎

تاریخی اعتبار سے بھی اس مضمون میں بہت سی ایسی چیزیں مل جاتے ہیں جن سے اس کے زمانِ قیام اور اس کے جغرافیائی حالات کا پتہ چلتا ہے، منظرنگاری کا ایک اچھا نمونہ ہے۔

> ''یہاں اس وقت کوئی ایسی پختہ عمارت نہ تھی جہاں رہنے بسنے میں سہولت ہو۔ سوائے مندر کی معمولی عمارت اور سری بابا مہاراج کے

باغ اور جھونپڑی کے۔ جس کے اطراف چپل سینڈ، (یہ ایک جنگلی درخت، جس کے چپل جیسے پتا ہوتے ہیں) لگی ہوتی تھی۔ اور دن کے وقت عموماً اور رات کے وقت خصوصاً بیحد خوف ہوتا تھا۔ یہہ دراصل استھان تھا۔ جس میں میرے مہاراج بیٹھ گئے تھے۔

مزید لکھتے ہیں

بہرحال جس زمانہ کا ذکر کر رہا ہوں اس وقت کے اس ساکوری کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔ بہرحال سری بابا مہاراج یہاں گھور تپسیّا دیڈھ سال کرتے رہے۔ اس وقت کے جاننے والے صِرف اسکو جان سکتے ہیں۔ باقی حالات سے نئے معتقدین واقف نہیں۔ کیونکہ ساکوری کا ڈھانچہ اس وقت جو تھا وہ بالکل بدل گیا۔ دیول اور اسکی عمارت اطراف کی بلڈنگس سری بابا مہاراج کی جھونپڑی اور باغ وہ نہ رہے جو میرے جانے کے وقت ابتداء میں تھے۔ کنیا کماری استھان جب وجود میں نہ آیا تھا۔ اس وقت سے میں سری بابا مہاراج کے پاس جاتا تھا اگر میں یہہ کہوں کہ سوائے وہاں کے خاص بھگت اور باشندوں کے، جیسے یشونت راؤ جی رام جی مرحوم وغیرہ تھے۔ اب آپ کسی کو بھی نہیں پا سکتے۔ اس وقت میرے چھوٹے بھائی بھی میرے ساتھ نہ تھے۔ ان دنوں کنھیا کماری استھان ہی نہیں بنا تھا، اس کا مجھے خواب وخیال بھی نہ ہوتا تھا۔'' ۱۶

ابتدائی زمانے میں ایک بار اور پھر دھیرے دھیرے سال میں چار یا پانچ بار بابا کے درشن ہو جایا کرتے تھے۔ لہٰذا جس طرح اشتیاق میں شباب آتا گیا ان کی عقیدت بابا کی تئیں اور پختہ اور مستحکم ہوتی گئی۔ اس باب میں لکھتے ہیں

''میرا خیال اور میری آستھا اُپاسنی بابا مہاراج کے متعلق یہہ ہوگئی کہ

یہ پورن سنت ان میں سب کچھ ہے۔ اور اس سے سب کچھ ہوسکتا
تھا۔ وہ اپنے کو ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ بعض دفعہ ایسی باتیں
فرماتے تھے کہ جس سے دنیادار انسان شک اور غلط رائے قائم کر لیتے
آشرم بعد میں قائم ہوا اس کے لیے میری رائے اچھی ہے۔'' ۱۷

سری اپاسنی بابا کے درشن سے ان کے من کو شانتی ملی لہٰذا ان کے بچپن سے بابا بننے تک کا ایک مختصر سا خاکہ بھی کھینچا ہے کہ کس طرح وہ گھر تیاگ کر کے تپسیا پر نکل گئے۔ انہوں نے بابا کے تذکرے کے دوران مہاتماؤں کی درجہ بندی بھی کر دی ہے جس سے ان کے وسیع مطالعہ اور مطالعہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔

''سرشٹھی کے آغاز سے مہاتما ہوتے آئے ہیں۔ اور سنسار کا اُدھار کیا
ہے۔ ایک کا چرتر دوسرے سے نہیں ملتا۔ ان کی بھی سبھی اوستھائیں
ہوتی ہیں۔ ہر ایک آدمی ان کو پہچان نہیں سکتا۔ شاستر کاروں نے تین
طرح کے مہاتما بتلائے ہیں۔ ایک بال، دوسرے آمنت اور تیسرے
پشچاس، یعنی ایک بچوں کی طرح ہوتے ہیں۔ دوسرے مست ورتی
میں، تیسرے ایسی کرپاؤں کی رتی جو سنسار کو پسند نہ آئے۔ سری بابا
مہاراج ایک میں نہیں رہے، وہ تینوں وِرتیوں سے گذرے اور تینوں
کا انبھو سنسار کو اُن کی پَوِتر آتما میں ہوا۔ اسی کارن سری بابا مہاراج کو
اس جنم میں پورن اَوِستھا حاصل ہوگئی اور سری سائیں بابا نے ان کو
اپنے پاس چار سال رکھکر پورن بنا دیا۔'' ۱۸

نرسنگھ راج عالی نے اپاسنی بابا کی عقیدت کو اس قدر تفصیل سے پیش کیا ہے کہ اس میں بعض گڑی ہوئی کہانیاں بھی شامل ہوگئی ہیں۔ شاید ان کو اپنی مذہب سے اتنی عقیدت تھی کہ وہ ان سے متعلق کہیں سنی باتوں کو یقین کر لیتے تھے لہٰذا بابا کے شرن میں جو بھی آئے گا بابا اس کا بھلا کرینگے، بابا سب کچھ ہیں۔ گویا ان کو بھگوان یا خالق کی ضرورت نہیں وہ محض بابا کی کرپا درشٹی پر زندگی گزار رہے ہیں۔ جس طرح کے واقعات کو رقم کیا ہے وہ عقل و عمل کے دونوں سے پرے معلوم ہوتے ہیں۔ بابا کو خود کو ایک سال پنجرے میں بند

رکھنا اور کنیاؤں کا اپنا گھر دار چھوڑ کر بابا کے دیوان میں آشرم میں تنہا رہنا جیسی من گڑھنت کہانیاں بھی انہوں نے اس میں جوڑ دی ہیں ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

''سری بابا مہاراج ایک سال کئی مہینے، پنجرے میں بندر ہے۔ اور پنڈ ر باجی سے پنجرے کو بند کرالیا۔ یہ عجیب زمانہ تھا کہ جانے والے بھکتوں کے لئے سخت رنجیدہ و پریشان کُن کہ تنگ پنجرے میں سری بابا کو دیکھ کر بھگت بہت پریشان ہوئے۔ اور رنجیدہ تھے۔ مگر اس ہستی کامل وہی جانتے کہ یہہ کیا کرشمہ تھا اور اس میں کتنے اہم واقعات چھپے ہوئے تھے۔ اسی زمانے میں کئی دیوانے آئے اور ان کے عزیز سری بابا کے پاس باوجود انکار چھوڑ جاتے۔ ایک دفعہ سری بابا مہاراج، سرسوتی بائی نامی دیوانی ایک عورت کو ساگوری لایا گیا تھا اور وہیں پر رکھنے پر اصرار کیا گیا تو کہا میں اس دیوانی کو لیکر کیا کروں۔ یہہ بھاگ کر کہیں چلی جائے یا کسی باؤلی میں ڈوب مرے تو میں کیا کروں گا۔ یہہ پولیس کی مداخلت کا کیس ہو جائے گا۔ اس پر اسکے شوہر نے اور عزیزوں بنتی کی کہ چاہے جو کچھ ہو جائے ہم تو اسکو یہیں رکھ کر چلے جاتے ہیں۔ آپ اس کو ماریں یا تاریں ہمکو کوئی شکایت نہیں۔ سری بابا مہاراج نے فرمایا کہ مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں رہے گی۔ آخر کار اسکو اس کے خاندان والوں نے رکھ دیا۔ کرنی کی بات کہ اِسی رات کو یہہ چھوٹی سیندنی کی دیول کی باؤلی (کنویں) میں کود پڑی۔ میں اسوقت سری بابا کے پاس تھا تو سری بابا نے اس طرح فرمایا۔ ہم لوگ بھی سمجھے کہ یہہ مرجاتی ہے یا کیا ہوتا ہے۔ سری بابا نے ہم سب کو جانے اور اسکو نکالنے کیلئے فرمایا۔ مندر کے پیچھے جو کمپونڈ میں چھوٹی باؤلی تھی جا کر دیکھا کہ، دیوانی بائی اسمیں کھڑی

ہے۔اور سری بابا سری بابا کا اچارن کررہی ہے۔ بھگت منڈلی نے آ کر رسّی ڈالکر اسکو نکالا۔ یہہ سری نہیں تھی سب کیفیت سری بابا مہاراج کو سنائی گئی۔ اس وقت اس کے وہ سب عزیز وہاں موجود تھے۔ جنھوں نے اس کو ساکوری لائے تھے۔ ان سے سری بابا نے فرمایا کہ۔ میں نے صبح ہی تم کو چتاونی دی تھی اسکو گھر لیجاؤ۔ علاج کرواؤ یہاں نہ رکھو۔تم نے سنا نہیں۔ اگر مرجاتی تو پولیس آتی اور پنچنامہ کر کے مقدمہ کھڑا کردیتی۔تم اس وقت کیا کرتے۔؟ اس دیوانی کے عزیزوں نے کہا کہ ہم کو بھروسہ ہے کہ سری بابا اسکو اپنے پاس سے جانے نہ دیں گے۔اور جو کچھ کررہے ہیں کریں گے۔'' 19؎

مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے شری اپاسنی بابا کی شان میں لکھا گیا یہ قصیدہ کسی حد تک ان کی والحانہ عقیدت اور محبت کا پیش خیمہ ہے لیکن اس سے ان کی نثر کا ایک نمونہ علم ضرور ہوا ہے جملوں کی ساخت اور برجستہ بیان کا انداز ان کی نثر کے حسن کو دوبالا کردیتا ہے ابتدا سے آخر تک ربط اور باتوں کو اختصار کے ساتھ پیش کرنے کا ڈھنگ انہیں خوب آتا ہے۔

نرسنگھ راج عالؔی کو شادؔ سے بہت قربت حاصل تھی دونوں شاعر تھے اور آصف جاہی سلطنت میں اپنا ایک اہم مقام رکھتے تھے۔ شادؔ سے ان کی عقیدت اور قربت کو پیش کرتے ہوئے شیلا راج نے دیوانِ عالی میں لکھا ہے۔

''یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ سے راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو دلی عقیدت تھی اور آپ سے وسیع تعلقات تھے۔مہاراجہ بہادر سے راجہ صاحب کی نہ تو رشتہ داری تھی اور نہ قرابت لیکن دونوں میں محبت کا مستحکم اور غیر متزلزل رشتہ ایسا تھا جس کو دنیا کی قوی سے قوی طاقت بھی مٹا نہیں سکتی تھی اور ہوا بھی یہی۔ یہ رشتہ مہاراج کی آخری سانس تک قائم رہا۔مہاراجہ کو نہ جانے عالؔی صاحب سے اتنی محبت کیوں تھی

وہ آپ کو اپنا عزیز ترین خیال فرماتے تھے اور ہمیشہ راجہ صاحب کو
مشفق ومحبّ کے لقب سے افتخار بخشتے تھے۔ راجہ نرسنگھ راج عالؔی کو
گھنٹوں مہاراجہ سے ہم کلامی اور ہم نشینی کا شرف حاصل تھا۔ دعوت،
تقریب اور خوشی کے موقع پر ہمراہ ہوتے۔ تعزیت، بیماری، تکلیف
میں نزدیکی کی عزت حاصل تھا۔ دعوت، تقریب اور خوشی کے موقع پر
ہمراہ ہوتے۔ تعزیت، بیماری، تکلیف میں نزدیکی کی عزت حاصل
رہی۔ ظاہر ہے یہ قرابت صرف عالؔی صاحب ہی کے لئے نہیں اہل
خاندان کے لئے بھی انتہائی فخر کی بات تھی۔'' ۲۰

کشن پرشاد شاؔد کے انتقال کے بعد عالؔی نے ایک مضمون بطورِ تعزیت پیش کیا جس کا عنوان ''حضرتِ شاؔد اب کہاں عالؔی'' رکھا۔ اس مضمون کو اگر اہم شاؔد کی زندگی کا چلتا پھرتا آرٹ گیلری کہیں تو بیجا نہ ہوگا اس میں ان کی پیدائش سے لیکر ان کے انتقال تک اور ان کے عالؔی سے تعلقات کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا۔

اس مضمون کو مجلّہ عثمانیہ میں شائع کیا اور بعد میں قومی زبان نے مہاراجہ کشن پرشاد شاؔد کے ایک خصوصی شمارے کے ساتھ اس کو اپنے رسالہ میں جگہ دی۔ میرے زیرِ نگاہ جو نسخہ ہے وہ مجلّہ عثمانیہ کا ہی ہے۔ ۱۹ صفحات پر مشتمل اس مضمون کے ابتدائی دو صفحات میں ان کی اعلیٰ صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حالاتِ زندگی میں تاریخِ ولادت، خاندان اور ابتدائی تعلیم کا ذکر ہے۔ درمیان میں ان کے فارسی کلام کا نمونہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد شاؔد کی وزارت کا دورِ عروج اور نظام سے مہاراجہ کی قربت کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں ان کے تین محلوں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ لیکن مضمون کی طوالت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس کو حذف کیا جاتا ہے۔ توازوں، مہمان نوازی میں مہاراجہ کا کوئی بدل نہیں اپنے علاقے میں ہونے والے جاترا اور عرصوں میں شامل ہوکر وہ خود کو عوام سے قریب تر محسوس کرتے تھے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کا مکمل نمونہ تھے۔ مہاراجہ نے ہندو مسلم اتحاد کی جو مثال قائم کی ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کا دور پرامن اور سکون کا دور رہا ہے۔ اس کے متعلق عالؔی لکھتے ہیں۔

''پہلے بخار نہ تھا۔ بڑھکر ایکسو پانچ تک پہونچگیا۔ ہچکیاں شروع ہوئیں۔تنفس بڑھ گیا بہرحال وہ تمام آثار پیدا ہوگئے جو مریض کے جان کنی کے وقت نمودار ہوتے ہیں آخر ۸۸ تیر ۴۹ف دوشنبہ کے دن چار بجکر ۵ منٹ شام کو آپ کی روح پاک قالب عنصری سے پرواز کر گئی اور ہمیشہ کے لئے آپ نے ملک و مالک، بیوی بچوں، دوستوں رفیقوں کا ساتھ چھوڑا۔آپ کی سنِ ستہتر سال کی تھی۔آپ کے زائچہ کے لحاظ سے یہ سال نہایت ناقص بتلایا جاتا تھا۔ بہرحال آپ تنہا آئے تھے تنہا گئے۔آتے وقت جو نیکیوں کا گنج مخفی ساتھ لائے تھے وہ اوصاف حمیدہ اور لاتعداد خوبیوں کی صورتمیں نمایاں چھوڑ گئے۔جس کا تذکرہ ہر زبان پر جس کی یاد ہر دل میں اور جس کا بیان ہر مکان اور ہر محفل میں برابر جاری رہا اور ابتک ہے۔لوگ مرنے کے بعد یاد کئے جاتے ہیں کیونکہ دنیا مردہ پرست ہے۔مگر مہاراجہ آنجہانی زندگی میں ہر جگہ ہر ملک میں یاد کئے گئے ہر جگہ عزت ہوئی۔ایسے صاحب تقدیر اور صاحبِ اقبال انسان دنیا میں کم پیدا ہوتے ہیں جو جیتے جی لوگوں کے دلوں میں گہری جگہ کرلیں اور مرنے کے بعد اپنے اخلاق وکرم کا سکہ اس طرح بٹھائیں جو مٹ نہ سکے۔''

۲۱

آخر میں عالؔی نے ان کی علالت اور ان کے انتقال کا ذکر بہت غم زدہ انداز میں کیا ہے۔وہ اس قدر غمگین ہوگئے تھے کہ اپنے اصولِ نثر کو بھول گئے جس میں وہ اپنے مضمون کی ابتداء اور انتہا رباعی سے کرتے تھے۔عالؔی نے ان کی علالت کے قصے کی جو جزیات پیش کئے ہیں وہ ان سے بہتر کوئی اور نہیں کرسکتا تھا۔

فنی جائزہ

عالؔی نے جہاں اردو شاعری میں اپنے جوہر دیکھائے ہیں وہیں اپنی مختصر سی نثری خدمات کے ذریعہ خود کو اردو شعرا کی نثر نگاری کی فہرست میں لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ ماقبل ان کے نثری خدمات کا تجزیہ پیش کیا جاچکا ہے اب ان کی نثر کا فنی جائزہ مجموعی طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ جس میں ان کے تمام نثری مضامین کو ملحوظِ خاطر رکھا جائیگا۔

شاعری میں تکرار سے حسن پیدا ہوتا ہے لیکن اگر یہی تکرار نثر میں ہو تو اسے نثر کی خامی سمجھا جاتا ہے۔ عالؔی کے مضامین کو پڑھتے ہوئے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس فن سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے دونوں میدانوں (نثر و شاعری) میں طبع آزمائی کی لیکن یہ توازن ہر جگہ برقرار رہا۔ آل انڈیا کایستھ کانفرنس کے خطبہ میں گیارہ مرتبہ سامئین کو متوجہ کرنے کے لیے خطیبانہ الفاظ کا استعمال کیا گیا لیکن ہر بار الگ انداز اپنایا گیا ہے۔ ابتداء میں معزز حضرات وخواتین اور اکابرینِ قوم، اس کے بعد حاضرین، پھر عالی جناب صدر صاحب، حضرات، سامعین، معزز حضرات اور حاضرین مجلس جیسے الگ الگ القاب کا استعمال کیا گیا۔ جس سے ان کے خطبہ کی خوبصورتی میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

وہ ایک پھول کے مضمون کو سو سو رنگ سے باندھنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ اس خطبہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

> ''اِس دور میں ایک فرقہ ایسا بھی تھا جسکی روادارانہ روش اور غیر فرقہ وارانہ ذہنیت نے بلا لحاظ مذہب وملت اقوام کے دل مُوہ لئے تھے۔ وہ اس زمانہ کی اسپرٹ کی صحیح پیداوار تھا۔ ہندووں کا یہ چھوٹا سا گروہ جسکو شمال میں ''کایستھ'' پورب میں ''کایتھا'' بنگال میں ''کارکن''، ''کانگو''، راجپوتانہ میں ''پنچول''، مہاراشٹر میں ''پربُھو'' اور جنوب میں ''کرنم'' وغیرہ وغیرہ مختلف ناموں سے مشہور ہے۔'' ۲۲

شاعری میں بلاغت اور نثر میں فصاحت ضروری ہے۔ لیکن فصاحت میں بلاغت کا حسن ہو تو نثر کا

حسن بھی دوبالا ہوجاتا ہے۔ عالؔی نے اپنے مختصر سے نثری سرمایہ میں بعض مقامات پر لاشعوری طور پر بیان و بدی کا استعمال کیا ہے۔ جشن جوبلی مبارک کے موقعہ پر پڑھے گئے ایک مضمون ''دورِ عثمانی کے برکات میں لکھتے ہیں

''صداقت اور محبت کی شمع قابلِ تعظیم شاہ ذیجاہ نے جب روشن فرمادی تو رعایاء بصورتِ پروانہ بن بُلائے موجود اور بن کہے فداہونے کوتیار ہے۔'' ۲۳

ایک جگہ علامتی انداز بھی اختیار کیا گیا ہے۔

''کہیں معمولی اختلاف رائے نظر آیا تو وہ بہی ملک دکن کی پیداوار نہیں بلکہ بیرونی زہریلی ہوائیں آ آ کر کبھی کبھی مسموم کرجاتی ہیں۔ سرکار کے اقبال شاہی کا ہی یہہ نتیجہ ہے کہ یہ زہریلے پودے یہاں کی آب وہوا میں نشوونما نہیں پاسکتے۔ اور بہت جلد مُرجہا کر ختم ہوجاتے ہیں۔'' ۲۴

عالؔی کی نثر کی ایک اور بڑی خوبصورتی یہ ہے کہ انہوں نے نثر میں قصیدہ لکھا ہے۔ جشن جوبلی مبارک کے مضمون کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ابتداء میں تشبیب، گریز اور آخر میں دعا اور حسن طلب بھی پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں

''آخر میں ایک کروڑ کئی لاکھ سناتن دہرمیوں کی یہہ آرزو اور دعا ہے کہ سرکار صدوسی سال ملکِ دکن پر کامرانی اور نصرت کیساتھ حکمراں رہیں۔ سرکار کا دور ہمیشہ اسی طرح نیکنام اور بامراد رہے جیسا کہ اسوقت ہے۔ سرکار ہردلی دُعا کا ماخذ ومنزل بنے رہیں۔ سرکار کی دولت دنیاوعقبیٰ کا خزانہ مالا مال اور پُر ہو۔ اور اس سے فیض و برکات کی وہ نہریں جاری رہیں۔ جس سے ہرتشنہ کام کی پیاس بجھے۔ اور ہر ایک کی دلی مُراد بر آئے۔ سرکار کے دشمن اور بدخواہ ہمیشہ ناکام

رہیں۔ اور سرکار معہ اپنے شاہزادگان بلند اقبال اور جملہ اعزائے
خاص اطمینانِ کامل اور پر سکون حکومت کے ساتھ ہماری دلی
آرزوؤں اور واجبی تمناؤں کو پورا کرتے ہوئے شاداں و شادماں
رہیں۔'' ۲۵

زبان و بیان کے اعتبار سے بھی عالؔی کی نثر میں ہر جگہ روانی ہے۔ متروکات کا نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور خاص بات یہ ہے کہ دکن میں لکھے جانے کے باوجود بھی یہ اردو زبان ہر ہندوستانی کو اپنی قطعہ کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

''میں نے ایک مرثیہ لکھا ہے جس کا یہ سرنامہ ہے۔ اور جو زیر طبع ہے۔
ایک ایسی عظیم الشان ہستی کا ذکر خیر کرنا اور ضبط تحریر میں لانا مشکل اور
سخت مشکل ہے، جس کے لئے ہزاروں کیا لاکھوں انسانوں نے آنسو
بہائے ہیں اور جس کی یاد ابھی تک ہر دل کو بیچین کئے ہوئے ہے۔
میرے قلم میں کہاں یہ طاقت ہے کہ وہ لکھتے ہوئے لرزنہ جائے
میرے دل میں کہاں یہ ہمت ہے کہ میں اپنے اس محسن بزرگ عنایت
فرما کے حالات خاطر خواہ لکھ سکوں'' ۲۶

بعض مقامات پر ہندی الفاظ کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں لیکن آگے چل کر ایسی گاڑھی اردو بولتے ہیں کہ پڑھنے والا دنگ رہ جاتا ہے۔

''زچگی کے ساتویں دن انھوں نے شریر تیاگ کر دیا۔ گھر میں بڑا
کہرام مچا۔ کیونکہ مرنے والی سوبھاگیہ وتی نے تین فرد بچے اور دو
کنہیائیں (لڑکیاں) چھوڑ کر گئیں۔ اس سے ان ہونی کا دُکھ سب
خاندان والوں کو ہوا اور میں دس روز سوتک میں بیٹھ گیا'' ۲۷

اسی مضمون میں اس کا اردو نمونہ بھی دیکھتے چلیں۔

''انہوں نے پہلے خط کے ذریعے اطلاع دی اور پھر واپسی کے بعد

مجھ سے تفصیلی تذکرہ کیا میں بعد فراغت رسومِ تعزیتی، خود جانے کا جو
اشتیاق رکھتا تھا۔'' ۲۸

ان مختصر تصنیفات کے باوجود اس بات کا اعتراف کرنا پڑھتا ہے کہ راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے جو نثری تصنیفات اور مضامین لکھے ہیں وہ ان کی شعوری کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہیں۔ ان کی نثر حقیقت نگاری سے پر اور تصنوع اور بناوٹ سے پاک ہے۔ خطبہ اور جشن جوبلی کے موقعہ پر پیش کیا گیا ان کا مضمون اور خطیبانہ لہجہ ہمیں مجاہدِ آزادی ابوالکلام آزاد کی یاد دلاتا ہے۔ زورِ قلم اور خطیبانہ لہجہ کی وجہ سے ان کی نثر غیر افسانوی ادب سے قریب تر معلوم ہوتی ہے۔ اس کو ہم اردو ادب میں نثر نگاری کا نمونہ نہ سہی لیکن راجہ نرسنگھ راج عالؔی کی خطیبانہ صلاحیت اور اعلیٰ کاوشوں کا نتیجہ ضرور قرار دے سکتے ہیں۔

حواشی

۱ قومی زبان، حیدرآباد، مارچ ۲۰۱۴ء، ص ۸

۲ شیلا راج، ڈاکٹر، ''The Legacy of The Nizams, دہلی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۷۹

۳ عالی، خطبہ صدر مجلس استقبالیہ، آل انڈیا کایستھ کانفرنس کے بیالیسویں اجلاس، منعقدہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد، بتاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۸ء، ص: ۱

۴ عالی، خطبہ صدر مجلس استقبالیہ، آل انڈیا کایستھ کانفرنس کے بیالیسویں اجلاس، منعقدہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد، بتاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۸ء، ص ۵

۵ عالی، خطبہ صدر مجلس استقبالیہ، آل انڈیا کایستھ کانفرنس کے بیالیسویں اجلاس، منعقدہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد، بتاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۸ء، ص ۶

۶ عالی، خطبہ صدر مجلس استقبالیہ، آل انڈیا کایستھ کانفرنس کے بیالیسویں اجلاس، منعقدہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد، بتاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۸ء، ص ۷

۷ عالی، خطبہ صدر مجلس استقبالیہ، آل انڈیا کایستھ کانفرنس کے بیالیسویں اجلاس، منعقدہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد، بتاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۸ء، ص ۷، ۸

۸ عالی، خطبہ صدر مجلس استقبالیہ، آل انڈیا کایستھ کانفرنس کے بیالیسویں اجلاس، منعقدہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد، بتاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۸ء، ص ۱۰

۹ عالی، خطبہ صدر مجلس استقبالیہ، آل انڈیا کایستھ کانفرنس کے بیالیسویں اجلاس، منعقدہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد، بتاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۸ء، ص ۱۲

۱۰ روئیداد جلسہ تہنیت جشن جوبلی مبارک، منعقدہ ۱۱ فروردی ۱۳۴۶ف، ص ۱

۱۱ روئیداد جلسہ تہنیت جشن جوبلی مبارک، منعقدہ ۱۱ فروردی ۱۳۴۶ف، ص ۲، ۳

۱۲ روئیداد جلسہ تہنیت جشن جوبلی مبارک، منعقدہ ۱۱ فروردی ۱۳۴۶ف، ص ۳، ۴

۱۳ روئیداد جلسہ تہنیت جشن جوبلی مبارک، منعقدہ ۱۱ فروردی ۱۳۴۶ف، ص ۸

۱۴ نرسنگھ راج عالی، سری اُپاسنی بابا مہاراج ساکن ساکوری۔ اپاسنی نگر، ص ۱

۱۵۔ نرسنگھ راج عالؔی، سری اُپاسنی بابا مہاراج ساکن ساکوری۔ اپاسنی نگر، ص۳

۱۶۔ نرسنگھ راج عالؔی، سری اُپاسنی بابا مہاراج ساکن ساکوری۔ اپاسنی نگر، ص۵

۱۷۔ نرسنگھ راج عالؔی، سری اُپاسنی بابا مہاراج ساکن ساکوری۔ اپاسنی نگر، ص۷

۱۸۔ نرسنگھ راج عالؔی، سری اُپاسنی بابا مہاراج ساکن ساکوری۔ اپاسنی نگر، ص۸

۱۹۔ نرسنگھ راج عالؔی، سری اُپاسنی بابا مہاراج ساکن ساکوری۔ اپاسنی نگر، ص۱۰تا۱۱

۲۰۔ شیلا راج، ڈاکٹر، دیوانِ عالی، حیدرآباد، ۲۰۰۸، ص۲۴

۲۱۔ مجلّہ عثمانیہ، جلد۱۳، شمارہ۴، مہاراجہ نمبر، ص۱۸

۲۲۔ خطبہ صدر مجلس استقبالیہ آل انڈیا کایستھ کانفرنس کے بیالیسویں اجلاس، ص۳،۴

۲۳۔ روٗہداد جلسہ تہنیت جشن جوبلی مبارک، حیدرآباد، ص۴

۲۴۔ رُوٗیداد جلسہ تہنیت جشن جوبلی مبارک، حیدرآباد، ص۷

۲۵۔ رُوٗیداد جلسہ تہنیت جشن جوبلی مبارک، حیدرآباد، ص۷،۸

۲۶۔ مجلّہ عثمانیہ، ص۲

۲۷۔ بابا اپاسنی، ص۲

۲۸۔ بابا اپاسنی، ص۳

☆☆☆

باب هشتم

اختتامیہ

سرزمینِ دکن ہمیشہ سے اردو کے لئے سازگار رہی ہے۔ یہاں ہر دور میں باکمال شخصیتوں نے جنم لیا۔ یہاں کے سلاطین ہر شعبہ حیات میں اپنے ہنر و صلاحیت دکھائے بعض لوگوں نے حیدرآباد کو صلاحیتوں کا قبرستان کہا ہے۔اور یہاں کے شہری اپنے ماحول میں اپنے رنگ میں آزادانہ طور پر جیتے رہے۔ اور اپنی فکر وفن میں اپنے صلاحیتوں کا مظاہرہ کئے ہیں۔خاص طور پر زبان وادب کی خدمات میں یہاں گنگا جمنی ماحول ہے۔ یہاں کی تہذیبی روایات کو پروان چڑھانے میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوداں طبقہ کی بھی سرپرستی حاصل ہے۔

حیدرآباد میں اپنی مخصوص تہذیبی روایات پائی جاتی ہیں اور یہاں کا ہر شہری آپسی بھائی چارگی اور آپسی میل ملاپ کا جذبہ رکھتا ہے۔اور یہ چاہتے ہیں کہ اپنے اسلاف کے روایات کو باقی رکھیں اور اپنے ورثے کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے شوقین تھے۔اردو زبان کے فروغ میں مسلمانوں کے دوش بدوش ہندوؤں نے بھی برابر کا حصہ لیا اور کبھی بھی تنگ نظری اور مذہبی کدورت کو اپنے سینوں میں جگہ نہیں دی۔

اردو کی ترقی وترویج میں کایستھ طبقہ خاص طور پر اہم ونمایاں ہے حیدرآباد میں کائستھ لوگ اپنی مخصوص پہچان رکھتے ہیں یہ نہایت شائستہ، مہذب، ذہین ہیں۔ان کی قابلیتوں کو پہچان کر آصفیہ سلاطین نے ان کی خاص سرپرستی کی انہیں اپنے دربار کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے دے کر ان کی قدردانی کی اور یہ لوگ بھی حکومتِ وقت کے ساتھ پوری وفاداری کے ساتھ وابستہ رہے۔زندگی کے ہر شعبہ میں کایستھ خواتین و حضرات اپنا اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔کایستھ گھرانوں میں ایسے ایسے عالم اور بڑے بزرگ پیدا ہوئے ہیں جن کے فیض سے دکن فن وادب کا مرجع بن گیا۔جن میں مہاراجہ چندو لال شاداںؔ، راجہ محبوب نواز ونت باقیؔ، مہاراجہ کشن پرشادشادؔ، بہاری لال رمزؔ، بچولال تمکینؔ، راجہ نرسنگھ راج عالیؔ وغیرہ اہم ہیں۔

راجہ نرسنگھ راج عالیؔ اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جن کے اجداد آصفی سلطنت میں اعلیٰ مناصب پر فائز تھے۔ساتھ ہی ساتھ شعروادب سے بھی دلچسپی رکھتے تھے عالی کے جدِ اعلیٰ دولت رائے آصف جاہ اول

کے ہمراہ دہلی سے اورنگ آباد اور پھر حیدرآباد آئے۔ دولت رائے کے پڑپوتے اور رائے نرہری پرشاد کے بڑے فرزند راجہ گردھاری پرشاد ہیں انھیں بھی سلطنتِ آصفیہ میں اعلیٰ مدارج حاصل تھے۔ ان کے شعر و ادب سے متعلق کئی تصانیف یادگار ہیں۔ باقؔی کے اولا میں راجہ نرسنگھ راج عالؔی اور راجہ محبوب راج محبوب رہے ہیں راجہ نرسنگھ راج عالؔی بھی سلاطینِ آصفی کے کلیدی عہدوں پر فائز تھے۔ اور اس خاندان کے ہر دور کے افراد کو شاعری سے غیر معمولی دلچسپی تھی اور ابھی بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

راجہ خاندان کے کئی پشتوں نے آصفیہ دور حکومت میں اپنی وفاداری اور دیانت داری، قابلیت کی وجہ کئی اعلیٰ عہدے حاصل کیے اور وہ اپنی وفاداری کی بنا پر دربار کے اعلیٰ عہدے داروں کے ساتھ اچھے مراسم برقرار رکھے۔ اور آصفیہ حکمران بھی ان کا بہت احترام کیا کرتے تھے۔

کایستھ گھرانوں میں کئی اعلیٰ مرتبت رکھنے والے شاعر رہے ہیں ان میں سے ایک بلند مرتبہ رکھنے والے شاعر راجہ نرسنگھ راج عالؔی بھی ہیں۔ ان کی ولادت ۱۲۱۱ھ بمطابق ۱۸۸۹ء میں حیدآباد میں پیدا ہوئی۔ ان کی ابتدائی تعلیم مکتب خوانی اور شادی بنارس کے سوامی بھاسکر آنند سرسوتی کے سرپرستی میں ہوئی۔ ۱۸۹۶ء میں ان کی شادی ہوئی اس وقت عالؔی سات سال کے تھے اور ان کی بیوی راج کنور صرف چار سال کی تھی۔ شادی کے بعد محبوب علی پاشاہ کے حکم پر دلھا، دلھن کا استقبال کیا گیا۔ ان کی ازدواجی زندگی بہت خوش گوار گذری انھیں تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ لیکن ان کی تینوں لڑکیاں کم عمری ہی میں انتقال کر گئیں ان کے تین لڑکے ا۔ نرہر راج ساقی، ۲۔ شام راج، ۳۔ رام راج بقید حیات ہیں۔

غرض یہ کہ فن شاعری اس خاندان کی رگ جاں میں موجود تھی جو خون کے ساتھ رواں دواں تھی۔ راجہ نرسنگھ اٹھارہ برس کی عمر میں باقاعدہ شاعری کرنے لگے اور عالؔی تخلص اختیار کیا۔ ابتداء میں انھوں نے اس عہد کے مشہور شاعر فصاحت جنگ جلیلؔ سے اصلاح لی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند اکبر صدیق احمد اثر سے اصلاح لینے لگے۔ عالی، فصاحت جنگ جلیلؔ سے بے حد متاثر تھے کئی مرتبہ اپنی شاعری میں انھوں نے ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی نے غزلیں، نظمیں قصیدے، مرثیے، رباعیات، قطعات، تاریخ وغیرہ مختلف

اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ اچھے نثر نگار بھی تھے ان کے کئی نثری مضامیں اس دور کے مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ان کا بیشتر کلام ضائع ہوگیا جتنا بھی کلام ملا وہ ان کے پوتر بہو نے ''دیوانِ عالؔی'' کے نام سے ۲۰۰۸ء میں شائع کیا۔

نرسنگھ راج عالؔی دربار سے وابستہ تھے یہی وجہ ہے کہ روایتی طرز کی شاعری پر انھیں عبور حاصل تھا انھوں نے اپنی شاعری میں وصل وجدائی اور گل وبلبل کے نغموں کے ساتھ ساتھ سماجی مسائل کو بھی جگہ دی سماج کے بگڑتے اور نا آسودہ حالات پر ان کی گہری نظر تھی انہوں نے غزل کی ہئیت میں نظمیہ مضامین باندھنے کی کامیاب کوشش کی ان کے یہاں موضوعات کی کثرت ہے ان کی غزلیہ شاعری کو سمجھنے کے لئے موضوعاتی اعتبار سے ہم ان کی غزلیہ شاعری کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔عشقیہ موضوعات اور قلندرانہ اور دُرویشانہ موضوعات۔عشقیہ موضوعات میں عالؔی روایت کے پاسدار ہیں ان کا محبوب کہیں خیالی نظر آتا ہے تو کہیں گوشت پوست کا جیتا جاگتا حسن کا پیکر نظر آتا ہے۔ان کے غزلوں میں قلندرانہ اور دُرویشانہ موضوعات بھی پائے جاتے ہیں عالؔی درباری خدمت پر مامور تھے اور ان کی طبعیت میں قلندرانہ اوصاف تھے وہ بادشاہت سے بڑھ کر فقیری کو مانتے تھے اور خوشی سے بڑھ کر غم کو عزیز رکھتے تھے۔جیسا کہ کسی فنکار کی ذاتی زندگی اس کی تحریروں میں درآتی ہے چنانچہ ان کے غزلوں میں شخصی موضوعات بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ غزلیں اردو ادب کا خوبصورت سرمایہ ہیں۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی میر عثمان علی خاں بہادر کے دور کے نمایاں شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں اور دربار میں پیش کار کے فرائض انجام دیا کرتے تھے ان کے مجموعے شاعری میں تین قصائد ملتے ہیں لیکن تینوں قصیدے حضرت میر عثمان علی بادشاہ کی شخصیت اور ان کے عہد کے ترجمان ہیں۔ان کے پوتے نارائن راج کے مطابق نرسنگھ راج عالؔی نے کئی قصائد تحریر کئے تھے۔لیکن وہ طباعت سے محروم ہیں۔ان کا ایک قصیدہ حضرت میر عثمان علی خان کی مدح میں لکھا گیا ہے۔اس میں میر عثمان علی خاں کے اوصاف حمیدہ کا اور ان کی شخصیت کو معیاری اور اعلیٰ الفاظ کے ذریعہ منعکس کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔عالؔی کا دوسرا قصیدہ میر عثمان علی بادشاہ کی سالگرہ پر لکھا گیا اس قصیدے میں عثمان علی بادشاہ کو بڑے فنکارانہ انداز میں مبارکباد پیش

کی ہے۔تیسرا قصیدہ دورعثمانی کے عنوان سے دکن ریڈیو پرنشر ہوا۔ان کے ان تینوں قصیدوں میں عالی نے سادہ اور سلیس زبان کا استعمال کیا ہے اور دورعثمانی کے کارنامون اور دورعثمانی میں دکن کی فلاح و بہبود کی دلکش عکاسی کی ہے۔عالؔی نے قصیدوں میں مبالغہ آرائی سے گریز کیا اور تسلسل کو برقرار رکھا جس کی وجہ سے قصیدہ کی اہمیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔ان قصیدوں کی اہمیت نہ صرف ادبی حیثیت سے ہے بلکہ تاریخی اعتبار سے بھی یہ قصائدنمایاں اور بلند پایہ مقام رکھتے ہیں۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی کے ہاں بہت کم نظمیں ملتی ہیں جونظمیں ہمیں ملتی ہیں وہ اصلاح پسند موضوعات پرمشتمل ہیں۔انہوں نے ان نظموں میں اپنے عہد کوسمویا ہے انھوں نے روایت کی پاس داری کرتے ہوئے اپنی شاعری بالخصوص نظموں میں اصلاحی موضوعات کوجگہ دی ہے۔شراب کے مضر اثرات،حب الوطنی،وطن کی خدمت شاہ وحکمراں سے وفاداری،انسانی عظمت وغیرہ کوموضوعات بنا کرمترنم لہجے میں پیش کیا ہے۔ عالؔی کی نظموں میں کڑوے سیلے،تلخ الفاظ نہیں ملتے اور نہ یہ بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے قائل ہیں یہ نرم اور ملائم الفاظ کے استعمال پرقدرت رکھتے ہیں یہ نظم نگار کی حیثیت سے اعلیٰ اور بلند پایہ منصب بھی رکھتے ہیں۔

عالؔی نے مرثیے بھی لکھے ہیں خاص طور پران کے پاس شخصی مرثیے ملتے ہیں جوحیدرآباد کی مشہور شخصیتوں کے بارے میں ہی ہے چوں کہ محبوب راج محبوبؔ اور مہاراجہ کشن پرشادؔ بلند پایہ شاعر تھے اسی لئے ان کی وفات اور بیماری ان کے اوصافِ حمیدیہ سے متعلق تفصیلات ان کی شاعری کوسمجھنے میں معاون ثابت ہوسکتی ہے عالؔی نے ''ارمغان محبوب'' اور ''غم احبابِ شاد'' میں مبالغہ آرائی سے پاک،نہایت ہی غمزدہ لہجہ میں تمام حقائق کوپیش کیا ہے شخصی مرثیے کے تمام اصول وضوابط کو برتنے میں کامیاب نظرآتے ہیں۔ان کے یہ مرثیہ یقیناً اردومرثیے میں بیش قیمتی خزانے کی اہمیت رکھتے ہیں۔

راجہ نرسنگھ راج عالؔی ایک عمدہ رباعی گوبھی ہیں انہوں نے اپنی رباعیات میں مسائلِ تصوف کا بیان بڑی عمدگی سے کیا ہے ان کے یہاں عشق مجازی سے لے کرعشق حقیقی تک کا والہانہ اظہار ملتا ہے۔انہوں نے قومیت اور بھائی چارگی جیسے اہم موضوع کوبھی اپنی رباعیات میں جگہ دی ہے۔عالؔی نے اپنے چاہنے والوں

اور حاکم وقت عثمان علی بادشاہ اور مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کو بھی اپنی رباعیات کے ذریعہ خراج پیش کیا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عالیؔ کے یہاں فن رباعی گوئی اپنے عروج پر نظر آتی ہے اور اگر عالیؔ صرف رباعیات بھی لکھتے تو اتنے ہی مشہور ہوتے جتنے کہ آج ہیں۔

قطعات نگاری میں بھی راجہ نرسنگھ راج عالیؔ طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے قطعات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عالیؔ بہترین قطعہ گو شاعر بھی ہیں ان کے قطعات ہئیت اور تکنیک کے اعتبار سے مکمل اور پر اثر ہیں۔ انھون نے مختلف موضوعات کو اپنے قطعات میں جگہ دے کر قطعہ نگاری کے فن کو فروغ دیا۔

ان کے پاس اردو میں بھجن ملتے ہیں ان کے بھجن کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ بہترین بھجن گو شاعر بھی ہیں انہوں نے مختلف بھگوان، اوتار، تہوار وغیرہ کو موضوع بنا کر ان کی خصوصیات، عظمت وغیرہ کو پیش کیا ہے اور ان خاص دنوں میں بھگوان کی پوجا کرنے سے ہونے والے نتائج جیسے قلبی سکون، زندگی کی کامیابی و کامرانی، بلند ہمتی وغیرہ پر اچھے بھجن ملتے ہیں۔

راجہ نرسنگھ راج عالیؔ نے تاریخ گوئی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ انہوں نے کئی افراد کے انتقال پر تاریخیں لکھی ہیں۔ تاریخ گوئی کے فن کو بخوبی برتا ہے۔ انھوں نے اپنے جذبات و احساسات کو دلکش اور شگفتہ اسلوب میں پیش کیا ہے۔

نثر نگاری میں بھی انہوں نے طبع آزمائی کی ہے ان کے نثری مضامین حیدرآباد کے مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان کے مضامین آصفیہ دور کی تہذیب و تمدن کے آئینہ دار ہیں ان کے مضامین کو تاریخی حیثیت حاصل ہے۔

عالیؔ کا شمار حیدرآباد کے بلند پایہ شاعروں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اردو شاعری کے فن و اسلوب کو نئی بلندیوں پر پہنچانے میں نمایاں خدمات انجام دیں ہیں۔ ان کے شاعرانہ خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے غزل، نظم، مرثیہ، قصیدہ، رباعی، قطعہ، بھجن، تاریخ گوئی وغیرہ اصناف میں طبع آزمائی کر کے اردو زبان و ادب کے فروغ میں اپنا نمایاں رول ادا کیا ہے۔

☆☆☆

کتابیات

سلسلہ	مصنف	تصنیف	مقام اشاعت	سنہ اشاعت
۱۔	اُم ہانی اشرف، ڈاکٹر	اردو قصیدہ نگاری	علی گڑھ	۱۹۸۸
۲۔	بھاسکر راج سکسینہ	حیدرآباد کے ادبی رتن	حیدرآباد	۲۰۰۰
۳۔	بھاسکر راج سکسینہ	حیدرآباد کے بنسی راجہ	حیدرآباد	۱۹۹۵
۴۔	پون کماری	راجہ گردھاری پرشاد باقیؔ اور ان کے		
		خاندان کی اردو ادبی خدمات	حیدرآباد	۲۰۰۹
۵۔	جلالادین اکبرؔ	حیدرآبادی شعرا	حیدرآباد	۲۰۰۹
۶۔	حبیب ضیاء، پروفیسر	گلدستۂ شاد	حیدرآباد	۲۰۰۹
۷۔	خواجہ حمیدالدین شاہدؔ	حیدرآباد کے شاعر انتخاب کلام	حیدرآباد	
۲۶۔	دیانرائن نگم، منشی	کلیاتِ نوبت رائے نظر	قیصر باغ لکھنؤ	۱۹۸۸
۲۵۔	زور، محی الدین قادری	مرقع سخن، جلد دوم	حیدرآباد	۱۹۳۷
۸۔	سلیمان اطہر جاوید، پروفیسر	غزلیاتِ شادؔ	اردو اکیڈمی	
			آندھرا پردیش	۲۰۰۹
۹۔	سیدہ جعفر، پروفیسر	دکنی ادب میں قصیدے کی روایت	حیدرآباد	۱۹۹۹
۱۰۔	سیدہ جعفر، ڈاکٹر	دکنی رباعیات	حیدرآباد	۱۹۶۶
۱۱۔	شارب ردلوی، ڈاکٹر	اردو مرثیے		۱۹۹۱
۲۲۔	شکیب، ڈاکٹر محمد ضیاء الدین احمد اور نارائن راج، ڈاکٹر	خمخانۂ شادؔ	حیدرآباد	۲۰۱۲
۱۲۔	شیلا راج، ڈاکٹر	Portrait of An Era		

		Hyderabad in the days of the Nizams 1828-1896	حیدرآباد	۲۰۰۲
۱۳۔	شیلاراج، ڈاکٹر	The Legacy of The Nizams	دہلی	۲۰۰۲
۱۴۔	شیلاراج، ڈاکٹر	دیوانِ عالؔی	حیدرآباد	۲۰۰۸
۱۵۔	شیلاراج ڈاکٹر	دیوانِ محبوب	حیدرآباد	۲۰۰۶
۱۶۔	شیلاراج، ڈاکٹر	شاہانِ آصفیہ کی رواداری اور ہندو مسلم روایات	حیدرآباد	۲۰۰۷
۳۰۔	عالؔی، نرسنگھ راج	ارمغانِ محبوب	حیدرآباد	
۳۱۔	عالؔی، نرسنگھ راج	درد باقی و درد ساقی	حیدرآباد	
۳۲۔	عالؔی، نرسنگھ راج	جوشِ غم	حیدرآباد	
۳۳۔	عالؔی، نرسنگھ راج	غم احبابِ شاد	حیدرآباد	
۳۴۔	عالؔی، نرسنگھ راج	یادگارِ حضرتِ شاؔد	حیدرآباد	۱۳۶۰ف
۲۳۔	عبدالعزیز سہیل، ڈاکٹر محمد	ڈاکٹر شیلاراج کی تاریخی و ادبی خدمات	دہلی	۲۰۱۴
۲۴۔	عطاءاللہ خاں، ڈاکٹر محمد	معاصرینِ داغ دہلوی	دہلی	۲۰۰۹
۱۷۔	غلام جیلانی	ایوانِ شاد کا ایک مشاعرہ	حیدرآباد	۱۹۹۴
۱۸۔	فرمان فتحپوری، ڈاکٹر	اردو شاعری کا فنی ارتقاء	دہلی	۲۰۰۸
۱۹۔	گیان چند جین	ادبی اصناف		
۲۰۔	مجاور حسین رضوی، ڈاکٹر سید	روحِ انیس		

۲۱۔ مظفرالدین خاں — جنوبی ہند میں رباعی گوئی

صاحبؔ، سید — تذکرۂ الشعراء — حیدرآباد — ۱۹۸۴

۲۹۔ نارائن راج، ڈاکٹر اور

حبیب ضیا، پروفیسر — نذرِ شاد — حیدرآباد — ۲۰۰۹

۲۷۔ ہاشمی، نصیرالدین — دکن میں اردو — نئی دہلی — ۱۹۸۵

۲۸۔ ہاشمی، نصیرالدین — دکنی ہندو اور اردو — نئی دہلی — ۱۹۸۴

غیر مطبوعہ

۱۔ عالیؔ، نرسنگھ راج — راجہ نرسنگھ راج عالیؔ کے اردو بھجن

۲۔ عالیؔ، نرسنگھ راج — سری اپاسنی بابا مہاراج

رسائل

۱۔ سب رس — حیدرآباد — جنوری ۱۹۴۰

۲۔ سب رس — حیدرآباد — جون ۱۹۴۱

۳۔ سب رس، سالار جنگ نمبر، — حیدرآباد — اپریل ۱۹۴۹

۴۔ سب رس، اقبال نمبر — حیدرآباد

۵۔ قومی زبان — حیدرآباد — مارچ ۲۰۱۴

۲۔ قومی زبان — حیدرآباد — جون۔جولائی ۲۰۱۰

۷۔	مجلّہ عثمانیہ، مہاراجہ نمبر	حیدرآباد	جلد۱۳ سمارہ۴
۸۔	نیادور	لکھنؤ	فروری۱۹۹۶
۹۔	ہماری زبان	علی گڈھ	جولائی۱۹۵۷

اخبارات

۱۔	روزنامہ ''سیاست''	حیدرآباد	۱۷اپریل۱۹۸۳
۲۔	روزنامہ ''سیاست''	حیدرآباد	۲۱فروری۲۰۰۹
۳۔	روزنامہ ''سیاست''	حیدرآباد	۱۶مئی۲۰۰۹
۴۔	روزنامہ ''اعتماد''	حیدرآباد	۱۰جون۲۰۱۳
۵۔	روزنامہ ''اعتماد''	حیدرآباد	۱۱ اکتوبر۲۰۱۰

شخصی انٹرویو

۱۔	بھاسکرراج سکسینہ	حیدرآباد	۱۷ڈسمبر۲۰۰۹
۲۔	نارائن راج، ڈاکٹر	حیدرآباد	۱۵جون۲۰۱۲
۳۔	نارائن راج، ڈاکٹر	حیدرآباد	۱۱مئی۲۰۱۳

خطبات

۱۔	عالی، نرسنگھ راج	رُوئداد جلسۂ تہنیت جشن جُبلی

مُبارک وتقریر جناب

راجہ نرسنگھ راج عالؔی حیدرآباد ۱۱ فروردی

۱۳۴۶ف،

۲۔ عالؔی، نرسنگھ راج صدر مجلس استقبالیّہ، آل

انڈیا کایستھ کانفرنس

کے بیالیسویں اجلاس حیدرآباد ۲۷ڈسمبر

۱۹۳۸

☆☆☆